وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ
مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ
(سورۃ النحل: 44)

خُطباتِ حامِد

(جلد اول)

حافظ محمد حامد چشتی صابری صاحب
آستانہ عالیہ ننگل شریف پسرور (سیالکوٹ)

ISBN 978-969-23915-1-1

ترتیب: زوار حیدر
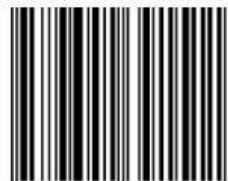
وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْہِمْ (النحل:44)

اصحابِ قرآن وتشنگان علم کیلئے سرکار حافظ محمد حامد چشتی صابری صاحب کے درسِ قرآن کا بیش بہا تحفہ

خُطباتِ حامِد

(جلد اول)

از

علامہ حافظ محمد حامد چشتی صابری مدظلہ العالی

آستانہ عالیہ ننگل شریف پسرور (سیالکوٹ)

ترتیب: زوار حیدر

کتاب کا نام: خطباتِ حامد

مصنف: محمد حامد چشتی صاحب

آستانہ عالیہ ننگل شریف پسرور

ترتیب: زوار حیدر

پروف ریڈنگ: علامہ سعید احمد صاحب

مدرس جامعہ نعیمیہ رضویہ الحبیب پسرور

سال اشاعت: 2023

ایڈیشن: 1st

پبلشر: حافظ محمد حامد چشتی صاحب (مصنف)
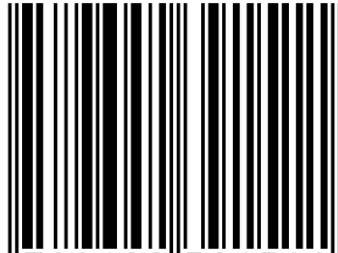
انتساب

حضور قبلہ عالم صوفی باصفا منبعِ رشد و ہدایت پیر محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ
چشتی صابری قادری ننگل شریف پسرور

ترتیب

عرضِ مرتب

تمام خوبیاں عالمین کے رب کیلئے جس کی توفیق سے میں نے اسکی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اسکی رضا کیلئے خطباتِ حامد کو ترتیب دیا۔ تمام درود و سلام محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر جن کے صدقے یہ کائنات اللہ نے سجائی اور انکو زمین پر بھیج کر اپنی ذات سے ہمیں روشناس کروایا۔

یہ خطبات جو کہ قبلہ حافظ صاحب مسجد جمالِ مصطفیٰ محلہ پیر جھنگی پسرور میں جمعہ کو درسِ قرآن کی صورت میں بیان کرتے ہیں کو ترتیب دیا گیا ہے۔ پسرور میں کوئی تین سال سے یہ سلسلہ شروع ہے، اس سے پہلے ننگل شریف میں درس دیا کرتے تھے اور اسکے علاوہ مختلف مقامات پہ پروگرامز میں آپکو بلایا جاتا ہے۔ خطبات کی تعداد جو ریکارڈ ہے وہ تو سینکڑوں میں ہے لیکن میں نے کتاب کی صورت میں صرف چند ایک ہی ترتیب دیے ہیں۔ تاہم یہ خطبات Youtube چینل https://youtube.com/@hafizm.hamidchishtisb43?si=a_J7vcC_xGcjVYXV پر آپ کو تقریری صورت میں مل جائینگے۔ ہر ممکن کوشش یہی کی گئی ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی نہ کروں اور خطبات کو اصل حالت میں ہی پیش کروں۔ پھر بھی تھوڑی بہت کمی بیشی پر اللہ سے معافی چاہتا ہوں۔

آیات کا ترجمہ عرفان القرآن اور کنزالایمان سے لیا گیا ہے اور انکو inverted commas میں لکھا ہے، تاہم خطبہ میں جو ترجمہ کیساتھ مفہوم اور وضاحت شامل ہے انکے گرد commas نہیں لگائے گئے۔ احادیث جو کہ مفہوم کی صورت میں بیان ہوئیں ہیں، انکا اصل متن اور حوالہ بھی footnotes میں دیا گیا ہے۔ قارئین کی سہولت کے لئے ہر خطبہ کے شروع میں خاکہ پیش کیا گیا ہے، ہر پیراگراف کیلئے ایک نقطہ دیا گیا ہے۔ خطبہ کے شروع میں حافظ صاحب جو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی پاک ﷺ کی توصیف پر تمہیدی بیان کرتے ہیں وہ علیحدہ سے آگے تمہید کے نام سے لکھی گئی ہے اور ہر خطبہ کے شروع میں صرف مختصراً تمہید لکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس میں برکت ڈالے۔ آمین۔

زوار حیدر

تمہید

الحمد للہِ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرورِ انفسنا و من سیئات اعمالنا۔ من یھدہ اللہ فلا مضدللہ۔ و من یضللہ فلا ھادیا لہ۔ونشھدان لا الہ الا اللہ،وحدہ، وحدہ، وحدہ لا شریک لا، لا شریک لہ، لاندلا لہ، لا ضدلا، لا مثل لہ، لا مثال لہ ولا ممثل لا۔ عوننا وعیننا وعیاننا ومعیننا،غوثنا و غیثنا و غیاثنا و مغیثنا، حبیبنا و حبیبب ربنا، محبوبنا و محبوب ربنا، طبیببنا و طببیب قلوبنا، قرۃنا و قرۃ عیوننا،شفیعنا و شفاعت صدورنا، مطلوبنا، مصحوبنا،موجودنا، ومقصودنا و مولانا محمدؐا عبدہ و رسولہ۔ اما بعد، فقد قال اللہ تبارک و تعالیٰ فی القرآن المجید۔ اَعُوذُ بِاللّٰہ مِنَ الشَّیطٰنِ الَّرجِیمِ۔ متعلقہ آیت۔ امنت باللہ صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ النبی الامی الکریم۔ ونحن علی ذلک من الشاہدین والشاکرین و الحمدللہ رب العالمین۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی شان حبیبہ مخبرا و امرا، ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی، یا ایھاالذین امنوا صلو علیہ وسلموا تسلیما۔ اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ اٰل سیدنا و مولانا محمد و بارک وسلم۔

اللہ رب العزت کی حمد وثناء کے بعد کہ جو اپنی ذات کے اعتبار سے بھی یکتا ہے اور صفات کے اعتبار سے بھی؛ اللہ کا کوئی شریک نہیں؛ وہی اس کائنات کا خالق اور معبود بر حق ہے۔ اس نے ہی انسان کو اَشرف المخلوقات بنایا اور ہم سب نے پلٹ کر اسی اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ بے حد و بے انتہا درود و سلام امام الانبیاء، حبیب کبریاء، شفیع المذنبین، رحمت اللعالمین، تاجدار سلطنتِ دنیاودین، آمنہ کے لال باعثِ تخلیق کائنات، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس پر کہ جنکے صدقے ہمیں اللہ نے ایمان کی دولت سے مالامال فرمایا۔ نہایت ہی واجب الاحترام معزز بزرگو، دوستو، عزیز بھائیو! السلام علیکم!

مقدمہ

صوفیاء کا علم ایک ایسا ابدی اور عرفانی علم ہے جسے نہ تو عقل و دانش اور دلیل و برہان کے ترازو میں تولا جا سکتا ہے اور نہ ہی الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کو تحریر میں لانے کا مقصد امت مسلمہ تک دین متین اس صورت میں پیش کرنا ہے جیسے یہ اصل صورت میں تھا تاکہ امت جہالت و گمراہی سے نہ صرف بچ جائے بلکہ اس نور کی روشنی میں اپنے اللہ کی معرفت حاصل کرے۔ اپنی زندگی کا مقصد سمجھے، مخلوق خدا کی خدمت کرے اور دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرے۔

اصل نام محمد حامد چشتی ہے سلسلہ چشتیہ سے فیض یاب ہیں اپنے عہد کے صوفی باصفا پیر طریقت منبع رشد و ہدایت حضور قبلہ صوفی محمد یوسف چشتی صابری قادری رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند اور انکے واحد جانشیں ہیں۔ آپ ضلع سیالکوٹ کی تحصیل پسرور کے ایک گاؤں ننگل شریف میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بن باجوہ ہائی سکول سے حاصل کی اور پھر اعلی کے لیے پنجاب یونیورسٹی تک کا سفر کیا۔ دوسری طرف قرآن مجید حفظ کیا درس نظامی اور دورہ حدیث میں بھی علم کے خزانے سمیٹے۔

ایک واقعہ جو آپکی دلچسپی کے لیے ، آپکی ذہانت اور قابلیت کو دیکھتے ہوئے آپکے والد گرامی قدر کو دوستوں نے عرض کیا کہ آپکو ڈاکٹر بنائیں۔ باباجی سرکار نے فرمایا کہ اسکو بنائیں گے تو ڈاکٹر ہی مگر دین کا۔ پھر اس بات کا زمانہ گواہ ہے کہ آج دین کی ترویج و اشاعت میں ان کا کوئی ثانی نہیں اور آپ اپنے مرشد کریم کے فرمان کی سچائی کے مظہر بنے اور دین کے ڈاکٹر بنے۔ اکثر علماء باباجی سرکار سے عرض کرتے کہ انکی گفتگو میں یہ ملکہ کیسے آیا کہ جو بھی ایک بار گفتگو سنتا ہے پھر اسی در کا ہو کہ رہ جاتا ہے اسکے لب پھر کبھی تشنہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ دیگر علماء بھی وہی آیات پڑھتے ترجمہ تفسیر کرتے ہیں مگر کسی کے سر پر جوں تک نہیں رینگتی جبکہ دوسری طرف وہی آیات جب صاحبزادہ صاحب پڑھتے ہیں تو ہر کوئی انگشت بدنداں اور ورطہ حیرت میں مبتلا ہوتا ہے

اس بارے میں جب آپ (حافظ صاحب) سے سوال کیا جاتا کہ آپ کی گفتگو میں کمال تاثیر کیسے آئی تو آپ نے فرمایا کہ بندہ ناچیز تو بس الفاظ ادا کرتا ہے تاثیر تو میرے مالک کی عطا ہے۔ کیوں کہ جب آپ کا مقصد خالص اللہ کی رضا ہو تو اسکی مدد اور رحمت شامل حال ہوتی ہے اسلئے کہ یہ میرے کریم رب کا وعدہ ہے اور دوسری طرف باباجی سرکار نے ارشاد فرمایا کہ جب حج پر گئے تھے اور در مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کا شرف حاصل ہوا تو میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میرے بیٹے آپکا ذکر کیا کریں اور میں سنا کروں۔ میری وہ دعا مقبول ہوئی اور اسکا ثبوت آپ کے سامنے ہے۔

اگر آپ عصر حاضر پہ نظر ڈالیں تو آپ کو لوگ ایسے بھی دیکھنے کو ملیں گے جن کا مقصد اولین دین نہیں اگر ترجیح دین ہو تو یہ معاشرہ ایک امت بھی نظر آئے۔ میرے محترم المقام قبلہ حافظ محمد حامد چشتی صابری قادری صاحب ایک گروہ کی نہیں بلکہ امت کی تعلیم دیتے ہیں۔ فکر و آگہی بیدار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج اس پر فتن دور میں بھی جہاں ہر کوئی دین کے نام پر دکان چلا رہا ہے وہاں ہر مکتبہ فکر کے لوگ آپکی گفتگو سے فیض یاب ہو رہے ہیں اور اس دوران تو انکی کیفیت دیدنی ہوتی ہے۔ یہ بات زبان زد عام ہے کہ آج پتہ چلا کہ مصطفی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دین کا بیڑہ اولیاء عظام کے پاس ہے اور وہ آج بھی اس ذمہ داری کو اسکی توفیق سے باحسن وخوبی سرانجام دے رہے ہیں

اب تھوڑا سا کتاب کے متعلق عرض کرتا چلوں کہ سرکار قبلہ حافظ محمد حامد چشتی صابری قادری صاحب کے خطبات کو تحریری شکل میں لانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ وہ اس لئے کہ مالک عرض و سماء نے قبلہ حافظ صاحب کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور میرے پیشوا مرشد کریم کی دعا کے طفیل وہ ملکہ عطا فرمایا ہے کہ جس کا کوئی ثانی نہیں۔ وہ رہنمائی جو اس سے حاصل ہوئی کسی اور کے در سے ممکن نہ تھی۔ فکر و آگہی کا یہ سفر جو میرے مرشد کریم کی زیر سرپرستی ایک صدی قبل شروع ہوا وہ اب قبلہ حافظ صاحب کی زیر نگرانی ہمارے قلوب و اذہان کو سیراب کرتا ہوا منزل مقصود (معرفت الہی) کی جانب رواں دواں ہے۔ قبلہ حافظ صاحب کمال کا جملہ فرماتے ہیں "بہت سے راستے ایسے ہیں جن کے متعلق دعوی کیا جاتا ہے کہ یہ خدا تک لے جاتے ہیں مگر افسوس

کہ یہ سارے رستے، رستے میں ہی رہ جاتے ہیں صرف ایک رستہ ہے جو اللہ تک لے جاتا ہے اور وہ رستہ مدینے سے ہو کر جاتا ہے" اسکی مثال بھی انہی کہ خطاب سے ملاحظہ فرمائیں کہ واقعہ معراج میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا براق مسجد اقصی سے اوپر آسمانوں کی طرف محو پرواز ہوا تھا۔ آج کی جدید سائنسی تحقیق بھی یہ بتاتی ہے کہ جب کسی مشن کو خلا میں بھیجا جاتا ہے اسے دنیا کے کسی بھی خلائی اسٹیشن سے بھیجا جائے وہ پہلے مسجد اقصی تک پہنچتا ہے اور وہاں سے آسمانوں کی طرف سفر کرتا ہے۔

جدید سائنسی تحقیق جس نتیجے پر آج پہنچی ہے میرے کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے ان رستوں کا بتا دیا تھا کہ مجھے زمینی رستوں کا ہی نہیں آسمانی رستوں کا بھی علم ہے۔ قبلہ حافظ صاحب یہ فرماتے ہیں کہ میں تو قرآن کریم کا ادنیٰ طالب علم ہوں۔ آپ کسی بھی مکتبہ فکر کو نشانہ نہیں بناتے بلکہ بڑے ہی محبت بھرے انداز سے ان کی اصلاح فرماتے ہیں۔ اور تمام کلمہ گو مسلمانوں کو ایک امت بنانے میں کوشاں ہیں۔ آپکی خدمت میں یہ جتنی بھی تحریر کا شرف حاصل ہوا وہ بھی اس بندہ ناچیز کو اسی در کی گدائی سے حاصل ہوا ہے۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ اس کتاب کو امت کے لیے آسان اور قابل فہم بنائے اور ہمیں دین کی اصل روح کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین ثم آمین

خیر اندیش

خادم آستانہ عالیہ ننگل شریف
محمد امجد اسلام امجد چشتی صابری

شجرہ شریف (سلسلہ چشتیہ، صابریہ، قادریہ)

1۔ حضرت محمد ﷺ
2۔ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم
3۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ
4۔ حضرت عبد الواحد بن زید مربیؒ
5۔ حضرت خواجہ فضیل مراتبؒ
6۔ حضرت ابراہیم ادھمیؒ
7۔ حضرت شاہ حذیفۃ المرعشیؒ
8۔ حضرت خواجہ محمد امین الدینؒ
9۔ حضرت علوی ممشاد دینوریؒ
10۔ حضرت ابو اسحاق چشتی شامیؒ
11۔ حضرت ابو احمد ابدالؒ
12۔ حضرت شیخ ابو محمد خواجہؒ
13۔ حضرت ابو یوسف ناصر الدینؒ
14۔ حضرت خواجہ ابو مودودؒ
15۔ حضرت حاجی پاک شریفؒ
16۔ حضرت عثمان ہارونیؒ
17۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ
18۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ
19۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ
20۔ حضرت علی احمد صابر کلیریؒ
21۔ حضرت شمس الدین شاہ جگتؒ
22۔ حضرت شاہ جلال الدینؒ
23۔ حضرت احمد عبد الحق مخدومؒ
24۔ حضرت شیخ محمد عارفؒ
25۔ حضرت شیخ محمد جیو عالیؒ
26۔ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ
27۔ حضرت جلال الدین دھینسرؒ
28۔ حضرت شاہ نظام الدینؒ
29۔ حضرت ابو سعیدؒ
30۔ حضرت شیخ صادق فتح اللہ حنفیؒ
31۔ حضرت شاہ داؤد گنگوہیؒ
32۔ حضرت بھیکھ حسینی جانیؒ
33۔ حضرت شاہ عنایتؒ
34۔ حضرت عبد الکریمؒ
35۔ حضرت میاں غلام شاہؒ
36۔ حضرت شاہ محمد امیر حق شناس
37۔ حضرت شاہ محمد حسنؒ، رامپورہ
38۔ حضرت شاہ محمد حسینؒ، پاکپتن
39۔ حضرت شاہ محمد نظام الدینؒ، دولیتہ
40۔ حضرت شاہ محمد پیر شاہ رہبرؒ، دوسوہہ
41۔ حضرت شاہ محمد حسینؒ باغبانپورہ
42۔ حضرت صوفی محمد صادقؒ باغبانپورہ
43۔ حضرت صوفی محمد یوسفؒ ننگل شریف پسرور
44۔ حضرت حافظ **محمد حامد** مدظلہ العالی، ننگل شریف

خُطبات

توحیدِ ذاتی (حصہ اول)

قرآن:- لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ-وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ-اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ-وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (سورة المائده: 72) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ-وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ-وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ(سورة المائده: 73) اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ- وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ(سورة المائده: 74) مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ-قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ-وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ-كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ-اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (سورة المائده: 75)

ترجمہ:- "بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ وہی مسیح مریم کا بیٹا ہے اور مسیح نے تو یہ کہا تھا اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب اور تمہارا رب بے شک جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر جنّت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں (72) بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں اللہ تین خداؤں میں تیسرا ہے اور خدا تو نہیں مگر ایک خدا اور اگر اپنی بات سے باز نہ آئے تو جو ان میں کافر مریں گے ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا (73) تو کیوں نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور اس سے بخشش مانگتے اور اللہ بخشنے والا مہربان (74) مسیح ابن مریم نہیں مگر ایک رسول اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے اور اس کی ماں صِدّیقہ ہے دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھو تو ہم کیسی صاف نشانیاں ان کے لیے بیان کرتے ہیں پھر دیکھو وہ کیسے اوندھے جاتے ہیں (75)"

خاکہ:-

(1) اللہ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی یکتا ہے اور صفات کے اعتبار سے بھی

(2) الہامی مذاہب کے ماننے والوں نے شرک شروع کردیا

(3) اللہ کا شجرہ نصب کیا ہے؟

(4) الہامی مذاہب کے ماننے والوں نے کیوں شرک شروع کردیا؟

(5) فرقہ واریت اور تعصب

(6) امتِ محمدی ﷺ امتِ وسطہ ہے

(7) اگر اللہ کے علاوہ بھی کوئی الہ ہوتا تو اسکا بھی کوئی رسول آتا

(8) شرک جیسے ظلم کے بعد بھی توبہ کا راستہ کھلا ہے

(9) جسکو اپنی نشو نما کیلئے کھانے کی ضرورت ہو وہ اللہ نہیں ہوتا

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

سورۃ مائدہ کی جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں، ان میں عیسائیوں کا جو عقیدہ تھا الہ ہونے کے متعلق، اس عقیدے کی نفی کی گئی ہے۔ آپکو پتہ ہے کہ میں ہر خطبہ کے آغاز میں، انہی جملوں سے اپنی گفتگو کا آغاز کرتا ہوں، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی یکتا ہے اور صفات کے اعتبار سے بھی یکتا ہے۔ اسکا کوئی شریک نہیں، کائنات کا خالق وہی ہے، معبود وہی ہے۔ تو شاید آپ نے کبھی غور نہیں کیا کہ ان لفظوں کی کیا اہمیت ہے کہ ہماری گفتگو ان لفظوں کے بغیر شروع نہیں ہوتی۔ کسی بھی موضوع پہ گفتگو کرنی ہو تو ہم ابتدا جو ہے، کم از کم اپنی بات میں کرتا ہوں کہ ان لفظوں سے میں اپنی گفتگو کا آغاز کرتا ہوں۔ یہ میں جملے بار بار اس لیے دہراتا ہوں کہ میرے سننے والوں پہ یہ جملے پختہ ہو جائیں کہ اللہ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی یکتا ہے اور صفات کے اعتبار سے بھی۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے اور پھر اسکی دو صفات کا ذکر میں کرتا ہوں کہ خالق بھی وہی ہے اور معبودِ برحق بھی وہی ہے۔ میں تھوڑا سا اس موضوع کو اپنے سامعین کیلئے وضاحت سے بیان کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ہمارا بنیادی جو عقیدہ ہے وہ توحید کا عقیدہ ہے۔ اگر یہ عقیدہ disturb ہو جائے تو باقی سارے کا سارا دین اسکا ختم ہو جاتا ہے۔

تو عجیب بات یہ ہے کہ جن لوگوں کا عقیدہ قرآن بیان کر رہا ہے وہ الہامی مذاہب کے ماننے والے ہیں۔ عیسائی بنیادی طور پہ توحید پرست ہیں۔ وہ اللہ کی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول پہ ایمان رکھتے ہیں۔ پھر اسکے باوجود انہوں نے شرک کا عقیدہ جو ہے، یہ توحید کی مخالفت جو ہے وہ کیوں کر دی؟ اسکو تھوڑا سا سمجھنے کیلئے وہ جو اس دور کا ماحول ہے جب قرآن نازل ہو رہا ہے، وہ ماحول آپکے ذہن میں ہونا چاہیے کہ کس دور میں یہ قرآن نازل ہو رہا ہے۔ تو تین بنیادی لوگ ہیں جو توحید کی مخالفت کرنے والے ہیں، ایک تو یہ عیسائیوں کا بتایا ہے کہ انہوں نے کہا کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم جو ہے یہی اللہ ہے۔ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ اور مسیح نے کہا يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اے اولادِ

یعقوب اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَ رَبَّکُمْ ؕ میرے اور تمہارا بھی جو رب ہے اسکی عبادت ہے۔ مجھے اللہ نہ کہو۔ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَ مَاْوٰىہُ النَّارُ ؕ-اب اگر اس میں کسی نے شراکت کی، اب اس میں آگے دو چیزیں ہیں حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَ مَاْوٰىہُ النَّارُ اللہ ان اس پہ جنت حرام کر دیگا، تو جنت جب حرام ہو گئی تو پھر جہنم ہی ہے، لیکن ساتھ پھر ذکر کیا وَ مَاْوٰىہُ النَّارُ۔ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ظالموں کا مدد گار کوئی نہیں۔ ایک تو یہ طبقہ ہے جو اس وقت لوگوں کو بتا رہا ہے کہ عیسیٰ جو ہیں وہی اللہ ہے۔

دوسری طرف یہود کا طبقہ ہے وہ کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے وَ قَالَتِ الْیَہُوْدُ عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰہِ[1]۔ تیسرے مشرکین مکہ ہیں، انکے اپنے دیوتا اور دیویاں ہیں اور ہر قبیلے کا ایک اپنا بت تھا۔ اسکی تفصیل میں ہم بعد میں جائیں گے۔ میں یہ جو خالص توحید ہے،قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۔ یہ سورۃ اخلاص جو ہے، یہ سورۃ نازل کب ہوئی، اسکا سببِ نزول کیا تھا؟ یہودیوں نے آکر نبی پاک ﷺ سے سوال کیا تھا کہ آپ جس اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اس اللہ کا شجرہ نسب بیان کیجئے۔ آپ شجرہ بیان کرتے ہیں کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں، میرا باپ فلاں کا بیٹا ہے، وہ فلاں کا بیٹا ہے، اسکو نسب کہتے ہیں جو باپ کیطرف سے آتا ہے۔ یہ بڑی حیران کن بات ہو گی آپ کیلئے کہ یہودی بھی توحید پرست تھے تو پھر انہوں نے یہ سوال کیوں کیا۔ کیا انکو نہیں پتہ تھا کہ اللہ کا تو شجرہ نسب نہیں ہوتا؟ یہ آگے چل کے قرآن میں ہم سیکھیں گے کہ یہ چالاکیاں وہ سوالات کے ذریعے کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سوالات سے منع کیا مسلمانوں کو۔ انہون نے یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ مشرکینِ مکہ نے اپنے ہر بُت کا شجرہ نسب رکھا ہوا تھا۔ اسکو عقیدہ ثنویہ کہتے ہیں۔ آپ کسی ہندو سے ملیں تو انہوں نے اپنے بتوں کے شجرے رکھے ہوئے ہیں کہ ہمارا فلاں دیوتا فلاں دیوی سے پیدا ہوا ہے۔ فلاں دیوی جو ہے یہ فلاں دیوتا سے پیدا ہوی ہے۔ تو یہ ثنویہ کا جو عقیدہ ہے یہ بڑا پرانا ہے۔ اب یہود کے ذہن میں یہ تھا کہ اگر انہوں نے بھی اپنے اللہ کا شجرہ نسب بیان کیا تو ہم سمجھیں گے کہ یہ بھی کوئی مشرکوں کی نئی قسم آگئی اور اگر انہوں نے شجرہ بیان نہ کیا تو اس پہ پھر ضرور سوچیں گے کہ یہ عقیدہ کونسا ہے۔ انہوں نے اصل میں نبی پاک ﷺ کا امتحان لینے کیلئے یہ سوال کیا۔ تو

[1] سورۃ التوبۃ:30

میرے اللہ نے فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اے میرے محبوب ﷺ آپ فرمادیں، حالانکہ مفسرین کرام نے یہاں ایک بڑا خوبصورت جملہ لکھاہے کہ اللّٰهُ اَحَدٌ نحوی ترکیب سے یہ جملہ بھی مکمل ہے۔ یہ جملہ بھی مکمل ہے، اللّٰهُ اَحَدٌ اللہ احد ہے۔ لیکن فرمایاهُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یہ جس اللہ کے متعلق پوچھ رہے ہیں ان سے کہو کہ وہ اللہ ایک ہے۔ چونکہ وہ سوال کررہے ہیں نا۔اَللّٰهُ الصَّمَدُ اللہ بے نیاز ہے، اسکو کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ نہ اس نے کسی کو جنا ہے، نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے۔ اسکی کوئی بیوی نہیں ہے۔ شجرہ نسب کیلئے یہ تین چیزیں تو ضروری ہیں نا۔ ماں ہو، باپ ہو اور پھر بیٹا ہو۔ اسکی تفصیل میں بعد میں جائیں گے، ابھی میں وہ ماحول بتارہاہوں کہ ایک یہ عیسائی ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ عیسیٰ ہی اللہ ہے۔ دوسرے یہ یہود ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور تیسرے یہ مشرکینِ مکہ ہیں، جنہوں نے اپنے ہر بت کا شجرہ نسب بنارکھا ہے۔ یہ ہے وہ ماحول، جس میں آکر میرے اور تمہارے آقا ومولا سرکار مدینہ ﷺ توحید کا اعلان کر رہے ہیں۔ اب کتنا مشکل ہوگا وہ دور کہ جہاں اتنے الہ اور اتنے خدا لوگوں نے بنائے ہوئے تھے اور بات کہاں سے شروع کی جارہی ہے۔ بات یہاں سے شروع نہیں کی جارہی کہ ٹھیک ہے تم 360 بتوں کو بھی مان لو، عیسیٰ کو بھی اللہ مان لو، عزیر کو بھی مان لو اور ساتھ ایک اور اللہ ہے اسکو بھی مان لو۔ یہ کام آسان تھا۔ لیکن بات یہاں سے ہوئی لا الٰہ، تمہارے یہ سارے الہ جھوٹے ہیں، الا للہ سوائے ایک اللہ کے۔ یہ لڑائی تھی جو میرے پاک پیغمبر ﷺ کیساتھ تھی۔

ایک بات سمجھ لیں کہ ایسا ہوا ہی کیوں کہ نبیوں کے ماننے والوں نے اللہ سے شرک کیا۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ کافر ہوگئے وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔ یہ عقیدہ تثلیث ہے عیسائیوں کا۔ میرے اللہ نے فرمایا کہ یہ کافر ہیں، جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ حلول کر گیا مسیح میں، مسیح بیٹا تھا، اسکی سادہ مثال سمجھیں کہ جیسے آپ دودھ میں پانی ڈال دیتے ہیں تو وہ پانی اور دودھ ایک ہوجاتے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ الٰہ اپنے بیٹے میں حلول کر گیا اور اس سے جو چیز پیدا ہوئی وہ روح القدس ہے۔ اسلیے پھر انہوں نے کہا کہ یہ مسیح ہی اصل میں اللہ ہے۔ یہ حلول کا عقیدہ کفر کا عقیدہ ہے۔ جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ کسی مخلوق میں حلول کر جاتا ہے تو یہ کفر کا عقیدہ ہے۔ یہ کوئی گوّیا نہیں بتائے گا کہ عقیدہ کیا ہوتا ہے، یا کسی

نعت خواں نے نہیں بتانا کہ عقیدہ توحید کیا ہے۔ یہ ہمیں قرآن نے بتایا ہے کہ عقیدہِ توحید کیا ہے۔ یہ جو الہامی مذاہب کے ماننے والے لوگ تھے، یہ جو نبیوں کے ماننے والے لوگ تھے، انہوں نے یہ بات کیوں کہہ دی؟ اب یہاں پہ تاریخِ انسانی ہمیں یہ بات بتاتی ہے، انسان جب بھی گمراہ ہوا ہے، یہ میرا جملہ ذہن میں پختہ کر کے جانا، انسان جب بھی گمراہ ہوا ہے، یا وہ انتہائی محبت میں گمراہ ہوا ہے یا وہ انتہائی نفرت میں گمراہ ہوا ہے۔ انتہائی محبت میں بھی اسکی عقل کام نہیں کرتی اور انتہائی نفرت میں بھی اسکی عقل کام نہیں کرتی۔ خَیرُ الْاُمُور اَوْسَطُہا اور پاک پیغمبر ﷺ کیا فرما رہے ہیں؟ بہترین امور وہ ہوتے ہیں، جو درمیانے درجے کے ہوتے ہیں[1]۔ جس میں افراط و تفریط نہیں ہوتی۔ جب بھی آپ قرآن کا مطالعہ کرینگے تو کبھی بھی آپ سے یہ نہیں کہے گا بلکہ قرآن آپ سے یہ سوال کرتا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ یہ غورو فکر نہیں کرتے، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یہ عقل سے کام نہیں لیتے۔ عقل کو اسی لیے حجت کہا گیا ہے، اسی دین کو سمجھنے کیلئے عقل کو حجت اسی لیے قرار دیا گیا ہے کہ جب آپ فیصلہ عقل سے کرتے ہیں تو وہ فیصلہ جذباتی نہیں ہوتا، نہ انتہائی محبت میں ہوتا ہے اور نہ انتہائی نفرت میں ہوتا ہے۔

اس لیے نہ انتہائی محبت میں کوئی فیصلہ کرنا اور نہ انتہائی نفرت میں کوئی فیصلہ کرنا، یہ جو ہمارے فرقے بنے اور ان کیساتھ ہماری وابستگی بنی۔ یہ ایک جملہ، شاید آپ سے کبھی شئیر کیا ہے یا نہیں، میں فرقہ واریت کے خلاف جہاد کیوں کر رہا ہوں؟ ایک تو قرآن کریم میں میرے اللہ نے منع کیا ہے نا، وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا[2] میرے اللہ کا حکم ہے اس لیے یہ جہاد میں نے کرنا ہے اس کی توفیق کیساتھ، دوسری جو عقلی دلیل ہے وہ یہ ہے کہ جو فرقے کا درخت ہے، اسکو پھل ہمیشہ تعصب کا لگتا ہے۔ درخت آپ اس لیے لگاتے ہیں نا کہ آپ اس سے کوئی پھل حاصل کرنا چاہتے ہیں، فرقے کا درخت جب آپ بوتے ہیں تو اسکو پھل تعصب کا لگتا ہے، اسکو ہدایت کا پھل نہیں لگتا، اسکو محبت کا پھل نہیں لگتا۔ اور میرے اور تمہارے آقا

---

[1] اعمال میں سب سے بہترین عمل وہ ہے جو درمیانہ درجہ کا ہو۔ (شعب الایمان:3604)

[2] سورۃ آل عمران:103

سرکار مدینہ ﷺ فرمارہے ہیں کہ میں مبعوث ہوا ہوں، تعصب ختم کرنے کیلیئے[1]۔ اس جہاد میں ہم سارے اس لیے شریک ہیں کہ ہمارے نبی نے بھی تعصب کے خلاف جہاد کیا ہے اور ہم نے بھی تعصب کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ تو جو پودا پھل ہی تعصب کا دے، ہم اس پودے کا بیج اپنے دلوں میں نہیں بوتے۔ میں نے اپنے سننے والوں کو ہمیشہ فرقہ واریت سے دور رکھا ہے۔ اب اگر میں تعصب پہ گفتگو کروں گا تو بات لمبی ہو جائے گی۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ کا یہ جملہ ذہن میں رکھنا، یہ نبوت کا، بعثت کا بنیادی مقصد آپ نے بیان فرمایا ہے۔ ظاہر ہے یہ کتنی بُری چیز ہو گی کہ جس کے خلاف نبی جہاد کر رہا ہے۔ تو یہ تعصب ہوتا کیا ہے؟ ہمیں پتہ تو ہونا چاہیے کہ تعصب ہوتا کیا ہے۔ میرے پیغمبر ﷺ نے ایک جملے میں ہی بیان فرما دیا۔ فصاحت اور بلاغت تو ہاتھ باندھ کر کھڑی ہے نا میرے پیغمبر ﷺ کے قدموں میں۔ میرے سرکار ﷺ نے فرمایا کہ تعصب یہ ہے کہ تمہیں پتہ بھی ہو کہ میرا خاندان، میرا قبیلہ ظلم کر رہا ہے اور تُو پھر بھی اپنے قبیلے کا ساتھ دے[2]۔ تجھے پتہ ہو کہ میرا خاندان جھوٹا ہے، میرا قبیلہ جھوٹا ہے اور تُو پھر بھی خاندان کا ساتھ دے، تو اسکو تعصب کہتے ہیں۔ اس سوچ کیساتھ انسان عدل نہیں کر سکتا اور خدائے ذوالجلال تمہیں عدل کا حکم دیتا ہے۔ اور جب میں یہ definition دیکھتا ہوں تو فرقے میں بھی یہی چیز ہوتی ہے۔ میرے فرقے کے مولوی نے اگر جھوٹ بھی بولا ہے تو میں نے اسی کا ساتھ دینا ہے۔ میرے فرقے کے پیر نے اگر ظلم بھی کیا ہے تو میں نے اسی کا ساتھ دینا ہے۔ لیکن الحمد للہ، ہم نے کبھی ایسا نہیں کیا، ہمارے سامنے کوئی اپنا بھی جھوٹا ہو تو ہم نے اسُی کو جھوٹا کہا ہے، اسلیے کہ ہم نے تعصب کو ختم کرنا ہے۔ تو یہ تعصب جو ہے یہ فرقہ واریت سے جنم لیتا ہے۔ وہ آپ کی معاشرتی زندگی ہے، وہ آپکے خاندان کی بات ہو، آج کل تو ہم نے ہر سطح پہ ہی تنظیمیں بنا لیں نا، یہ اساتذہ کی تنظیم ہے، یہ وکلاء کی تنظیم ہے، یہ ڈاکٹروں کی تنظیم ہے۔ اور اس میں بھی کیا ہوتا ہے؟ اگر وکیل نے

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عصبیت کی طرف بلائے، وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بنیاد پر لڑائی لڑے، اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں جو تعصب کا تصور لیے ہوئے مرے۔ سنن ابو داؤد: 5121

[2] ۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول: عصبیت کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عصبیت یہ ہے کہ تم اپنی قوم کا ظلم و زیادتی میں ساتھ دو، اور ان کی مدد کرو“۔ سنن ابو داؤد: 5119

بھی قتل کر دیا ہے تو وکیل کا ہی ساتھ دینا کہ یہ ہمارا وکیل بھائی ہے۔ ٹیچر سکول نہیں جاتا، اس نے جرم کر لیا ہے، تو تنظیم نے کیا کرنا ہے، ٹیچر کا ہی ساتھ دینا ہے۔ جہاں پہ بھی یہ معاملات ہونگے وہاں عدل نہیں ہو گا۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ الہامی مذاہب کے ماننے والے کیوں شرک میں مبتلا ہو گئے۔ تو انسان کب غلطی کھاتا ہے؟ انتہائی محبت میں یا پھر انتہائی نفرت میں غلطی کھاتا۔ اور ہمیں کیا کہا گیا ہے؟ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ [1] قرآن نے کہا ہے کہ تم ایسے نہی ہو، تم امتِ وسطہ ہو۔ تم درمیانی راستے پہ چلنے والے ہو، تم افراط و تفریط کا شکار ہونے والے نہیں ہو۔ تم نے فیصلے عقل سے کرنے ہیں، جذبات سے نہیں کرنے۔ جب جذبات ہوتے ہیں تو پھر عقل کام نہیں کرتی۔ فضائلِ صحابہ جو امام احمد بن حنبل کی جو کتاب ہے اس میں مولا علی کی جو روایت لکھی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ علی دو گروہ تیری وجہ سے جہنم میں چلے جائیں گے۔ فرمایا یارسول اللہ ﷺ وہ کیسے؟ فرمایا جیسے عیسیٰ کیوجہ سے دو گروہ جہنم میں چلے گئے۔ فرمایا علی تیری مثال بھی عیسیٰ کی جیسی ہے۔ چونکہ موضوع ہے نا عیسیٰ علیہ السلام والا، تو سمجھ میں آجائے کہ انہوں نے یہ کام کیا کیوں۔ تو میری سرکار ﷺ نے فرمایا کہ عیسائیوں نے عیسیٰ سے اتنی محبت کی کہ عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا اور اللہ کہہ دیا۔ یہ کام انہوں نے کیوں کیا؟ یہ کام انہوں نے محبت میں کیا۔ ہمارے ہاں کہہ دیتے ہیں نا کہ محبت میں سب کچھ جائز ہے۔ قرآن کی زبان میں یہ جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو یہ کہہ رہا ہے کہ تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔ تم درمیانہ راستہ اختیار کیوں نہیں کرتے۔ اصل لوگ وہ ہیں جو درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں۔ فرمایا عیسیٰ کو محبت کیوجہ سے انہوں نے اللہ کا بیٹا اور اللہ کہہ دیا اور وہ جہنمی ہو گئے، یہ آیات آپ نے سُنیں۔ اور یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے اتنی نفرت کی کہ پہلے تو انکو صلیب پہ چڑھانے کا بندوبست کیا اور پھر بعد میں انہوں نے (اللہ معاف کرے) یہ کہا کہ صلیب پہ وہ بندہ چڑھتا ہے جو لعنتی ہوتا ہے (نعوذ باللہ)۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کیلئے یہ لفظ لعنت کا استعمال کیا گیا۔ اور نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جنہوں نے انتہائی محبت میں عیسیٰ کو اللہ اور اسکا بیٹا کہا، وہ بھی جہنمی ہو گئے۔ یہ آیت پڑھی ہے نا وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ۔ اور یہودیوں نے انتہائی نفرت کی تو وہ بھی جہنمی ہو گئے۔ اے علی ایسے ہی تجھ سے محبت کرنے والے تجھے اللہ سے ملا دینگے، وہ بھی جہنمی ہو جائیں گے اور کچھ

[1] سورۃ البقرۃ:143

اتنی نفرت کرینگے کہ تجھے تیرے مقام سے گرائیں گے، وہ بھی جہنمی ہو جائیں گے۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ بات میں اپنی طرف سے کر رہا ہوں، یہ بات امام احمد بن حنبل نے روایت کی ہے فضائلِ صحابہ میں۔ اب انتہائی محبت میں بھی انسان گمراہی کی طرف جاتا ہے اور انتہائی نفرت میں بھی انسان گمراہی کی طرف جاتا ہے۔

آج وقت تھوڑا رہ گیا، ایک جملہ ہدیہ لے جایئں۔ یہ عقیدہ توحید ہم سیکھیں گے دو تین خطبات میں۔ تصورِ علم کی اساس جو ہے وہ عقیدہ توحید ہے، تصورِ قدر کی اساس بھی عقیدہ توحید ہے اور تصورِ کائنات کی اساس بھی عقیدہ توحید ہے اور میرے دین اسلام کی بنیاد بھی عقیدہ توحید ہے۔ اسی کیلئے میرے پاک پیغمبر ﷺ نے جہاد کیا، لوگوں سے لڑے اور صعوبتیں برداشت کیں۔ یہ ایک لمبی روایت ہے، اس پہ پھر کبھی تفصیلی بات کرینگے۔ میں آج صرف وہ پوائنٹ آپ کے سامنے رکھتا ہوں، امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے مولا علی ایک وصیت کا ذکر کرتے ہیں کہ سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ یا بنیی۔ میں جب اس وصیت کو دیکھتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ کیسے مولا علی اپنے بچوں کو توحید کا درس دیا کرتے تھے۔ امام حسن فرماتے ہیں کہ مولا علی نے مجھے فرمایا کہ بیٹا اگر اللہ کے سوا کوئی معبود ہوتا، اللہ کے سوا کوئی الہ ہوتا تو اسکے بھی رسول اس دنیا میں آتے۔ یہ جو آدم علیہ السلام سے لیکر محمد رسول اللہ ﷺ تک رسول آئے ہیں، یہ سارے اللہ کے ہی آئے ہیں نا۔ بھائی یہ بھی عجیب بات ہے نا کہ زمانے مختلف ہیں، علاقے مختلف ہیں۔ اب نبی پاک ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ادوار میں ہی فرق قریباً پانچ سو سال کا ہے۔ یا تو یہ ہوتا کہ یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ایک ہی وقت میں آجاتے، تو کہتے کہ چلو ایک ہی بات کر رہے ہیں۔ بھائی زمانے بھی مختلف، علاقے بھی مختلف لیکن بات ایک ہی کہ اللہ صرف ایک ہے۔ تو امام حسن فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھے ایک ہی جملے میں توحید کا تصور واضح کر دیا کہ اگر کوئی اور اللہ ہوتا تو اسکا بھی تو رسول آتا۔ اگر اس کائنات میں کوئی اور رسول نہیں آیا کسی اور اللہ کا، آدم بھی اسی اللہ کی بات کرے، نوح بھی اسی اللہ کی بات کرے، عیسیٰ بھی اُسی اللہ کی بات کرے، محمد رسول اللہ ﷺ بھی اُسی اللہ بات کریں، اور اگر کوئی ااور اللہ ہوتا تو اسکا بھی کوئی رسول آتا۔ اس سے بڑی اللہ کے ایک ہونے کی کیا دلیل ہے کہ اس کائنات کے مختلف حصوں میں اور مختلف زمانوں میں رسول آئے

لیکن انکی تعلیم ایک تھی لا الہ الا اللہ۔ تو امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جو توحید کا تصور تھا جو میرے باپ نے مجھے دیا، آگے یہ لمبی وصیت ہے، پھر انشاء اللہ اس پہ بات ہو گی۔

یقین جانیے یہ جو آیتیں آپ نے سنیں، اللہ تعالیٰ کے رحمان و رحیم ہونے کا ایک اور ہی تصور میرے سامنے آیا۔ پچھلی دونوں آیتوں میں آپ نے سنا میرے اللہ نے فرمایا لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ؕ وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ مسیح اللہ ہے۔ اگلی آیت میں پھر آپ نے سنا لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ وہ لوگ بھی کافر ہو گئے کہ جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔ پھر آپ نے سنا کہ ان پر جنت حرام ہو گئی اور وہ جہنمی ہو گئے۔ لیکن یہ تیسری آیت کہہ رہی ہے اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ اگر وہ توبہ کرتے ہیں، اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں وَ یَسْتَغْفِرُوْنَہٗ ؕ اور اللہ سے معافی مانگتے ہیں، وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اللہ تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ یعنی یہ لوگ جو اس درجے پہ پہنچ گئے کہ انہوں نے اللہ کی ذات میں شرک کیا اور ظلم کیا۔ یہ قرآن قیامت تک ہے، میرا اللہ آج بھی انکو توبہ کی دعوت دے رہا ہے۔ یعنی میں اپنے علماء سے بات کیا کرتا ہوں کہ اس آیت پہ غور کریں کہ آج بھی ہم نے ان اس عقیدے کو رد کرنا ہے لیکن قرآن کہتا ہے کہ دعوت توبہ کی ہی دینی ہے۔ انکو یہی کہنا ہے کہ تمہارا خدا بخشنے والا ہے، غفور و رحیم ہے، آج بھی توبہ کے دروازے کھلے ہیں۔

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر ایک رسول قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ؕ، گزر چکے ہیں اس سے پہلے بھی کئی رسول۔ پھر انکو بھی کہہ دو کہ یہ بھی اللہ کے بیٹے ہیں؟ وَ اُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ ؕ- فرمایا انکی ماں سچی تھی، تحفظ کیا اللہ نے سیدہ مریم علیہا السلام کا۔ کیونکہ یہودیوں نے کہا تھا کہ یہ بیٹا کہاں سے آیا، میرے اللہ نے ہر جگہ تحفظ کیا ہے مریم علیہا السلام کا۔ کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ میرا اللہ فرما رہا ہے کہ عیسیٰ اور اسکی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے۔ آپ کہیں گے کہ یہ کیا بات ہوئی، یہ تو سادہ سی بات ہے۔ بھائی یہ سادہ بات نہیں ہے، چونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے، بلکہ عیسیٰ ہی اللہ ہے۔ اب انکو رد کیا جارہا ہے کہ عیسیٰ اور اسکی ماں دونوں کھانا کھاتے تھے۔ کھانا کیوں کھایا جاتا ہے، پرورش کیلیئے، نشو نما کیلیئے۔ اگر عیسیٰ اللہ ہوتا تو اسکو نشو نما کیلیئے کھانا نہ کھانا پڑتا۔ یعنی انکے پورے عقیدے کا رد کیا جارہا ہے۔ سمجھایا جارہا ہے، پیار سے، عقل کی بات کی جارہی ہے۔ یہ اب

جذبات کی بات نہیں کی جارہی۔ دلیل سے بات کی جارہی ہے کہ عقل سے کام لو، جس کی اپنی نشو نما اور پرورش کیلئے کھانے کی ضرورت ہو، وہ خدا نہیں ہوتا، وہ اللہ نہیں ہوتا۔ اللہ کو نہ کھانے کی ضرورت ہے، نہ پینے کی، نہ سونے کی ضرورت۔ عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں، وہ اللہ کے رسول ہیں، وہ روح اللہ ہیں، انکی ماں بھی صدیقہ ہے، لیکن ان دونوں کو نشو نما کیلئے کھانے کی ضرورت ہے۔ اتنی بڑی دلیل کے بعد بھی تم انکو خدا مانتے ہو؟ یہ تین چار چیزیں آج ہم نے discuss کرلیں ہیں، عقیدہ توحید میں تین چیزیں ہیں، ایک ذات میں شرک ہے، ایک صفات میں شرک ہے اور ایک صفات کے تقاضوں میں شرک ہے۔ آگے چل کے ہم ان کو سیکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

توحیدِ ذاتی (حصہ دوم)

قرآن:- مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ-قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ-وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ-كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ-اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (سورۃ المائدہ: 75)

ترجمہ:- " مسیح ابن مریم نہیں مگر ایک رسول اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے اور اس کی ماں صِدّیقہ ہے دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھو تو ہم کیسی صاف نشانیاں ان کے لیے بیان کرتے ہیں پھر دیکھو وہ کیسے اوندھے جاتے ہیں"

خاکہ:- (1) اسلام کی بنیاد عقیدہ توحید

(2) ایک اللہ کی عبادت اتنی ضروری کیوں ہے؟

(3) اللہ کے نہ اَجزاء ہو سکتے ہیں اور نہ وہ کسی کا محتاج ہے

(4) عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کیطرح ہے

(5) قرآن میں کچھ حکم والی آیات ہیں اور کچھ متشابہ

(6) اللہ کیساتھ کسی کو تشبیہ نہیں دی جا سکتی

(7) اللہ کا کام کبھی معطل نہیں ہوتا

(8) مسلمان ذاتی شرک میں ملوث نہیں

(9) صفات میں شرک

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

یہ سورۃ مائدہ کی آیات ہم دیکھ رہے تھے اور پچھلے جمعہ ہم نے، اس دور میں جب یہ آیات نازل ہوئیں، مختلف لوگوں کے عقائد پہ گفتگو کی تھی کہ عیسائی جو تھے وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے، یہودی جو تھے وہ عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور مشرکین مکہ نے 360 بت بنائے ہوئے تھے۔ اس ماحول میں اللہ رب العزت کی توحید کا اعلان کیا جا رہا تھا۔ میں نے جملہ کہا تھا کہ دینِ اسلام جو میرے اور تمہارے آقا و مولا سرکار مدینہ ﷺ لیکر آئے ہیں اسکی جو اساس ہے، جو بنیاد ہے وہ عقیدہ توحید ہے، علم کی بنیاد بھی عقیدہ توحید ہے، اقدار کی جو اساس ہے وہ بھی عقیدہ توحید ہے۔ ہم مسلمانوں سے اگر کوئی پوچھتا ہے کہ اپنے دین کو ایک لفظ میں بیان کریں تو اسکو عقیدہ توحید کہتے ہیں۔

ایک اللہ کی عبادت اتنی ضروری کیوں ہے؟ ایک اللہ کی عبادت جب ہوتی تو پھر دولت کی پوجا نہیں ہوتی، جب اللہ کی پوجا ہوتی تو پھر منصب کی پوجا نہیں ہوتی، پھر رنگ، نسل کے اعتبار سے انسان علاقے کی پوجا نہیں کریگا، پھر فرقے کی پوجا نہیں کریگا، تنظیم کی پوجا نہیں کریگا۔ تو ایک اللہ کی عبادت کے بعد انسان جب اور کسی کی پوجا نہیں کریگا تو پھر فساد بھی پیدا نہیں کریگا۔ یہ میں جب شہادت کی بات کرتا ہوں نا کہ میں بھی کہتا ہوں کہ اللہ ایک ہے، آپ بھی کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے،، ہر نماز میں کلمہ پڑھتے ہیں، نماز کے بعد کلمے کا ذکر کرتے ہیں، لیکن اللہ فرماتا ہے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ-وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىٕمًۢا بِالْقِسْطِؕ یہ سورۃ آل عمران کی جو آیت ہے، اس میں اللہ فرماتا ہے کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور پھر فرمایا کہ فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور تیسرا جملہ بڑا کمال کا ہے وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىٕمًۢا بِالْقِسْطِؕ اور وہ علم والے بھی گواہی دیتے ہیں جو عدل پہ قائم رہتے ہیں۔ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرے ایک ہونے کی گواہی عالم دینگے بلکہ میرے ایک ہونے کی گواہی وہ دینگے جو علم والے بھی ہیں اور عدل والے بھی۔ اس لیے میں نے یہ بات کی ہے کہ جب ایک اللہ

کی عبادت ہو گی تو اگر وہ اللہ والا ہو گا تو پھر وہ اپنے فرقے کی پوجا نہیں کریگا، اپنی دولت کی پوجا نہیں کریگا، اپنے منصب کی پوجا نہیں کریگا، تو یہ جو آج کل انسان اتنی چیزوں کی پوجا کر رہا ہے تو اسکا مطلب ہے کہ نہ اس کے پاس علم ہے نہ عدل ہے۔ کیونکہ زمین پہ فساد اسی پوجا اور پرستش کا ہے۔

تو یہ پچھلے جمعہ ہم نے اپنی گفتگو-کَانَا یَأْكُلٰنِ الطَّعَامَ- پہ ختم کی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور انکی والدہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ اور میں نے عرض کیا تھا کہ انکو نشو نما کیلئے کھانے کی ضرورت ہے اور جسکو غذا کی ضرورت ہو، وہ خدا نہیں ہوتا۔ جو اپنی بڑھوتری کیلئے کسی کا محتاج ہو، وہ الہ نہیں ہوتا۔ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وہ کیوں ہے؟ دو چیزوں سے صرف آج ہم نے اسکو سمجھنے کی کوشش کرنی ہے۔ ویسے تو میں بھی اکیلا ہوں نا، میرا جیسا اللہ نے کوئی اور نہیں بنایا، یہ بھی اسکے خالق ہونے کا کمال ہے، آپ جیسا بھی اس نے کوئی دوسرا نہیں بنایا۔ آپ بھی سب اکیلے ہیں۔ اگر وہ کہتا ہے کہ میں ایک خدا ہوں، تو پھر اس میں کیا ہے کہ وہ بھی اکیلا اور میں بھی اکیلا ہوں؟ نہیں، خالق کا اکیلا ہونا کیا ہوتا ہے اور مخلوق کا اکیلا ہونا کیا ہوتا ہے؟ سب سے پہلی بات جو قرآن کہ رہا ہے کہ مخلوق، مثلاً میں اکیلا ہوں لیکن میں جسم کے اجزاء کا محتاج ہوں، میں دل کا محتاج ہوں، دماغ کا محتاج ہوں، پھیپھڑوں کا محتاج ہوں، ہاتھوں کا محتاج ہوں، میرے جسم کے بہت زیادہ اجزاء ہوسکتے ہیں۔ اور یہ چیز میں نے فلسفے میں بھی پڑھی تھی کہ یہ جو یونانی تھے یہ الہ تو نہیں کہتے تھے لیکن وہ یہ کہتے تھے کہ یہ کائنات ایک one نے بنائی ہے اور وہ one اتنا سادہ ہے کہ وہ قابل تقسیم نہیں ہے۔ یعنی وہ one اتنا simple ہے کہ آپ اسکو تقسیم نہیں کرسکتے۔ خالق کا ایک ہونا یہ ہوتا ہے کہ آپ اسکو تقسیم نہیں کرسکتے۔ میرے جسم کے اجزاء ہوسکتے ہیں اور میں ان اجزاء کا محتاج ہوں، ایک جُز بھی میرے جسم کا الگ ہو جائے تو میں پریشانی میں پڑ جاتا ہوں۔ اس لیے فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ کہ میں نیاز مند ہوں، میں جسم کے ہر جزو کا محتاج ہوں اور اللہ وہ ہے جو ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اللہ کے اجزاء نہیں ہوسکتے۔ یہاں یہ جو فرمایا، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ بیٹا جو ہوتا ہے وہ وہ باپ کے جسم کا جزو ہوتا ہے۔ بھائی وہ نطفہ جس سے اسکی تخلیق ہوئی ہے، وہ باپ کے جسم کا جزو تھا، پھر اللہ فرماتا ہے کہ ماں اور باپ کے ملے جلے پانی سے ہم نے اسے تخلیق کیا اِنَّا خَلَقْنَا

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ[1] قرآن کہتا ہے کہ ہم نے صرف باپ سے نہیں، بلکہ امشاج، ملے جلے پانی سے۔ جب آپ کسی کو کسی کا بیٹا کہتے ہیں تو اسکا مطلب ہے کہ وہ اپنے باپ کا ایک جزو ہے۔ اسلیے عیسائیوں اور یہودیوں کے اس عقیدے کے تردید کی گئی کہ نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا ہے۔ تو اللہ قابلِ تقسیم نہیں ہے۔ اور نجران کے عیسائیوں نے یہ بات کہی تھی ناکہ قرآن میں بھی تو ہے ناکہ عیسیٰ کلمۃ اللہ ہیں، روح اللہ ہیں، بغیر باپ کے پیدا ہوئے، اسلیے ہم بھی انکو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔

ایک تو یہ دلیل ہم نے دیکھی تھی پچھلے جمعہ، دوسری یہ دلیل میرے پاک پیغمبر ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کے سامنے رکھی کہ بیٹا جو ہوتا ہے وہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ سے انکے سامنے دلیل ہی وہ رکھی تھی کہ انکے پاس کوئی جواب نہیں تھا اسکا۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹا جو ہوتا ہے وہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔ اگر تم عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہو تو کوئی مشابہت تو بیان کرو۔ کوئی ایک تشبیہ بیان کردو۔ فرمایا اللہ وہ ہے جسکو نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ آتی ہے۔ اللہ کو تو بھوک نہیں لگتی، کیا عیسیٰ کو بھی بھوک نہیں لگتی۔ عیسیٰ کو تو کہتے ہو کہ صلیب پہ چڑھادیا گیا، اللہ کو تو صلیب پہ نہیں چڑھایا جاسکتا۔ باقی رہا تمہارا یہ استدلال کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے بغیر باپ کے پیدا کیا، تو اللہ نے فرمایا کہ محبوب ان سے فرمادو اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک ایسے ہی ہے جیسا کہ آدم۔ بھائی عیسیٰ کو تو اللہ نے صرف ماں سے پیدا کیا اور آدم کو تو بغیر ماں اور باپ کے پیدا کیا ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ[2] اللہ نے فرمایا کہ ہو جا، پس وہ ہو گیا۔ اسکے بعد پھر وہ مباہلے والی نوبت آئی۔

یہ میں ذاتی شرک کے حوالے سے جو کام اس دور میں ہو رہا تھا وہ عرض کر رہا ہوں۔ چونکہ یہ ہمارے دین کی اساس ہے یہ توحید۔ اسلیے یہ ہمیں سمجھ ہونی چاہیے کہ اللہ نہ کسی کا باپ ہے، نہ کسی کا بیٹا۔ اللہ کے اجزاء نہیں ہوسکتے۔ اللہ کی ذات کیساتھ کسی کو تشبیہ نہیں دی سکتی۔ سورۃ آل عمران کا جب ہم پہلا رکوع پڑھتے ہیں تو میرا اللہ فرماتا ہے هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ، وہی ہے جس نے آپ

---

[1] سورۃ الدھر:3

[2] سورۃ ال عمران:59

پر کتاب نازل فرمائی، اس میں کچھ آیات حکم والی آیات ہیں اور کچھ آیات متشابہ ہیں، شبہ والی آیات ہیں،فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ[1] جنکے دلوں میں ٹیڑھ ہوتا ہے، وہ کیا کرتے ہیں، متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں یہ جو میں نے پہلے کہانا کہ اگر اللہ کی عبادت ہو گی تو پھر دولت کی عبادت نہیں ہو سکتی، پھر منصب کی عبادت نہیں ہو سکتی، پھر فرقے کی عبادت نہی ہو سکتی۔ اگر ہمارے معاشرے میں ان سب کی عبادت ہو رہی ہے تو پھر اسکا مطلب ہے کہ اللہ کی عبادت نہیں ہو رہی۔ یہ ہے بنیاد اس فساد کی کہ کہتے تو ہیں ہم لا الہ الا اللہ، لیکن عبادت ہم اللہ کے سوا کسی اور کی کرتے ہیں۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اللہ کی ذات کیساتھ کسی کو تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ مجھے دکھ ہوتا ہے کہ متشابہات آیات کی تلاوت ہوتی ہے، اور آگے سے سبحان اللہ کے نعرے لگتے ہیں اور آگے سے پیسے پھینکے جاتے ہیں۔ میرے اللہ نے ابلیس سے فرمایا، قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ[2]، اے ابلیس تجھے کس چیز نے منع کیا جسکو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ اب دیکھئے، یہ جو جملہ ہے نا دونوں ہاتھوں سے، اگر انسان کا دھیان اس ہاتھ کیطرف چلا گیا تو تشبیہ ہو جائیگی، تو جس نے تشبیہ دی اس نے شرک کیا۔ اس ہاتھ سے آپ اللہ کے ہاتھ کو تشبیہ نہیں دے سکتے، لیس کمثلہ شئی، اس کی مثل کوئی شے ہے ہی نہیں، تشبیہ تو تب دینگے نا جب اسکی مثل کوئی شے ہو گی۔ میں خطبہ میں پڑھتا ہوں، لا مثل لہٗ، لا مثال لہ، لا ندًالہٗ لا ضدًالہٗ، نہ اسکی کو مثل ہے، نہ کوئی مثال ہے، نہ کوئی اسکی ند ہے، نہ کوئی ضد ہے۔ جب یہ آیت پڑھائی جاتی ہے تو اساتذہ بتاتے ہیں کہ ظاہر ہے انسانی عقل ہے، اگر ذہن میں کبھی یہ بات آجائے کہ یہ دونوں ہاتھ کیا ہو سکتے ہیں تو اس وقت اپنے ذہن کو اطمینان دینا ہے کہ اسکا ایک ہاتھ قدرت کا ہاتھ ہے اور ایک ہاتھ علم کا ہاتھ ہے، تاکہ ذہن میں اس ہاتھ کی تشبیہ نہ آئے۔ اگر تمہارے ذہن میں یہ ہاتھ آجائے گا تو یہ ہاتھ محدود ہے

---

[1] سورۃ آل عمران:7

[2] سورۃ ص:75

اور اللہ لا محدود ہے۔ یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے۔ جب حدیبیہ کے موقع پہ نبی پاک ﷺ نے بیعت لی صحابہ سے، اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَؕ، یہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کی بیعت کی ہے وہ اصل میں اللہ کی بیعت کی ہے۔ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْۚ[1] ان لوگوں کے ہاتھوں پہ جو ہاتھ تھا وہ اصل میں اللہ کا ہاتھ تھا۔ اب یہاں اس ہاتھ کیطرف توجہ نہ جائے۔ اس ہاتھ سے مراد اللہ کا فضل ہے، اسکی رحمت ہے۔ اسکی شایان شان جو معنٰی ہو سکتا ہے وہ اللہ اور اسکے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ لیکن ہمارے خطیب اس آیت کو پڑھتے ہیں اور اس ہاتھ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے۔ صرف نعرے مروانے کیلئے یہ سب کچھ ہوتا ہے تو یہ عقیدہ توحید کی مخالفت ہے کہ اللہ کی ذات کیساتھ کسی کو تشبیہ دیں۔ اور بھی قرآن کریم میں مثالیں موجود ہیں لیکن زیادہ چیزیں پھر ذہن میں نہیں رہتیں تو اصل مقصد پھر فوت ہو جاتا ہے۔ تو آپ کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ جب عقیدہ توحید کا معاملہ آجائے تو اللہ کی ذات کیساتھ کسی کو تشبیہ نہیں دینی۔ میں پیر مہر علی شاہ کا خوبصورت شعر دیکھ رہا تھا، توحید پہ، فرماتے ہیں، جے آکھاں تو دِسدا ناہیں تیرے بن پھر کون ہے؟ سَنُرِیْهِمْ آیَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ[2] اللہ کی نشانیاں آفاق میں بھی ظاہر ہونگی اور انسان تیرے اندر بھی ظاہر ہونگی۔ تو پیر صاحب فرماتے ہیں، جے آکھاں تو دِسدا ناہیں تیرے بن پھر کون ہے؟ اگلے مصرعے میں پھر فرماتے ہیں کہ لوگ مجھے پوچھتے ہیں کہ اللہ کیسا ہے، تو فرماتے ہیں، روپ کس دا میں دساں دیویں جو توہی وکھالیاں۔ بھائی تیرے جیسا کوئی ہو تو میں کہوں نا کہ اس جیسا ہے۔ جب تیرے جیسا کوئی ہے ہی نہیں تو میں مثال کیسے دوں۔ تو اللہ کی ذات کیساتھ کسی کو تشبیہ نہیں دے سکتے۔ اب سمجھ آئی نا جو کہتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے اور عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور بتوں کے شجرہ نصب بنائے ہوئے تھے۔

دوسرا اللہ کو تعطیل کے حوالے سے سمجھنا ہے۔ ایک تشبیہ اور دوسرا تعطیل۔ اگر یہ دو چیزیں آپکی سمجھ میں آگئیں تو توحید میں کوئی شرک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میرے مولا علی سرکار نے فرمایا تھا، اول و اولیاء۔ وہ جو پچھلے

---

[1] سورۃ الفتح:10

[2] سورۃ فصلت (حم سجدہ):53

جمعہ میں نے آپکی وصیت کا ذکر کیا تھا کہ بیٹا اگر آدم سے پاک پیغمبر تک ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش انبیاء ورسول آئے۔ اگر کوئی اور بھی الہ ہوتا تو اسکا بھی رسول آتا۔ اور یہ وہ اللہ ہے، اول و اولیاء، وہ اول ہے جسکی کوئی ابتداء نہیں۔ آخر و نھایا، وہ آخر ہے جسکی کوئی انتہا نہیں۔ میری تاریخ پیدائش کے دن کا بھی لوگوں کو پتہ ہو گا اور میری وفات کا دن بھی لوگوں کو پتہ ہو گا۔ ہم بتائیں گے یہاں بیٹھ کے لوگوں کو کہ آدم علیہ السلام کی ہزار سال عمر تھی، ابتداء بھی تھی اور انتہا بھی تھی۔ نوح علیہ السلام کی عمر اتنی تھی، ابراہیم علیہ السلام کی عمر اتنی تھی۔ مولا علی فلاں میں پیدا ہوئے اور فلاں میں وصال ہوا۔ تو جسکی ابتداء ہو اور انتہا ہو وہ مخلوق ہوتی ہے۔ جسکی نہ کوئی ابتداء ہو اور نہ انتہا ہو، وہ خالق ہوتا ہے۔ فرمایا تعطیل، مخلوق کسی بھی مقام پہ پہنچ جائے اسکا کام کبھی نہ کبھی معطل ہو جاتا ہے، رک جاتا ہے۔ تعطیل چھٹی کے دن کو اسی لیے کہتے ہیں کہ اس دن کام نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں نا کہ آج یوم تعطیل ہے، چھٹی کا دن ہے۔ مخلوق وہ ہے جس میں تعطیل ہوتی ہے، کبھی نہ کبھی اسکا کام معطل ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پہ بڑا کمال کا جملہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ عقیدہ ہمارا یہ ہے۔ تمام کائنات میں میرے اور تمہارے آقا و مولا سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شان کسی کی نہیں، نہ کوئی نبی انکے مقام کا اور نہ کوئی رسول۔ عقیدہ ہمارا یہ ہے کہ جب آپکی روح انور جسم مبارک سے نکلی تو اس روح کیلئے اس سے اچھا کوئی اور مقام نہ تھا، تو اس روح کو واپس آپ کے جسم میں پلٹا دیا گیا۔ حیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پھر تفصیلی بات ہو گی۔ ابھی یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ یہ تعطیل کے حوالے سے اعلیٰ حضرت کا کمال کا جملہ، فرمایا یہی ہستی تھی نا جس کیلئے کائنات بنائی گئی۔ ہم کہتے ہیں کہ اتنا تھوڑا سا لمحہ آیا کہ جسکو ہم ماپ نہیں سکتے۔ ہم پیمائش بھی نہیں کر سکتے کہ روح اقدس جسم سے نکلی اور دوبارہ پلٹا دی گئی۔ لیکن اگر ہم اس لمحے کا ہزارواں حصہ بھی بنائیں تو ایک دفعہ تو معطل ہوا نہ کام، تعطیل تو ہوئی نا۔ تو ہم میلاد اسی لیے منا رہے ہیں کہ کمال یہ ہے کہ میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اس درجے پہ بھی جا کر چاہے ایک لمحے کیلئے کام معطل ہوا، ہوتا ہے لیکن خالق وہ ہے جسکا کام کبھی معطل نہیں ہوا۔ خالق کیساتھ نہ تشبیہ ہے اور نہ تعطیل۔ ان حدود سے باہر نکل کر توحید کو سمجھ۔ نہ اللہ کیساتھ کسی کو تشبیہ دینی ہے اور نہ اللہ کا کام معطل ہوتا ہے۔

مخلوق وہ ہوتی ہے جسکا کام کبھی نہ کبھی معطل ہو جائے، جسکی ابتداء بھی ہوتی ہے اور انتہاء بھی۔ تو یہ الحمدللہ ذاتی توحید میں کوئی مسلمان شرک نہیں کرتا۔ یہ مقام احد پہ میرے پاک پیغمبر نے فرمایا تھا کہ مجھے اپنی امت سے شرک کاڈر نہیں ہے [1]۔ یہ ذاتی شرک عیسائیوں نے کیا، یہودیوں نے کیا اور مشرکین مکہ نے کیا؛ اللہ کی اولاد اور بیوی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے تو کہاوَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ، ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اللہ ہم سے محبت کرتا ہے۔ فرمایا محبوب ان سے ذرا یہ تو پوچھو کہ اگر تم اللہ کے اتنے چہیتے ہو تو پھر وہ تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْؕ۔[2] تو الحمدللہ کوئی مسلمان نہ تو اللہ کا بیٹا ثابت کرتا ہے اور نہ کوئی بیوی ثابت کرتا ہے۔ ذاتی شرک میں کوئی مسلمان ملوث نہیں، اہل تشیع کے ایک فرقہ نوسہریا تھا جس نے کہا کہ حضرت علی اللہ کے بیٹے ہیں تو تمام عالم اسلام نے انکو دائرۂِ اسلام سے خارج کر دیا، انکو کافر قرار دے دیا۔ باقی یہ جتنے بھی فرقے ہیں، اہل حدیث ہے، بریلوی ہے، دیوبندی ہے، اہل تشیع ہیں، جتنے بھی مسلمانوں کے فرقے ہیں کوئی بھی اللہ کی ذات میں شرک نہیں کرتا۔ مسلمان میلاد کی محفلیں سجا کے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم یہودیوں اور عیسائیوں کیطرح نہیں ہیں، ہمارا آج بھی عقیدہ یہی ہے کہ اللہ خالق ہے اور ہمارے نبی مخلوق ہیں۔ بارہ ربیع الاول کو ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے نبی اس دن پیدا ہوئے تھے۔ تو ذاتی توحید میں الحمدللہ مسلمان شرک نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

[1] مجھ سے سعید بن شرحبیل نے بیان کیا، کہا ہم سے لیث نے بیان کیا، ان سے یزید بن حبیب نے، ان سے ابوالخیر نے، ان سے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مدینہ سے باہر نکلے اور شہداء احد پر نماز پڑھی جیسے میت پر پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں (حوض کوثر پر) تم سے پہلے پہنچوں گا اور قیامت کے دن تمہارے لیے میر سامان بنوں گا۔ میں تم پر گواہی دوں گا اور اللہ کی قسم میں اپنے حوض کوثر کو اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں، مجھے روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں اور قسم اللہ کی مجھے تمہارے بارے میں یہ خوف نہیں کہ تم شرک کرنے لگو گے۔ میں تو اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں دنیاداری میں پڑ کر ایک دوسرے سے رشک وحسد نہ کرنے لگو۔ صحیح بخاری:3596

[2] سورۃ المائدہ:18

توحیدِ ذاتی :روح پہ بیان (حصہ سوم)

قرآن:- اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ(71)فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ(72)فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَۙ(73)اِلَّاۤ اِبْلِیْسَؕ-اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ(74)قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّؕ-اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ(75)قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُؕ-خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ(76)قَالَ فَاخْرُ جْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌۚۖ(77)وَّ اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ(78) قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ(79)قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَۙ(80)اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ(81) قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَۙ(82)اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ(83) قَالَ فَالْحَقُّؗ-وَ الْحَقَّ اَقُوْلُۚ(84)لَاَمْلَــٴَـنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ(85)

ترجمہ:- "جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے انسان بناؤں گا۔ پھر جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونکوں تو تم اس کے لیے سجدے میں گرنا۔ تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا ایک ایک نے کہ کوئی باقی نہ رہا۔ مگر ابلیس نے، اس نے غرور کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں۔ فرمایا اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اس کے لیے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تجھے غرور آگیا یا تو تھا ہی مغروروں میں۔ بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔ فرمایا تو جنت سے نکل جا کہ تو راندھا (لعنت کیا) گیا اور بے شک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک۔ بولا اے میرے رب ایسا ہے تو مجھے مہلت دے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں۔ فرمایا تو تُو مہلت والوں میں ہے اس جانے ہوئے وقت کے دن تک۔ بولا تو تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کردوں گا۔ مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔ فرمایا تو سچ یہ ہے اور میں سچ ہی فرماتا ہوں بے شک میں ضرور جہنم بھر دوں گا تجھ سے اور ان میں سے جتنے تیری پیروی کریں گے سب سے"

خاکہ:-

(1) پہلے دو بیانات کا خلاصہ

(2) روح امرِ ربی ہے

(3) روح صرف انسان کو عطا ہوئی

(4) سب نے سجدہ کیا لیکن ابلیس متکبر ہو گیا

(5) روحی، اللہ کی روح

(6) روح پھونکنے کے بعد سجدہ

(7) نبی کو مجسمہ سمجھنا اور نور سمجھنا

(8) روح اللہ کی مخلوق ہے

(9) اللہ اپنے علم سے ہر جگہ موجود ہے

(10) نبی پاک ﷺ کو معراج میں علم عطا کیا گیا

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

توحید کے موضوع پہ ہماری گفتگو چل رہی تھی کہ اساسِ دین جو ہے، اساسِ علم جو ہے، اُساس اقدار جو ہے وہ توحید ہے۔ تمام انبیاء کرام اسی کا پیغام لیکر آئے اور ہم ذاتی توحید جو ہے اسکے حوالے سے کچھ بات کر چکے ہیں کہ جس اللہ کا تصور ہمارے دین میں دیا گیا ہے اسکی ذات میں کوئی چیز شریک نہیں ہے۔ اس حوالے سے ہم نے عیسائیوں، یہودیوں اور مشرکین مکہ کا تذکرہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ذاتی اعتبار سے نہ کسی کا باپ ہے، نہ کسی کا بیٹا ہے، نہ اسکے اُجزاء ہوسکتے ہیں، نہ وہ کسی چیز کا محتاج ہے، نہ اسکو کسی چیز سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اسکی جیسی کوی شے نہیں۔ اور پھر تعطیل کے حوالے سے بھی دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا معاملہ کبھی معطل نہیں ہوا۔ توحید میں جنہوں نے یہ سارے معمالات گھڑ لیے تھے کہ معتزلہ کی توحید کیا تھی، خارجیوں کی کیا تھی، امامیوں کی کیا تھی، تو وہ پھر ایک بہت لمبی بحث ہے، تو اس میں الجھ کر پھر آپکو سمجھ نہی آئیگی، تو میں نے وہ تمام نقطہ ہائے نظر میں تھے، ان میں جو اصل چیزیں تھی وہ میں سمیٹ کر آپکے سامنے رکھ رہا ہوں کہ اللہ کی ذات میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا، نہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ثابت کر سکتے ہیں، نہ پاؤں ثابت کرسکتے ہیں، چونکہ یہ اُجزاء جو ہوتے ہیں انکا انسان محتاج ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ تشبیہ اور تعطیل بھی آپ نے سیکھ لی۔

اب یہ ایک بہت بڑا معاملہ، جسکو یہ جاہل لوگ پھیلا دیتے ہیں تو اس سے پورے کا پورا دین متاثر ہوتا ہے۔ وہ ہے روح کے متعلق۔ یہ چونکہ ہندوؤں کے اندر بھی چیز موجود تھی تو ہمارے ادھر لوگ ہندوؤں سے بھی متاثر ہوئے۔ روح کے متعلق صرف اتنی بات سمجھ لیں کہ یہود نے مشرکین مکہ سے یہ کہا تھا کہ آپ اس پیغمبر سے تین سوالات پوچھیں۔ اگر یہ تینوں سوالوں کا تفصیل سے جواب دینگے تو پھر یہ نبی جھوٹا ہے اور اگر دو سوالوں کا تفصیل سے جواب دیں اور ایک سوال کا مختصر جواب دیں تو پھر یہ نبی سچا ہے۔ تو مشرکینِ مکہ پاک پیغمبر ﷺ کے

پاس آئے اور وہ تین سوال جو یہود کے علماء نے انکو بتائے تھے کہ اصحابِ کہف کے متعلق سوال کرنا ہے، سکندر ذوالقرنین کے متعلق اور روح کے متعلق سوال کرنا ہے۔ ان تینوں سوالوں کا جواب ایک ہی سورت میں ہے، سورۃ کہف میں۔ انہوں نے جب آکر پوچھا ذولقرنین کے متعلق، تو نبی پاک ﷺ نے تفصیل کا جواب دیا، اصحابِ کہف کے متعلق بھی پوچھا تو آپ ﷺ نے تفصیل سے جواب دیا۔ تیسرا سوال وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ[1]، یہ پندرھویں پارے میں، اے پیغمبر ﷺ یہ آپ سے سوال کرتے ہیں روح کے بارے میں۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ، آپ انکو فرمادیں کہ روح جو ہے وہ اللہ کا امر ہے۔ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا، اور تمہیں علم نہیں دیا گیا، مگر تھوڑا سا۔ بھائی بات روح کی ہو رہی تو فرمایا کہ یہ امر ربی ہے اور تمہیں علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا۔ تو یہ انکو بتانا مقصود تھا کہ جو تفصیل والے جواب تمارے ذہن میں آسکتے تھے وہ بتا دیے گئے ہیں اور جس کا علم تمہارے پاس تھوڑا ہے، اس پہ میں تفصیل سے گفتگو نہیں کرونگا۔ اس میں ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہو گیا ہے کہ اگر آپ کے سامعین میں اُس لیول کے لوگ نہ ہوں جو اس بات کو سمجھ سکیں تو انکو صرف حکم سنا کر بات کو ختم کر دیں۔ اب بڑی عجیب بات ہے اس آیت میں یہ بھی کہ یہ نہیں فرمایا کہ مجھے روح کا علم نہیں اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ میرے پاس قلیل علم ہے، فرمایا کہ تمہاری حیثیت یہ ہے کہ تمہارے پاس علم تھوڑا ہے۔ تم اس بات کو سمجھ نہیں سکتے۔

میں یہ آگے جا کر بھول نہ جاؤں کہ اس روح کا تعلق صرف انسان کے ساتھ ہے، یہ روح کسی اور کو عطا نہیں کی گئی۔ یہ روح فرشتوں کو نہیں ملی، جانوروں کو نہیں ملی، جنات کو نہیں ملی۔ روح جو ہے وہ صرف انسان کو عطا ہوئی ہے، موت جو ہے وہ جان کو آتی ہے روح کو نہیں آتی، کیونکہ روح امرِ ربی ہے نا، امر ربی کو موت نہیں آتی۔ اسلیے فرمایا کہ کل نفس ذائقۃ الموت۔ نفس کو موت آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے "اللہ تعالیٰ نفسوں کو ان کی موت کے وقت مار ڈالتا ہے اور جن کی موت نہیں آئی انہیں نیند کے وقت فوت کر لیتا ہے (یعنی سلا دیتا ہے) موت والے نفس کو تو اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسرے کو مقررہ وقت پورا کرنے کے لیے پھر بھیج دیتا ہے"[2]۔ جب تم

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل:85

[2] سورۃ الزمر:42

سوتے ہو تو نیند جو ہے یہ موت کی ہی بہن ہے، تمہاری روح جو ہے وہ تمہارے جسموں سے نکل جاتی ہے اور پرواز کرتی رہتی ہے، پھر جب اللہ تمہارے جسموں میں روح کو واپس ڈالتا ہے تم جاگ جاتے ہو اور دنیا کے کام کاج کرتے ہو[1]۔ روح جو ہے وہ نیند کی حالت میں جسموں سے نکل جاتی ہے لیکن جان نہیں نکلتی۔ بھائی یہ بھی تو سوال ذہن میں آئے گا کہ نیند کی حالت میں سانس بھی لے رہا ہوں اور کروٹ بھی بدلتا ہوں تو نیند کی حالت میں روح نکل جاتی ہے لیکن جان نہیں نکلتی۔ جان جو ہے، نفس جو ہے وہ موجود رہتا ہے۔ جان جو ہے جانوروں کے اندر بھی ہے، فرشتوں کے اندر بھی ہے، جنات کے اندر بھی ہے۔ تو موت جب جان کو آتی ہے تو آپکا یہ سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ یہ فرق ہے، جان اور روح کا۔ اس پہ پھر کبھی تفصیل سے بات کرینگے، ابھی چونکہ اس کا ذکر آنا ہے تو ضمناً چونکہ یہ باتیں آگے آنی ہیں، تو یہ آپکے ذہن میں ہوں۔

فرمایا اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ یاد کرو اس واقعہ کو جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ میں ایک بشر کو مٹی سے تخلیق کرنے والا ہوں۔ ان ایات کو غور سے سنیں۔ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کرلوں، آپ یوں سمجھ لیں کہ مساوی کرلوں، سَوَّیْتُهٗ سے ہی مساوی کا لفظ آیا ہے، برابر کا۔ میں جب اس کو برابر کرلوں وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ پھر میں اپنی روح اس میں پھونک دوں۔ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ تو تم سب نے اس کو سجدہ کرنا ہے۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَۙ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا، اجمعون کا لفظ استعمال کیا کہ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا، اِلَّاۤ اِبْلِیْسَؕ سوائے ابلیس کے، اِسْتَكْبَرَ اس نے تکبر کیا وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ وہ تھا ہی کافروں میں سے، قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ فرمایا ابلیس تجھے کس چیز نے منع کیا، کہ تو نے اسکو سجدہ نہیں کیا لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّؕ جسکو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ اس کا ذکر میں پہلا کر چکا ہوں کہ کبھی ان ہاتھوں کیطرف خیال نہ جائے ورنہ ایمان ضائع ہو جائیگا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ ایک ہاتھ اسکی قدرت کا ہے اور دوسرا علم کا ہاتھ ہے، وہ انسانی عقل سے وراں ہے۔ جیسے روح کے متعلق فرمادیا گیا نا کہ تمہارے پاس اتنا علم نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ روح کے متعلق بات کی جائے۔

---

[1] ابن مردویہ کی ایک مرفوع روایت میں ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے جو سونے کے وقت اس کی روح کو لے جاتا ہے پھر اگر قبض کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہ اس روح کو نہیں لوٹاتا ورنہ بحکم الٰہی لوٹا دیتا ہے۔ [الدر المنثور للسیوطی: 29/3: ضعیف]

اَسْتَکْبَرْتَ کیا تو اپنے آپ کو متکبر سمجھتا ہے، گھمنڈ کرتا ہے اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ یا تو پھر بڑوں میں ہو گیا ہے۔قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُؕ، اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں، خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔قَالَ فَاخْرُ جْ مِنْہَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ فرمایا نکل جا میرے دربار سے تو مردود ہو گیا ہے وَّ اِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اور قیامت تک تو میری رحمت سے دور ہو گیا ہے۔ لعنت کا مطلب ہوتا ہے جسکو اللہ کی رحمت سے دور کر دیا جائے۔ یعنی اب قیامت تک تجھے رحمت ملنے والی نہیں ہے۔ اس لیے نبی پاک ﷺ کسی پہ لعنت نہیں کرتے تھے۔قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ، اس نے کہا یا اللہ مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ اٹھیں،قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَۙ اللہ نے کہا جا تجھے مہلت دی اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ وقت معلوم تک۔ یہ وقت معلوم قیامت تک کا ہے یا اس سے پہلے ہے، یہ اللہ کو پتہ ہے۔قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّہُمْ اَجْمَعِیْنَۙ اس نے کہا مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا اِلَّا عِبَادَکَ مِنْہُمُ الْمُخْلَصِیْنَ سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ اخلاص بڑی چیز ہے یعنی جس نے بھی ابلیس سے بچنا ہے وہ اللہ کا مخلص بندہ ہے۔قَالَ فَالْحَقُّ۫-وَ الْحَقَّ اَقُوْلُۚ فرمایا یہ سچ ہے اور اللہ سچ کے سوا کچھ نہیں فرماتا۔ لَاَمْلَئَنَّ جَہَنَّمَ مِنْکَ وَ مِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ فرمایا میں جہنم بھر دوں گا تیرے ساتھ اور جو تیری اتباع کرے گا، جو تیرے پیچھے چلیں گے۔

یہ تھوڑی تفصیل میں نے عرض کر دی ہے کیونکہ بات ہم نے روح پہ کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ اب "ی" دو طرح کی ہوتی ہے، ایک "ی" نسبتی ہوتی ہے اور ایک "ی" تکلمی ہوتی ہے۔ جہاں سے دھوکہ کھایا لوگوں نے۔ مثلاً یدی کہتے ہیں میرا ہاتھ، روحی، میری روح، اسکی کہتے ہیں "ی" تکلمی۔ اسیطرح ایک "ی" نسبت کے معنوں میں آتی ہے، مثلاً مدنی، مدینے والا، مکی، مکے والا، چشتی، چشت والا۔ "ی" وہی ہے جو کبھی واحد تکلم کیساتھ آتی ہے اور کبھی نسبت کیساتھ آتی ہے۔ یہاں آئی ہے تکلم کے معنوں میں، اب یہ نہیں فرمایا کہ میں جب مٹی سے بشر بنالوں تو تم نے اس کو سجدہ کرنا ہے۔ نہیں، نہیں۔ فرمایا کہ مٹی سے بنانے والا ہوں، جب میں اپنی روح اس میں پھونک دوں تو تب سجدے میں گر جانا۔ یعنی تعظیم جو تھی وہ اس مجسمے کی نہیں تھی، اسکی شرط یہ تھی کہ جب میں اپنی روح اس میں پھونک دوں تب سجدے کرنا۔

اب یہ جو آگے آپ نے ساری آیات سنی ہیں۔ فرشتوں نے سجدہ کیا، ابلیس نے نہیں کیا۔ اس نے کیا کہا؟ اسکا جملہ میں دہرا دیتا ہوں اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُۚ-خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے اور اسے تو نے مٹی سے بنایا ہے۔ اللہ نے بھی یہی کہا نا کہ میں ایک بشر بنانے لگا ہوں مٹی سے اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ تو یہی لفظ طین اس نے بھی استعمال کیا۔ اب یہ قرآن کریم لائن کھینچ رہا ہے کہ اس وقت سے لیکر آج تک تو جھگڑا ہے وہ انہی دو سوچوں کا ہے، انہی دو فکروں کے اندر ہے کہ فرشتوں نے سجدہ کیوں کیا اور ابلیس نے کیوں نہیں کیا۔ اور یہ لڑائی قیامت تک رہنی ہے۔ اللہ نے بھائی یہ کب کہا تھا کہ مٹی کے مجسمے کو سجدہ کرنا۔ اللہ نے تو کہا کہ جب میں اس میں روح پھونک دوں تو تب سجدہ کرنا ہے۔ اب فرشتوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ مجسمہ تو کئی سال پڑا رہا ہے۔ اللہ نے جب یہ فرمایا تھا نا کہ جب میں اس انسان کو بناؤں گا اور اسکو صحیح کر دونگا اور پھر اس میں اپنی روح پھونکوں گا۔ کچھ کتابوں میں اسکی تفصیل لکھی ہوئی ہے کہ پھر اللہ نے فرمایا تھا کہ میں اس کے ذریعے سے پھر آزمائش کرونگا اور اس میں سے ایک لعنتی ہو جائیگا۔ تو فرشتے، ابلیس سے آکر دعا کروایا کرتے تھے کہ جب آزمائش کا وقت آئے تو وہ لعنتی کہیں ہم نہ بن جائیں۔ یعنی یہ اتنا مقرب تھا فرشتوں میں کہ فرشتے اس سے دعا کروایا کرتے تھے۔ لیکن یہ فرشتوں کیلئے تو دعا کیا کرتا تھا لیکن اپنے لیے دعا نہیں تھا کرتا کہ مولا کریم جب آزمائش کا وقت آجائے تو مجھے بھی بچالیں۔ کبھی آپ پاک پیغمبر ﷺ کی سکھائی ہوئی دعاؤں پہ غور کریں نا، ہماری جتنی دعائیں ہیں وہ شروع ہی اپنی ذات سے ہوتی ہیں، رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ، یا اللہ مجھے بخش دے اور میرے والدین کو رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ ، یا اللہ مجھے نمازی بنا۔ تو ہمارے پاک پیغمبر ﷺ نے اس بات کا خصوصی خیال رکھا ہے کہ دعا جب بھی کرنی ہے تو اپنی ذات سے شروع کرنی ہے۔ یہ نہیں کہنا کہ مجھے تو دعا کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تو ابلیس نے کیا جواب دیا کہ مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔ اللہ نے کب فرمایا کہ مٹی کے مجسمے کے سامنے تعظیماً جھک جانا۔ اللہ نے یہ تو حکم ہی نہیں دیا، اللہ تو واضح حکم دے رہا ہے فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ۔

تو یہ قیامت تک دونوں گروہ رہنے ہیں، جو اللہ کے نبی کو مٹی کا مجسمہ سمجھتے ہیں انہوں نے ابلیس کے گروہ میں رہنا ہے اور جو مجسمے کے آگے نور تک پہنچتے ہیں انہوں نے ایمان کے گروہ میں رہنا ہے۔ پہلے بھی انبیاء اکرام

کیساتھ یہی ہوا اور مشرکین مکہ نے بھی یہی اعتراض کیا کہ یہ ہماری طرح کا ہے۔ ہماری طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، شادی کی ہے، بچے ہیں۔ تو شیطان کا گروہ ہمیشہ ظاہر کا مجسمہ دیکھتا رہتا ہے اور ایمان والے مجسمہ کے اندر روح اور نور تک پیغمبر کو دیکھتے ہیں اور پھر ایمان لاتے ہیں۔ بس یہی جھگڑا ہے اور یہی رہنا ہے کہ کون تعظیم کریگا پیغمبر کی، جو اس جسم سے آگے دیکھے گا۔ جس نے جسم تک دیکھنا ہے، اس نے ابلیس کے گروہ میں رہنا۔

اب جو بات میں نے بات آپ سے عرض کرنی تھی کہ غلطی کہاں ہوئی؟ غلطی یہاں ہوئی کہ ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا کہ جس نے کہا کہ اللہ نے فرمایا روحی، میری روح۔ تو میں نے جو آپ سے کہا تھا کہ حلول کا نظریہ اسلام میں جائز نہیں، یہ شرک کا نظریہ ہے۔ عیسائیوں نے بھی یہی نظریہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا ہے۔ تو ہمارے ہاں بھی کچھ لوگوں نے کہا کہ اللہ جو ہے وہ بندے کے اندر آکر بیٹھ گیا۔ اسلام اس کی نفی کرتا ہے کہ عیسائیوں کا نظریہ بھی غلط تھا اور تمہارا بھی غلط ہے۔ اگر اللہ کسی جسم کے اندر حلول کر جائے تو پھر اللہ بڑا نہیں رہا، پھر وہ جسم بڑا ہو گیا نا جس کے اندر اللہ آگیا۔ پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کہیں کہ اللہ اکبر۔ میں نے تو پچھلے درس میں آپ سے کہا تھا کہ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس آیت کا ترجمہ کیا تو انہوں نے اس پہ بھی یہی احتیاط برتی تھی،اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى[1]، رحمٰن وہ ہے جو عرش پہ استوا ہے۔ تو اعلیٰ حضرت نے اس کا ترجمہ یہ کیا تھا کہ وہ اپنی شان کے لائق عرش پہ استوا ہے۔ کیونکہ میرے ذہن میں یہ آجائے کہ ایک عرش ہے اور اس پہ اللہ بیٹھا ہوا ہے تو پھر عرش نے اللہ کا احاطہ کر لیا اور عرش بڑا ہو گیا نا، پھر اللہ اکبر نہ رہا۔ ہمارے تو بڑوں نے اس کے ترجمے میں بھی احتیاط برتی کہ اللہ عرش پہ ہے تو اپنی شان کے حساب سے ہے، ہمیں نہیں پتہ کہ وہ کیسے موجود ہے۔ یہ نظریہ کبھی نہیں رکھنا کہ اللہ بندے میں حلول کر گیا، روح، اللہ کی مخلوق ہے، امر ربی ہے۔ انسان کی عظمت یہ ہے کہ یہ شان صرف اللہ نے انسان کو عطا فرمائی ہے۔ وہ خاص جو اسکا امر تھا، اسکی مخلوق تھی وہ اللہ نے انسان کو عطا فرمائی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ جو چونکہ اللہ آدم رضی اللہ عنہ کے اندر بیٹھ گیا تھا تو سجدہ تو اللہ کو ہی

---

[1] سورۃ طٰہٰ:5

ہوا۔ پھر وہ کہیں گے کہ اب ہمیں بھی سجدہ کرو کیونکہ اللہ کی روح تو ہمارے اندر بھی ہے۔ یہ شرک ہے۔ اللہ کسے انسان میں حلول نہیں کر سکتا، اللہ کسی جسم میں سا نہیں سکتا۔

ہمارے ہاں یہ بھی نظریے بھی چلتے ہیں۔۔ توحید کا عقیدہ سمجھنا بہت ضروری ہے، اسکے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا، عقیدہ نبوت بھی خراب ہو جاتا ہے۔ اسلیے ہم نے عقیدہ توحید پہ تفصیل سے بات کی ہے، تو یہ ذاتی توحید جو ہے اس کے حوالے سے۔ ایک اور جملہ قرآن کا، اس پہ بھی بڑا دھوکہ دیا جاتا ہے، وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ[1] اللہ تمہارے ساتھ ہے، تم جہاں کہیں بھی ہوتے وہ تمہارے ساتھ ہے۔ تو اس سے یہ بھی لوگوں نے یہ معنیٰ نکال لیا کہ اللہ ہر بندے کیساتھ ہے، تو سرکار عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جنہوں نے قرآن پاک پیغمبر ﷺ سے سیکھا تھا نا، تو جب پوچھا گیا تو فرمایا کہ اللہ اپنے علم کے اعتبار سے ہر بندے کیساتھ ہے۔ عقیدے میں کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے۔ یہ اللہ کی گستاخی ہے کہ اللہ کو مخلوق کے برابر سمجھنا کہ وہ آکر کسی بندے کیساتھ کھڑا ہو گیا۔ تو اللہ ہر جگہ موجود ہے تو وہ اپنے علم سے ہر جگہ موجود ہے۔ اس کے علم نے میرے سارے جسم کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اسکے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، زمین کے اندر ہو، آسمانوں میں ہو، پانی میں ہو، کہیں بھی ہو، کچھ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ ذات کے لحاظ سے بھی وہ یکتا ہے اور صفات کے لحاظ سے بھی یکتا ہے۔

معراج میں بھی نبی پاک ﷺ نے کیا فرمایا کہ اللہ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنا دست قدرت رکھا اور میں جان گیا جو کچھ آسمانوں میں تھا اور جو کچھ زمینوں میں تھا۔ یعنی پاک پیغمبر ﷺ کو بھی تو اسی علم کے اعتبار سے بات ہوئی ہے نا کہ جان گیا میں جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا۔ قرآن نے پھر کہا وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ[2] آپ جان گئے وہ سب جو آپ نہیں جانتے تھے۔ تو اب اگر کوئی فلاں بے غیرت کہے کہ فلاں بات کا نبی کو علم نہیں تھا تو اللہ فرماتا ہے کہ جسکا نہیں تھا وہی تو دیا ہے۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں بات کا پیغمبر ﷺ کو علم

[1] سورة الحدید:5

[2] سورة النساء:113

نہیں تھا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ تو یہ کبھی نہی نظریہ رکھنا کہ اللہ روح کے اعتبار سے بندے میں حلول کر گیا ہے اور اب بندے کو بھی سجدہ جائز ہے۔ یہ ساری چیزیں اسلام کے خلاف ہیں۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

توحیدِ ذاتی : نور پہ بیان (حصہ چہارم)

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

ہماری گفتگو توحید کے حوالے سے چل رہی ہے کہ ایک بندہ مومن کیلئے اللہ کو ایک ماننا، ایک سمجھنا، ایک لکھنا، اور اس ایک کیلئے جدوجہد کرنا۔ اس حوالے سے دو تین چیزیں ہم نے سیکھیں تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی سوچ اور عقل میں نہیں آسکتی اسلیے کہ اسکی مثل کوئی چیز موجود نہیں۔ نہ وہ کسی کا باپ ہے، نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ اسکی کوئی بیوی ہے۔ یعنی مخلوق کی بس کی بات ہی نہیں ہے کہ اس اللہ کو اپنے ذہن میں سمجھنا۔ اس حوالے سے اگر آپکو یاد ہو تو میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سمجھنے والی چیز نہیں بلکہ ماننے والی چیز ہے۔ انسانی عقل چونکہ محدود ہے اور اللہ تعالیٰ لامحدود ہے، عقل میں، سوچ میں وہ چیز آتی ہے جو عقل سے ناقص ہو، اسلیے اللہ تعالیٰ عقل میں نہیں آتا، سوچ اور فہم میں نہیں آتا۔ ہماری عقل کا تو یہ حال ہے قرآن کریم کی ہم یہ آیت پڑھتے ہیں اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ[1]، اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ یہ جو میں نے تشبیہ کی بات کی تھی کہ اگر اس قسم کی آیات آجائیں جہاں اللہ کے ہاتھوں کا ذکر ہو، اللہ کے پاؤں کا ذکر ہو تو وہاں آپ کا ہاتھ ان ہاتھوں کیطرف نہیں جانا چاہیے اور یہ جو ہمارے پاؤں ہیں انکی طرف نہیں جانا چاہیے۔ تو یہ چیزیں میں نے اس لیے عرض کیں کیونکہ اب ہم نے آگے کا سفر طے کرنا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں ہ اللہ نور ہے، تو یہاں بھی ہم دھوکہ کھا جاتے ہیں، ہمارے ذہن میں فوراً یہ جو سورج کی روشنی ہے، چاند کی روشنی ہے، ستاروں کی روشنی ہے، ہمارا دھیان اس طرف چلا جاتا ہے اور پھر مولویوں کے مناظرے شروع ہو جاتے ہیں نور بشر میں۔ بھائی جب اللہ کو نور کہا جاتا ہے تو دھیان اس روشنی کیطرف نہیں جانا چاہیے کیونکہ یہ روشنی جو آپ دیکھ رہے ہیں یہ مخلوق ہے، یہ مادہ ہے۔ یہ جو بات ہے کہ اللہ نور ہے، اس سے بھی آپکو یہ بتایا کہ اگر آسمانوں

---

[1] سورۃ النور:35

کی حقیقت جاننا چاہتے ہیں، اگر آپ زمین کی حقیقیت کو جاننا چاہتے ہیں تو اس اللہ پہ ایمان لائیں گے تو آپکو حقیقیت کا پتہ چلے گا۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ کو اس نور سے تشبیہ دے دی جائے۔ اللہ کے ذاتی نور کا کسی کو علم نہیں، کسی کے ذہن میں وہ بات نہیں آسکتی۔ اسکی صفت، جو نور کی تجلی ہے تو وہ اگر پہاڑ پہ پڑے تو وہ قائم نہیں رہ سکتا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہی کہا تھا کہ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں، تو کیا ارشاد ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام تم نہیں دیکھ سکتے۔ بھائی ذات کا جو نور ہے وہ تو پیغمبر بھی نہیں دیکھ سکے۔ اب جو چیز میرے ذہن میں ہی نہیں آتی تو تم کیوں اس بحث میں پڑے ہو کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے یا بشر تھے۔ اللہ جب جنت میں اپنی زیارت کروائے گا تو ان آنکھوں سے نہیں ہو گی۔ یہ آنکھیں تو اسکا دیدار کر ہی نہیں سکتیں۔ اس کے لیے وہ آنکھیں بھی تمہیں اور عطا کریگا اور اپنی شان کے مطابق وہ آپکو زیارت کروائے گا۔ حدیث جو سارے بیان کرتے ہیں اور اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی لکھا کہ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نور بھی اللہ کے نور کا حصہ نہیں بلکہ اللہ نے خلق کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک۔ جب اس حقیقت کا میرا ذہن ادراک ہی نہیں کر سکتا تو میں نے اس کے اوپر بحث کیا کرنی ہے۔

تو یہ ذات کے حوالے سے تھوڑی سی بات ہم نے یہ تین چار جمعے دیکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی نہ کوئی تشبیہ دی جاسکتی ہے، نہ کوئی مثال دی جاسکتی ہے، نہ اسکی ذات کا کوئی شریک ہے۔ مختصر بات یہ ہے کہ مخلوق کے بس کی بات ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے خالق کو سمجھ سکیں، اسکا کوئی احاطہ کر سکیں، اسکو اپنے دماغ سے سمجھ سکیں۔ اسلیے قرآن نے شروع میں ہی کہ دیا تھا الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ[1] ، ایمان والے جو ہیں وہ غیب پہ ایمان رکھتے ہیں۔

[1] سورۃ البقرۃ:3

توحیدِ صفاتی: خالق اور معبود

قرآن:- اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَؕ-خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (سورة آل عمران: 59)

ترجمہ:- "بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے جسے اللہ نے مٹی سے بنایا پھر اسے فرمایا:"ہو جا" تو وہ فوراً ہو گیا"

خاکہ:-

(1) اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے

(2) اللہ تعالیٰ تنہا ہی خالق ہے

(3) عبادت اسی کی ہو گی جو خالق ہے

(4) عیسائیوں کا جواز

(5) فرقہ تفویضیہ کا عقیدہ

(6) زرتشتوں کا عقیدہ

(7) مسلمانوں کا عقیدہ

(8) اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو !

السلام علیکم!

جیسے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے یکتا ہے، ایسے ہی صفات کے اعتبار سے بھی یکتا ہے۔ صفات بھی اسکی کچھ وہ ہیں جو قرآن کریم میں ذکر ہوئیں، کچھ پاک پیغمبر ﷺ نے ہمیں بتائیں، یہ جو آپ کہتے ہیں کہ اللہ کے 99 نام

ہیں، یہ صفاتی نام ہیں سارے۔ ایمان کا جہاں تک تقاضہ ہے وہ میں عرض کرنے لگا ہوں، اللہ کی ذات پر ایمان، اسکی صفات پر ایمان۔ صفات میں ہم نے عرض کرنا ہے کہ مولا کریم جن صفات کا مجھے علم ہے اور جن کا نہیں علم، میں تیری تمام صفات پر ایمان لاتا ہوں۔ تو اسکی صفات میں بھی اسکا کوئی شریک نہیں۔

ایک صفت جسکا قرآن کریم میں بار بار تذکرہ آتا ہے، وہ ہے اسکا خالق ہونا۔ یہ کائنات پیدا کس نے کی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کی ہے، یہ اسکی تخلیق ہے۔ اب وہ خالق بھی تنہا ہے، ہاں جب اس نے اس کائنات کو بنایا تو اسکا کوئی مددگار نہیں تھا، کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ یعنی اسکی صفات کو اس اعتبار سے دیکھنا ہے کیونکہ صفات جو ہیں وہ ذات سے جڑی ہوئی ہیں۔ ہمیں قرآن نے حکم بھلا کیا دیا ہے کہ اللہ کو جو آپ نے پہچاننا ہے وہ اسکی صفات سے پہچاننا ہے۔ ذات کی طرف جانے کی کوشش نہیں کرنی۔ یہ بنیادی نقطہ ہے، ظاہر ہے انسان کی شروع سے تگ و دو رہی ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے۔ تو پہچان آپ نے جو کرنی ہے وہ اسکی صفات سے کرنی ہے۔ وہ خالق ہے، اس نے اکیلے ہی یہ کائنات بنائی ہے، اسکا کوئی معین نہیں، کسی سے مشورہ نہیں لیا، وہ تنِ تنہا خالق ہے۔

یہ مثال اللہ تعالیٰ بیان فرمارہا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ [1] اے انسانوں اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے اسکو غور سے سنو اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ بیشک جو لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ کے علاوہ، پکارتے ہیں اللہ کے علاوہ، لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ، اگر وہ سارے بت، جتنے بھی معبود تم نے بنائیں ہیں، اگر تم انکو اکٹھا کر لو تو وہ ایک مکھی نہیں بنا سکتے۔ یہ بات صفات کے اعتبار سے میں نے شروع اسلیے کی ہے کہ عبادت اسکی کی جاتی ہے جو خالق ہوتا ہے۔ آگے صفت اسکی معبود آنی ہے نا جو عبادت کے لائق ہے۔ تو یہ بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ عبادت اسکی کی جاتی ہے جو خالق ہوتا ہے۔ تو فرمایا کہ وہ سارے بھی اکٹھے ہو کے ایک مکھی نہیں بنا سکتے، وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ، اور اگر انکے ہاتھ سے مکھی کوئی چیز چھین کے لے جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ، یہ طالب بھی کتنے کمزور ہیں اور مطلوب بھی کتنے کمزور۔ یہ اللہ مثال بیان فرمارہا ہے۔ ساتھ فرمایا مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ، تم نے اللہ کی وہ عزت نہیں کی جو اللہ کی کرنی چاہیے تھی۔ یہ تم نے اور معبود

---

[1] سورة الحج: 73

بنا کے، اللہ کے شریک کھڑے کر کے، تم نے وہ کام کیا ہے کہ جو اللہ کی عزت اور قدر کرنی چاہیے تھی وہ تم نے نہیں کی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ، بیشک وہ طاقتور بھی ہے اور غالب بھی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے مشرکینِ مکہ کے سامنے بات ہی یہ رکھی، میرے پیغمبر ﷺ نے کوئی لمبی چوڑی باتیں ہی نہیں کیں۔ میرے پیغمبر ﷺ نے انکے سامنے یہی ایک بات رکھی تھی کہ اگر تم ان بتوں کی پوجا کرتے ہو تو مجھے یہ تو بتاؤ انہوں نے کونسی چیز پیدا کی ہے۔ میرا رب تو وہ ہے جس نے کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ اگر تمہارے بتوں نے بھی کوئی چیز پیدا کی ہے تو بتاؤ۔ تو عبادت اسی کی ہو گی جو خالق ہے، مخلوق کی عبادت نہیں ہوتی۔ تو جب خالق ایک ہے، تنہا ہے تو عبادت پھر اسی ایک کی ہو گی۔

عیسائیوں نے کہا کہ ہمارے پاس دلیل ہے، بھائی عیسائی جو تھے وہ چونکہ اللہ کی ذات میں شریک ٹھہراتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس دلیل ہے، قرآن پاک میں لکھی ہوئی ہے دلیل، لیکن میرے اللہ نے فرمایا عیسیٰ اس احسان کو یاد کرو، اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَ عَلٰی وَ الِدَتِكَ[1] جب اللہ نے فرمایا عیسیٰ ابن مریم، ان نعمتوں کو یاد کرو جو اللہ نے تم پہ کیں اور تمہاری والدہ پہ کیں۔ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ، اور پاک روح کیساتھ تمہاری مدد کی، تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ كَهْلًاۚ، تم نے پنگھوڑے میں بھی بات کی اور کہل کہتے ہیں 30 سال سے جو زیادہ عمر ہوتی ہے 40 سال کے قریب، عربی زبان میں اسے کہل کہتے ہیں کہ تم نے بچپن میں بھی بات کی اور بڑھاپے میں بھی بات کرو گے۔ وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَۚ، اور اس نے تمہیں کتاب سکھائی، علم عطا کیا کتاب کا اور حکمت عطا کی اور تمہیں تورات سکھائی اور انجیل سکھائی، وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ، جن عیسیٰ نے کہا کہ میں تمہارے لیے ایک مٹی سے پرندہ بناتا ہوں، بِاِذْنِیْ، میرے حکم سے، اللہ فرمارہا ہے کہ وہ جو مٹی کا پرندہ بنایا وہ میرے حکم سے، فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ، اور پھر وہ میرے ہی حکم سے، تو جب عیسیٰ علیہ السلام نے اس میں پھونک ماری تو اس نے اڑنا شروع کر دیا، وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْۚ، تم کوڑھوں کے کوڑھ دور کرتے ہو، اندھوں کو بینا کرتے ہو میرے حکم سے، وَ اِذْ تُخْرِ جُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْۚ، اور تم مردوں کو زندہ کرتے ہو میرے حکم سے۔ یہ جتنے معجزات ہیں، انہوں نے کہا کہ دیکھو جی عیسیٰ علیہ السلام نے پرندہ بنایا، اس کو تخلیق کیا، اس میں

---

[1] سورۃ المائدہ: 110

پھونک ماری تو اس نے اڑنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے کہ وہ مٹی بھی ہم نے بنائی تھی اور وہ معجزہ ہم نے ہی عیسیٰ کو عطا کیا تھا۔ اللہ جو خالق ہے وہ مٹیریل کسی سے نہیں لیتا، عیسیٰ نے اگر پرندہ بنانا ہے تو اسے مٹیریل اللہ سے لینا پڑتا ہے۔ اب مٹی سے وہ پرندہ بنالے تو اڑ نہیں سکتا اگر اللہ حکم نہ دے۔ مردے کو اگر عیسیٰ زندہ کرتا ہے تو میرے حکم سے کرتا ہے۔ تو یہ جتنے افعال انبیاء کے معجزات کی صورت میں، اس پہ تفصیل سے بات تو اگلے جمعہ ہو گی۔

میرے مولا علی سرکار کرم اللہ وجہ الکریم کا نہج البلاغہ میں ایک بہت خوبصورت جملہ ایک خطبہ میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی توحید کو اس حوالے سے دیکھنا ہے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور یہ کائنات اللہ کا فعل ہے۔ تو اس فعل کا فاعل صرف ایک ہی ہے۔ یہ ایک فرقہ پیدا ہوا، تفویضیہ، جیسے آپ کام کسی کو تفویض کر دیتے ہیں۔ سرکار امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے تو ایک شخص آگیا اور کہنے لگا کہ سرکار میں ایک قبیلے کے پاس سے آیا ہوں وہ کہتے ہیں کہ اللہ صرف دو چیزوں کا خالق ہے۔ ایک تو اس نے محمد ﷺ کو تخلیق کیا ہے اور ایک اس نے علی کو تخلیق کیا ہے۔ بس دو چیزوں کا خالق ہے۔ باقی جو ساری کائنات تخلیق کی ہے وہ محمد ﷺ اور مولا علی نے تخلیق کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو تخلیق کر کے فارغ ہو گیا، باقی ساری کائنات محمد ﷺ اور مولا علی نے تخلیق کی۔ تو سرکار امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کی آیت یاد کروائی، فرمایا اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ[1] کیا لوگوں نے اللہ کیساتھ شریک بنا لیے ہیں خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ کچھ چیزیں تو اللہ نے بنائیں اور کچھ چیزیں اس کے شریکوں نے بنائیں فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ اور اب لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے کہ اللہ کو کس نے بنایا اور دوسروں نے کس کو بنایا، قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اے میرے محبوب ﷺ انکو فرما دو کہ ہر شے کا خالق صرف اللہ ہے۔ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ہر شے کا خالق اللہ ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو یہ آیت جا کر سنانا۔ تو وہ شخص کہتا ہے کہ میں جب واپس گیا کوفہ میں اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی یہ بات رکھی تو قرآن کی میں نے یہ آیت رکھی تو ایسے ہو گیا کہ جیسے انکو منہ میں پتھر ٹھونس دیا ہو اور انکی زبانیں بند ہو گئیں۔

[1] سورة الرعد: 16

اب یہ جو آگے سورۃ انعام کی آیت ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ[1] یہ آیت بھی زرتشتوں کے نظریے کے سامنے آئی تھی۔ زرتشتوں کا یہ نظریہ تھا کہ خالق دو ہیں، جو ہمارا اللہ ہے وہ صرف اچھی چیزیں تخلیق کرتا ہے، صرف نیکی کا خالق ہے۔ نظریہ بڑا محبت والا تھا کہ ہم اپنے اللہ کیساتھ یہ منسوب ہی نہیں کرسکتے کہ ہمارا اللہ برائی کا بھی خالق ہے! بات تو بڑی ذہن کو لگتی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا اللہ صرف نیکی کا خالق ہے اور جو برائی کا خالق ہے، وہ اور ہے۔ تو پھر یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو زمین و آسمان کا خالق ہے اور اس میں جو کچھ ہے، وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ روشنی کا خالق بھی وہ ہے اور اندھیروں کا خالق بھی۔ اسلیے کہ تم نے اگر خالق اور مان لیا تو معبود بھی اور ماننا پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ برائی ابلیس کی طرف سے آتی ہے۔ فرمایا یہی تو نظریہ توحید ہے جو تجھے سمجھانا ہے کہ نبیوں کا خالق اگر اللہ ہے تو ابلیس کا خالق بھی اللہ ہے۔ اگر خالق اور مان لیا جائے تو معبود بھی اور ماننا پڑیگا۔ نبیوں کا خالق بھی اللہ ہے اور ابلیس کا خالق بھی اللہ ہے؛ دن کا خالق بھی اللہ ہے اور رات کا خالق بھی اللہ ہے۔ دونوں راستے تمہیں بتا دیے گئے ہیں، روشنی والا راستہ بھی بتا دیا اور اندھیرے والا راستہ بھی۔ اسلیے جب ہم ایمان لاتے ہیں تو جو کلمات ہیں، ان میں ساتویں چیز بڑی اہم ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ ہم نے ذرا غور و فکر کر کے ایمان قبول نہیں نہ کیا۔ جب کہتے ہیں اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلَآئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ میں ایمان لایا اللہ پر، اسکے فرشتوں پر، اسکی کتابوں پر، اسکے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر۔ ان سب پر ایمان کے بعد کہتے ہیں وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی[2] میرا مقدر اچھا ہے یا بُرا ہے، مجھے اپنے اللہ پہ یقین ہے۔ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وہ میرے اللہ کیطرف سے ہے۔ اس لیے میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص کسی کو اپنا ہاتھ دکھاتا ہے کہ میرا مقدر دیکھ، اسکی چالیس دن تک عبادت قبول نہیں ہوتی[3]۔ اللہ تعالیٰ کو اس بات پہ غصہ آتا ہے کہ تجھے اپنے اللہ پہ یقین نہیں کہ اس نے تیرا مقدر کیسا بنایا ہے۔ تو یہ بھی خالق کہ حوالے سے میرے ایمان کا حصہ ہے

---

[1] سورۃ انعام: 1

[2] ایمانِ مُفَصَّل عربی: اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلَآئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔ " میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر کے اللہ کی طرف سے ہونے پر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر۔"

[3] آپ نے فرمایا: "جو شخص کسی غیب کی خبریں سنانے والے کے پاس آئے اور اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھے تو چالیس راتوں تک اس شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ صحیح مسلم: 5821

کہ میں اپنے اللہ پہ یقین رکھوں کہ میرے مقدر کا خالق ایک ہی ہے۔ میرے مقدر کے خالق دو نہیں ہیں۔ اس کائنات کی ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی اور خالق نہیں ہے کہ جس نے کوئی چیز بنائی ہو۔

بڑا خوبصورت جملہ، بات ختم ہو گئی، ایک بندے نے پوچھا تھا امام پاک سے کہ سرکار توحید۔ آپ نے فرمایا کہ کونسی توحید؟ عیسائیوں نے تو یہ کہا ہے۔۔ قرآن تو یہ کہہ رہا ہے کہ وہ پرندہ بنا بھی ہمارے حکم سے اور اڑا بھی ہمارے حکم سے، مردے زندہ ہوئے تو ہمارے حکم سے۔ اس دن ہم نے پڑھا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے تو فرمایا کہ میں تو اسی اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ بڑا خوبصورت جملہ سمجھانے کیلئے، فرمایا کہ یہ اس عیسیٰ کو پوجتے ہیں، اسکو الہ سمجھتے ہیں، اسکو خالق سمجھتے ہیں، اسکی عبادت کرتے ہیں اور ہماری توحید یہ ہے کہ ہم اس اللہ کی عبادت کرتے ہیں جسکو عیسیٰ بھی سجدہ کرتے ہیں۔ کیا فرق ہے ہماری اور انکی توحید کا! تو ہمارے لیے تو بات اور بھی آسان ہے، یہ ہم ضرورتِ نبوت پہ بات کرینگے انشاء اللہ کہ انسانوں نے دھوکہ کیسے کھایا۔ عیسیٰ علیہ السلام پہ کیا لوگوں نے دھوکہ کھانا تھا کہ یہاں تو میرے نبی پاک ﷺ پہ آکر تو اللہ اور نبی کی محبت ایک ہو گئی کہ اس نبی سے محبت کروگے تو اللہ سے محبت، یہاں پہ آکر اطاعت ایک ہو گئی، اس رسول کی اطاعت کروگے تو اللہ ہی کی اطاعت کروگے، فضل ایک تھا، رحمت ایک تھی لیکن کیا توحید کیا پیغام میرے پیغمبر ﷺ نے دیا کہ جس محبوب کو اتنی شانیں عطا ہوئیں وہ پھر بھی ہمیں یہ سبق دیکر گئے ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ میں اس شان پہ جاکر بھی صرف اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں، اسی کو صرف سجدہ کرتا ہوں۔ تو ہم اس خدا کو مانتے ہیں جسکو محمد ﷺ نے بھی سجدہ کیا۔ کیا فرق ہے جس توحید کو ہم مانتے ہیں۔ جو چاہیں تو اشاروں سے بادل لے آئیں، ہم پھر بھی دھوکہ نہیں کھاتے، چاہیں تو جابر رضی اللہ عنہ کے بچے سامنے زندہ کر دیں، اس امت نے پھر بھی سجدہ اللہ کو کیا ہے، درختوں کو حکم دیں تو چل پڑیں، پتھر کلمہ پڑھیں، سورج پلٹ آئے، ساری کائنات نبی پاک ﷺ کے حکموں پہ چلے اور سجدہ پھر اللہ کو کیا جائے۔ اسلیے کہ وہ الہ، وہ خالق کیسا ہو گا کہ جس نے اس محمد ﷺ کو پیدا کیا۔ کیا آپ کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے جب آپ پیغمبر ﷺ کے حوالے سے اللہ کو پہچانتے ہیں۔

ہم نے اللہ کی اس صفت کا تذکرہ کیا ہے جو کہ آگے جا کر عبادت کا باعث بنتی ہے۔ انسانوں کو مخاطب کیا یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ[1] اس اللہ کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو تم سے پہلے گزرے ہیں انکو بھی پیدا کیا ہے۔ تو پیدا کرنیوالا جو ہے عبادت اسی کی کی جاتی ہے اور کبھی ذہن میں یہ نہ آئے کہ جب اللہ نے میرے نبی کو پیدا کیا تھا اس وقت بھی کسی کی مدد نہیں تھی لی، کسی سے مشورہ نہیں تھا لیا۔ اس کائنات کی تخلیق میں اللہ خالق بھی یکتا ہے، تنہا ہے۔ اسکا کوئی معاون اور مددگار نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ذات اور صفات کے حوالے سے ایمان کی پختگی عطا فرمائے۔ آمین۔

﴿ایمان کی صفات﴾

اِیمانِ مُجْمَل

اِیمانِ مُجمَل میں ایمانیات کو نہایت مختصر مگر جامع طریقے سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ مُجمَل کا معنیٰ ہی "خلاصہ" ہے۔ اس میں اللہ پر ایمان لانے کا ذکر اس طرح ہوا ہے کہ بغیر اعلان کیے جملہ ایمانیات اس میں در آئیں، ایمانِ مُجمَل یہ ہے۔ "اٰمَنْتُ بِااللهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِه وَ صِفَاتِه وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِه، اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ" میں اللہ پر اس کے تمام اسماء و صفات کے ساتھ ایمان لایا، اور میں نے اس کے تمام احکام قبول کیے اور اس کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کی۔

ایمانِ مُفَصَّل

ایمانِ مُفَصَّل میں قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت شدہ ایمانیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ایمانِ مُفَصَّل یہ ہے اٰمَنْتُ بِااللهِ وَمَلَائِكَتِه وَ كُتُبِه وَ رُسُلِه وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِه وَ شَرِّه مِنَ اللهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر کے اللہ کی طرف سے ہونے پر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر۔"

[1] سورۃ البقرۃ:21

کارِ نبوت (حصہ اول)

قرآن: كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۛ (البقرة:151)

ترجمہ: " جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا اور تمہیں کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جو تمہیں معلوم نہیں تھا۔"

خاکہ:-

1) مقصدِ بیان
2) کارِ نبوت ہے کیا؟
3) خلیفۃ الرسول کسے کہتے ہیں؟
4) اللہ کو دیکھنے کا سوال
5) اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی رحمت، نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رحمت
6) ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی دعا
7) نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی لجپالی
8) دعوتِ ذوالعشیرہ
9) امتِ محمدی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شان

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ پاک پیغمبر ﷺ اس سلسلہ کی آخری کڑی اور قصرِ نبوت کو اللہ تعالیٰ نے مکمل کر دیا۔ لیکن ایک سوال جو ہمیشہ سے انسانوں کے ذہن میں رہا ہے کہ نبوت ختم ہو گئی، ہدایت تمام ہوئی، قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کی صورت میں موجود ہے، لیکن اس کے باوجود انسان گمراہ کیوں ہوتے ہیں؟ مثلاً جب یہ ساری چیزیں موجود ہیں تو انکی موجودگی میں انسان گمراہ کیوں ہوتا ہے؟ یہ ایک سوال انسانوں کے ذہنوں میں رہا ہے۔ اس لیے جن لوگوں نے نبوت کے دعوے کیے، ان لوگوں نے بھی یہی issue اٹھایا کہ دیکھو جی اللہ تعالیٰ یہ کیسے کر سکتا ہے کہ انسانوں کو نبوت کے بغیر ہی چھوڑ دے، یہ تو نہیں ہو سکتا۔ آج یہ آیۃ مبارکہ جو میں نے تلاوت کی ہے کہ یہ قرآن کریم میں چار مقامات پہ ہے۔ اس آیت کا آج انتخاب اس لیے کیا گیا ہے کہ نبوت تو ختم ہو گئی ہے لیکن کارِ نبوت جاری ہے۔ نبوت کا جو کام ہے، وہ ختم نہیں ہوا۔

کارِ نبوت ہے کیا؟ آدمی کو انسان بنانا اور انسان کو عبد اللہ بنانا۔ کئی دفعہ کئی بندے یہ سوال بھی کرتے ہیں کہ اگر نبی پاک ﷺ کے پاس اتنا ہی علم تھا تو انہوں نے جہاز کیوں نہیں بنایا؟ موبائل فون کیوں نہیں بنایا؟ بھائی نبی جہاز بنانے نہیں آتے، نبی تو انسان بنانے آتے ہیں، نبوت کا کام ہدایت کا کام ہے۔ یہ تو نبی کے دُور کے غلاموں کا کام ہے۔ اسکی قرآن نے مثال دی ہے نا بھائی کہ نبی کو جہاز بنانے کی ضرورت نہیں، سلیمان علیہ السلام جب ہوا کو حکم دیتے ہیں تو وہ تخت بن جاتی ہے اور وہ چلے جاتے ہیں۔ انکو ضرورت نہیں ان چیزوں کی۔ انہوں نے بات سُنی ہو تو وہ چیونٹی کی بھی سن لیتے ہیں۔ انکو ٹیلی فون کی ضرورت نہیں۔

اور جسکو ہم نبی کا خلیفہ کہتے ہیں نا۔ کیوں کہ آجکل یہ بڑا موضوع چل رہا ہے کہ صحابہ کی گستاخی کا۔ اس پہ میں نے بڑی جگہ پہ بات کی ہے لیکن آپ کے سامنے آج ایک نئی بات رکھ رہا ہوں۔ جِسے ہم خلیفۃ الرسول کہتے ہیں،

رسول کا خلیفہ ہم اُسے کہتے ہیں جو کارِ نبوت کو جاری رکھے۔ نبوت کے کام کو آگے جاری رکھے۔ اس لیے جب سرکار ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلیفۃ اللہ کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں، میں خلیفۃ اللہ نہیں۔ خلیفۃ اللہ نبی ہوتے ہیں اور نبوت ختم ہو گئی ہے۔ مجھے خلیفۃ الرسول کہو۔ بھائی، اب قیامت تک جو بھی کارِ نبوت پہ عمل کریگا وہ خلیفۃ الرسول ہو گا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ختم نہیں ہوئی، اسلیے کارِ نبوت جو ہے وہ جاری ہے۔ آجکل تو پیروں کے خلیفے اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ وہ پیروں کیلئے پیسے اکٹھے کریں، چندہ اکٹھا کریں۔ یہ خلیفہ کا لفظ بڑا پاکیزہ ہے، جو بھی نبی کے کام کو آگے جاری رکھے۔ سرکار ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس وقت یہ بات ارشاد فرمائی کہ اب قیامت تک جو بھی آئے گا وہ خلیفۃ الرسول آئے گا۔

اچھا یہ بڑی اہم بات ہے جو میں عرض کرنے لگا ہوں۔ بہت سے معاملات ایسے ہیں جو انسان کی عقل میں نہیں آتے۔ مثلاً اللہ کی قدرت ہے، اللہ کی ذات ہے، اللہ کی صفات ہیں، اللہ کا علم ہے۔ وہ خالق ہے، وہ مالک ہے۔ نہ اسکی ذات انسان کے ذہن میں آتی ہے، نہ اسکی صفات ذہن میں آتی ہیں۔ یہ کام صرف نبی کرتا ہے۔ اور میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پہ جو نبوت ختم ہوئی، اسکی ایک دلیل یہ بھی ہے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے، اسی حدیث کو سارے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ نے کتنے نبی بھیجے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی بھیجے[1]۔ رسول کتنے بھیجے؟ سرکار نے فرمایا کہ 313 رسول بھیجے۔ کتابیں کتنی آئیں؟ چار کتابیں اور 100 صحائف آئے۔ یہ میرا موضوع نہیں لیکن میں نبی اور رسول میں فرق آپکو

---

[1] سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی ہے جو تفسیر ابن مردویہ میں یوں ہے کہ آپ نے پوچھا: یارسول اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار میں نے پوچھا: ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا: تین سو تیرہ، بہت بڑی جماعت۔ میں نے پھر دریافت کیا: "سب سے پہلے کون سے ہیں؟" فرمایا: "آدم" علیہ السلام میں نے کہا "کیا وہ بھی رسول تھے؟" فرمایا: "ہاں اللہ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، پھر ان میں اپنی روح پھونکی، پھر درست اور ٹھیک ٹھاک کیا" پھر فرمایا: اے ابوذر! چار سریانی ہیں، آدم، شیث، نوح، خنوخ علیہم السلام جن کا مشہور نام ادریس ہے، انہی نے پہلے قلم سے خط لکھا، چار عربی ہیں، ہود، صالح، شعیب علیہم السلام اور تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اے بوذر! بنو اسرائیل کے پہلے نبی موسیٰ علیہ السلام ہیں اور آخری عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ تمام نبیوں میں سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبی ہیں۔ [صحیح ابن حبان: 361: ضعیف جداً]

عرض کردوں۔ نبی انسانوں میں سے ہوتے ہیں۔ یہ بنیادی فرق ہے۔ نبی نہ فرشتوں میں سے ہیں اور نہ ہی جنّوں میں سے۔ نبی کیلئے انسان ہونا ضروری ہے۔ لیکن رسول جو ہیں وہ فرشتوں میں بھی ہیں۔ جبریل جو ہے وہ بھی رسول ہے۔ نبی وہ ہوتا ہے جو اللہ کی وحی کو انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ رسول کیلئے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ صاحبِ شریعت ہوتا ہے۔ اب یہ جو ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش نبی اور رسول آئے۔ ہر امت نے یہ سوال کیا کہ جو اللہ ہمیں دکھائی نہیں دیتا، اسکو مان کیسے لیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ آخر سجدہ کرنا ہے، اپنی پیشانی جھکانی ہے، تو جو مجھے نظر نہیں آتا، جو میرے خیال میں ہی نہیں آتا۔ اسکو میں اپنا الہ کیسے مان لوں؟ ہر امت نے یہ سوال کیا۔ میں صرف قرآن کریم سے ایک مثال دے کر آگے چلتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ[1] جب تک ہم اللہ کو دیکھیں گے نہیں، ہم نہیں اللہ کو مانیں گے۔ فرمایا 70 لوگ، جو بڑے متقی اور اعلیٰ انسان ہیں، وہ آجاؤ۔ اس وقتِ مقررہ پہ 70 آدمی لیے اور اللہ کی بارگاہ میں چلے گئے۔ ٹھیک ہے جی یہ 70 اللہ دیکھ آئیں گے اور آکر باقی قوم کو بتائیں گے کہ ہم اللہ کو دیکھ آئے ہیں۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا[2] ایک ہلکی سی تجلی جو ہے وہ پہاڑ پہ پڑی۔ ظاہر ہے میں مثال تو نہیں دے سکتا لیکن اگر آپکے ہاتھ کو پانی لگا ہو اور آپ ایسے جھٹکے تو وہ پانی کا قطرہ جو نظر بھی نہیں آتا۔ ہلکی سی تجلی۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا، موسیٰ بے ہوش ہو گئے اور وہ جو 70 اللہ دیکھنے آئے تھے وہ مر گئے۔ ویسے قرآن کریم نے بھی عجیب بات لکھی ہے، تجلی ایک ہے، اسکا اثر پہاڑ پہ اور ہے، نبی پہ اور ہے اور امتی پہ اور ہے۔ آج کل یہ بڑے لوگ ملیں گے اور کہیں گے کہ نبی تو ہمارے جیسے تھے۔ قرآن کہتا ہے کہ نہیں، اللہ کی تجلی کو دیکھ کہ نبی بے ہوش ہوا ہے اور امتی مر گیا ہے۔ امتی کبھی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے ہی نہیں اسکی اوقات، لیکن نبی ہوتے انسانوں میں سے ہیں۔ ہاں نبی ہوتے انسانوں میں سے ہیں۔

---

[1] سورۃ البقرۃ:55

[2] سورۃ الاعراف:143

ہمارے پاک پیغمبر ﷺ کیساتھ بھی یہ معاملہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ یہ آسمان سے سیڑھی اترے، فرشتہ اوپر سے کتاب لیکر آئے تو پھر ہم مانیں گے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ ایسے نہیں مانیں گے۔ لیکن یہاں جو بات عرض کرنا چاہتا ہوں، میرے پیغمبر ﷺ سے ذاتی حوالے سے یہ سوال نہیں کیا کہ ہم اللہ کو دیکھ کے مانیں گے۔ باقی نبیوں سے یہ سوال ہوئے لیکن ہمارے نبی یہ سوال نہیں ہوا۔ لیکن جس نے بھی کہا کہ میں نے اللہ کی رحمت کو دیکھنا تو فرمایا کہ میرے نبی کی رحمت کو دیکھ لو۔ اللہ کا فضل دیکھنا ہے تو میرے نبی کا فضل دیکھ لو۔مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ جس نے مجھے دیکھ لیا، اس نے حق کو دیکھ لیا[1]۔ یہاں یہ جرات نہیں پڑی۔

انسانی ضرورت کی جو میں بات کر رہا تھا، ظاہر ہے میرا تعلق ہے اللہ سے عبد کا۔ اب کونسا کام میں نے کس وقت کرنا ہے تو اللہ راضی ہو گا اور کونسا کام کرونگا تو اللہ ناراض ہو گا۔ یہ بات مجھے نہیں پتہ، یہ صرف نبی کو پتہ ہے۔ نماز میں انسان کو اللہ کا قرب ملتا ہے، سجدے میں انسان کو اللہ کا قرب ملتا ہے لیکن اگر یہی نماز زوال کے وقت پڑھی جائے تو اللہ ناراض ہو گا۔ یہ نبی نے بتایا نا کہ نماز جیسا عمل بھی نقصان دیگا اگر وقت میں فرق پڑ جائے۔ روزہ کتنا اچھا عمل ہے لیکن عید والے دن میں نہیں رکھ سکتا۔ عید والے دن اگر رکھونگا تو گناہ گار ہو جاؤنگا۔ نیک اعمال کس وقت قبول ہوتے ہیں اور کتنی مقدار میں قبول ہوتے ہیں، یہ بھی انسانی عقل کا کام نہیں ہے۔ یہ بھی ہمیں نبی نے بتایا ہے۔ آپ نے ایک رکعت میں دو سجدے کرنے ہیں، آپ یہ نہیں کر سکتے کہ اس میں بڑا ثواب ہے تو میں تین کر لیتا ہوں۔ نہیں۔ پہلے یہ جو آیت ہے نا یہ پہلے پارے میں آئی ہے،رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ[2] جب خانہ کعبہ تعمیر کر لیا نا تو ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی، اے ہمارے رب! ایک رسول مبعوث فرما جو تیری آیات تلاوت کرے ان پہ، اور جو انکو علم عطا کرے، اور انکو حکمت عطا کرے، اور انکا تذکیہ کرے۔ نبی پاک ﷺ پتہ کیا فرمایا کرتے تھے، سرکار ﷺ نے اپنا تعارف ایک یہ بھی بیان کیا، فرمایا، میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ میں دعائے خلیل ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام آئے، انہوں نے آ کے اعلان کیا،

---

[1] صحیح بخاری:6996

[2] سورۃ البقرۃ:129

قرآن میں لکھا ہوا ہےوَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ[1] میں مادر زاد اندھوں کو بینا کرتا ہوں، کوڑوں کے کوڑ دور کرتا ہوں اور مردوں کو اللہ کے حکم سے زندہ کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ کہیں آپ وہی تو نہیں جن کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ کہا نہیں، مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ[2] میں تو اس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں، اعلان کرنیوالا ہوں، وہ میرے بعد تشریف لائینگے، انکا نام احمد ہے۔ تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں عیسیٰ کی بشارت ہوں۔ میں ابراہیم کی دعا ہوں، عیسیٰ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں[3]۔ میں کئی دفعہ حیران ہوتا ہوں کہ پیچھے میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نبیوں کا ذکر کیا اور آخر میں اپنی ماں کا ذکر کیا۔

ویسے لجپالی بھی ہو تو ایسی ہو۔ آج یہ میرا موضوع نہیں لیکن تفصیل سے بات کرتا۔ ابراہیم علیہ السلام نے صرف ایک دفعہ میرے نبی کیلئے دعا کی اور میرے آقا رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم، قیامت تک اپنی امت کو کہہ گئے کہ جب بھی درود پڑھو گے تو میرے دادا ابراہیم پہ بھی درود پڑھو گے۔ جب بھی پڑھو گے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ تو ساتھ پڑھنا كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اور یار اس نبی سے آپ نے تعلق ہی نہیں جوڑا۔ ابراہیم نے ایک دعا دی، میرے نبی نے قیامت تک ابراہیم کیلئے دعائیں چھوڑ دیں۔

بات چل نکلی ہے تو میں ایک اور آپکو بات بتاؤں۔ اسکو کہتے ہیں ذوالعشیرہ، یہ لفظ قرآن کریم سے لیا گیا ہے اللہ نے فرمایا وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ[4] اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، یہ جو آپ کے قریبی ہیں، آپ کے رشتہ دار ہیں، انکو اللہ کا پیغام دو، انکو ڈراؤ۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی قریبی رشتہ دار تھے، انکی دعوت کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بلا کے لائے، اَبو لہب کو بھی، باقی جو بھی رشتہ دار تھے، بُلا کے لائے۔ خاندان اکٹھا ہوا تو وہ کھانا کھا کر چلے گئے، کسی نے بات نہ سُنی۔ پھر دعوت کی، اللہ کا حکم تھا نا، پھر وہ کھانا کھا کر چلے گئے۔ پھر حضرت اَبو طالب نے یہ

---

[1] سورۃ آل عمران:49

[2] سورۃ الصف:6

[3] (المستدرک للحاکم، ج:۲، ص:۴۵۳)

[4] سورۃ الشعراء:214

فیصلہ کیا کہ پہلے انکو بات سنائیں گے، پھر کھانا کھلائیں گے۔ بھائی یہ پہلا جو توحید کا جلسہ ہوا تھا۔ اللہ کا پہلا پیغام جو تھا۔ مجھے اور آپکو بھی یہی حکم ہے کہ یہ اللہ کا کام اپنے گھر سے شروع کرنا۔ بھائی مانے یانہ مانے، اولاد مانے یانہ مانے، کام گھر سے شروع کرنا، اسکو دعوتِ ذوالعشیرہ اسی لیے کہتے ہیں۔ ابو لہب لگا شور ڈالنے۔ سرکار ابو طالب غصہ میں آگئے، فرمایااوہ گدھے بیٹھ جا۔ گستاخِ رسول گدھاہوتاہے، یہ پہلا فتویٰ توحید کے جلسے میں دیا گیا تھا۔ اللہ کی توحید کا جو پہلا جلسہ ہوا تھا، اس میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ گستاخ رسول جو ہے وہ انسان نہیں ہوتا۔ سورۃ جمعہ میں بھی میرے اللہ نے یہ فرمایاجب یہودیوں نے گستاخی کی نااللہ کے رسول ﷺ کی تو فرمایامَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىةَ ثُمَّ لَمۡ یَحۡمِلُوۡهَا كَمَثَلِ الۡحِمَارِ یَحۡمِلُ اَسۡفَارًا[1]۔ یہ جو تورات اٹھائے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم عالم ہیں، پوری دنیا کو یہود کہتے تھے کہ ہم سے علم کی بات سیکھو۔ یہ میرااور آپ کا جملہ نہیں ہے، بلکہ اللہ کا ہے، فرمایایہ جو تورات اٹھائے پھرتے ہیں، یہ گدھوں پہ تورات لادھی ہوئی ہے۔ کیوں کہ اگر انکو تورات کا علم ہوتا تو یہ میرے محمد کے گستاخ نہ ہوتے۔ گستاخِ رسول گدھا ہوتاہے، یہ قرآن کا بھی فتویٰ ہے اور توحید کے پہلے جلسے کا بھی فتویٰ ہے۔ اب سرکار ابو طالب نے دوسرا جملہ کہا،کم یا سید، ویسے یہ بڑا مشکل جملہ ہے، حضور کے دادا سرکار عبد المطلب کے بعد ابو طالب سردار ہیں بنو ہاشم کے۔ اب سرداری ابو طالب کے پاس ہے، کعبے کے متولی ہیں اور جس بھتیجے کو اپنے ہاتھوں سے پالا ہے، آٹھ سال کی عمر میں تو داداجان فوت ہوگئے، تو اس مجمع میں سارا خاندان بیٹھا تھا، بھائی کو کہاہے کہ اوہ گدھے بیٹھ جااور جب میرے نبی کی بھاری آئی تو کہاکم یا سید، اے میرے سردار اٹھو ان سے بات کرو،کم یا مولائی،میرے مولا اٹھو۔ میں نے وہ سارا خطبہ دعوتِ ذوالعشیرہ کا پڑھاہے۔ یہ آجکل بھی لوگ پوچھتے ہیں نا کہ کیوں گیارھویں شریف اور عرس کا لنگر پکاتے ہو تو یہ سارا دعوتِ ذوالعشیرہ سے لیا گیاہے کہ پہلے اللہ رسول کی بات بتاؤ اور پھر لوگوں کو لنگر کھلاؤ۔ آپکو پتہ ہونا چاہیے یہ۔ وہ جملہ بھی ذہن میں رہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے میرے نبی کیلیئے ایک دفعہ دعا کی اور میرے نبی نے قیامت تک ان کیلیئے دعاؤں کا سلسلہ جاری کر دیا۔ ابو طالب نے ایک دفعہ میرے نبی کو سید کہا، اس دعوتِ ذوالعشیرہ میں حضرت ابو طالب نے میرے نبی کو سید کہاتو میرے نبی نے ابو طالب کے بیٹے علی کی ساری اولاد کو ہی سید قرار دے

[1] سورۃ الجمعہ:5

دیا۔ میرے پیغمبر ﷺ کسی کا حق رکھتے نہیں۔ ابو طالب نے ایک دفعہ مولائی کہا تو میرے پیغمبر ﷺ نے آخری حج کے موقع پہ بازو پکڑ کے کہامَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ[1]۔ ابو طالب یہ نا کہنا کہ میں نے مولا کہا تھا، میں نے تیرے بیٹے کو قیامت تک مولا بنا دیا۔

ہم نے پہچانا ہی نہیں ہے کہ اللہ نے ہمیں نبی کیسا دیا ہے۔ ایک نسبت مل گئی تو قرآن کی یہ آیت قیامت تک اور بعد تک بھی رہے گی، كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ[2] ۔ بڑے لاڈ دیکھیں ہیں بنی اسرائیل کے، بادل سایہ کرتے تھے، من و سلویٰ اترا کرتا تھا، بچہ پیدا ہوتا تو لباس جسم پہ ہوتا، لیکن خیرِ امت نہیں کہا۔ بڑا اجر دیا عیسیٰ علیہ السلام کی امت کو لیکن خیرِ امت نہیں کہا۔ آخر میں بھیجا ہے، نبی بھی آخر میں آئے اور امت بھی آخر میں، فرمایا مت خیال کرنا کہ ہم آخر میں آئے ہیں، جنت میں اس امت کو پہلے بھیجوں گا۔ بہترین امت ہیں تو آپ ہیں اور اس کی پہلی کڑی یہ بیان کی ہے، کارِ نبوت کا جو پہلا کام ہے، يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ[3] اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرنا۔ آج ٹائم ہو گیا۔ آپ اکثر یہ لفظ استعمال کرتے ہیں، بد بخت۔ اگر کوئی بندہ بد بخت ہے اور وہ خوش بخت ہونا چاہتا ہے تو اسکا بڑا آسان طریقہ ہے۔ تو اسکا بڑا آسان طریقہ ہے کہ وہ ہر روز سونے سے پہلے اس قرآن کی کم از کم دس آیات کی تلاوت کرے، وہ بد بخت نہیں رہیگا۔ اب پتہ نہیں ہم میں سے کتنے لوگ اس نسخے پہ عمل کرنا چاہتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جن گھروں میں قرآن کی تلاوت ہوتی ہے نا تو فرمایا کہ تم آسمان کی طرف دیکھتے ہو تمہیں ستارے نظر آتے ہیں اور جن گھروں میں قرآن کی تلاوت ہوتی ہے تو فرشتے جب زمین کیطرف دیکھتے ہیں تو انکو وہ گھر ستارے نظر آتے ہیں[4]۔ اس لیے صحابہ، یہ جو قرآن کی سات منزلیں ہیں، تو کچھ صحابہ سات دنوں میں مکمل کرتے تھے اور کچھ تین دنوں میں کرتے تھے۔ لیکن

---

[1] سنن ترمذی:3713

[2] سورۃ آل عمران:110

[3] سورۃ آل عمران:164

[4] سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنی نمازوں کا کچھ حصہ گھروں میں بھی ادا کیا کرو، ان کو قبرستان نہ بنادو، جیسا کہ یہودیوں نے اپنے گھروں کو قبرستان بنا دیا تھا، بیشک جس گھر میں قران مجید کی تلاوت کی جاتی ہے وہ اہل آسمان کو ایسے نظر آتا ہے جیسے اہل زمین کو ستارے۔" سلسلہ احادیث صحیحہ ترقیم البانی:3112

بد بختی سے نکلنے کیلئے کم از کم دس آیتوں کا حکم ہے۔ شوق سے، پیار سے، میر االلہ مجھ سے بات کر رہا ہے۔ وَ يُزَكِّيْهِمْ[1]
دوسرا کارِ نبوت ہے، تذکیہ۔ اللہ نے موقع دیا تو اس پہ پھر گفتگو ہو گی۔

اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کارِ نبوت کیسے انجام دیا جارہا ہے

قرآن: يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (سورة الجمعہ: 1)

ترجمہ: " جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو بادشاہ، نہایت پاکی والا، بہت عزت والا، بڑا حکمت والا ہے۔"

خاکہ:-

1) ایک نبی کے بعد دوسرا نبی آجاتا
2) نبی ﷺ کے بعد خلفاء کے ذریعے سے کارِ نبوت
3) تذکیہ کروانے کیلئے کوئی سچا تلاش کرو
4) جھوٹے کا کوئی ایمان نہیں
5) تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمران ہیں
6) قیامت والے دن اپنے اماموں کیساتھ اٹھایا جانا
7) اچھے اور برے دوست کی صحبت کی مثالیں

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

گفتگو ہماری کارِ نبوت پہ چل رہی تھی کہ نبوت کا سلسلہ میرے اور تمہارے آقا و مولا سرکارِ مدینہ ﷺ پہ ختم ہو گیا اور اب اس کے بعد جو نبوت کا کام ہے وہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس میں ایک بات رہ گئی تھی جو ضروری تھی۔ پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جب ایک نبی اس دنیا سے جاتا تھا تو اسکی جگہ دوسرا نبی آجاتا تھا۔ یعنی انسانوں کو اللہ نے کبھی بھی ہدایت کے بغیر نہیں چھوڑا۔ اللہ نے پہلا انسان جو اس دنیا میں بھیجا، اسکو نبی بنا کے بھیجا۔ یہ نہیں ہے کہ اللہ انسان کو بھیج دیتا تو اسکی ہدایت کا انتظام ہی نہ کرتا۔ تو جونہی ایک نبی جاتا تو اسکی موجودگی میں ہی دوسرا نبی آجاتا یا اسکے وصال کے بعد دوسرا نبی آجاتا۔ چونکہ یہ اللہ کے عدل کے خلاف ہے۔ کل کو کوئی قوم یہ نہ کہے کہ ہمارے پاس تو کوئی ہدایت دینے والا آیا ہی نہیں تھا۔ تو ہم اگر بے ہدایت رہے تو ہمارا کیا قصور۔

اب اگلا مسئلہ جو ہے وہ بڑا سمجھنے والا ہے کہ جب نبی پاک ﷺ پہ نبوت ختم ہو گئی تو اب دو صورتیں تھیں، ایک تو وہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ سے فرمایا کہ اگر آپ قیامت تک ظاہری حیات چاہتے ہیں تو ہم آپکو بادشاہ بنا دیتے ہیں، قیامت تک آپ ظاہری بادشاہت بھی کریں اور امت کیساتھ بھی رہیں۔ ایک تو یہ بات ہو سکتی تھی یا پھر یہ تھا کہ جونہی حضور کا وصال ہوا تو قیامت آجاتی۔ تو نبی پاک ﷺ نے اس مسئلے کو یوں حل فرمایا کہ پہلے تو یوں ہوتا تھا کہ ایک نبی جاتا تھا تو دوسرا نبی آجاتا تھا۔ اب میرے اوپر اللہ نے نبوت ختم کر دی ہے۔ اب قیامت تک میرے نبی کے خلفاء جہاں تک پہنچیں گے تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم تک نبی پاک ﷺ کی ہدایت نہیں پہنچی۔ اس ہدایت کا اختتام آگے خلفاء کے ذریعے ہو گا۔ میں آپکو ایک حدیث کے ذریعے سے سمجھاتا ہوں، بہت پیاری لگتی ہے مجھے، عام فہم ہے تاکہ سب کو سمجھ آجائے، عشاء کی نماز کے بعد کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، نبی پاک ﷺ سے درس لے رہے تھے۔ یہ بات شاید پہلے بھی میں نے عرض کی تھی صحابہ کرام کئی دفعہ آدھی رات تک بیٹھے رہتے نبی پاک ﷺ کے پاس، کئی دفعہ سحری تک بیٹھے رہتے، تو صحابہ کی بیویاں گھروں میں سوتی نہیں تھی،

تاکہ ہمارے مرد آئیں اور ہمیں بتائیں کہ نبی پاک ﷺ نے آج ہمیں کیا حکم دیا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے تو کوئی مدرسے نہیں تھے بنائے نا، نہ کوئی حفظ کے، نہ درسِ نظامی کے، نہ کوئی سکول اور کالج۔ دو ہی طریقے تھے، ایک یہ کہ لوگ سیکھتے اور اپنے گھروں میں جاکر بتاتے اور ہمسایوں کو بتاتے اور دوسرا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ دور دراز اور دوسرے شہروں سے جب لوگ آتے تو جیسے آج آپ بیٹھے ہیں تو ویسے نبی پاک ﷺ انکو ایک خطبہ ارشاد فرما دیتے۔ تو یہ ایک طلب تھی ان لوگوں میں، عورتوں کو بھی اور مردوں کو بھی کہ اللہ کے نبی نے ہمیں کیا حکم دیا ہے اور ہم اس حکم پہ عمل کریں۔ تو وہ بیٹھے بیٹھے آدھی رات ہوگئی، تو دو صحابی جو رہ گئے، انہوں نے کافی دور جانا تھا۔ آپ تو یہ قریب قریب سے آجاتے ہیں نا تو مکہ پاک اور مدینہ پاک میں آبادیاں بہت دور دور تھیں۔ مثلاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جو گھر تھا، وہ کوئی تین میل دور تھا مسجد سے۔ آپ کئی دفعہ سواری پہ بیٹھ کے آتے۔ وہ چونکہ قبائلی ماحول تھا، کسی قبیلے نے کسی جگہ ڈیرہ لگایا، کسی نے کسی جگہ۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے انصاری بھائی ساتھ ایک دن کا معاملہ طے کیا ہوا تھا۔ ایک دن وہ محنت مزدوری پہ جاتا تو میں نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر رہتا اور شام کو اس کو بتاتا کہ یہ دین سیکھا ہے۔ اگلے میں جاتا تو وہ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر رہتا۔ یعنی یہ طریقہ بھی تھا۔ تو وہ جب آدھی رات ہوگئی تو اندھیرا بھی بہت تھا تو وہ آپس میں بات کرنے لگ گئے کہ یار کیسے گھر پہنچیں گے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ تم کیوں پریشان ہوتے ہو، یارسول اللہ ﷺ ظاہر ہے راستے میں درندے ہوتے ہیں اور اندھیرا بہت ہے۔ نبی پاک ﷺ نے ایک چھڑی لی، اس پہ اپنا دستِ مبارک پھیرا تو اس نے چمکنا شروع کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جہاں تم نے سفر کرنا ہے تو اس روشنی میں کرتے رہو۔ اب انہوں نے وہ چھڑی لی اور اس روشنی میں سفر کرتے رہے۔ ایک مقام پہ پہنچ کہ دونوں نے علیحدہ علیحدہ ہونا تھا، دونوں نے اپنے اپنے گھروں کو جانا تھا۔ اب وہ کھڑے سوچنے لگے کہ یہ چھڑی کون لیکر جائے گا۔ اب راستے تو علیحدہ علیحدہ ہیں۔ صحابہ تھے نا، ایمان اور عقیدہ اور طرح کا تھا۔ تو ایک نے کہا کہ یہ تو کوئی مسئلہ نہیں، ایک درخت سے ٹہنی توڑی اور اسکے ساتھ مس کی تو اس نے بھی چمکنا شروع کر دیا۔ نبوت ختم ہوگئی ہے لیکن نبوت کی روشنی خلفاء کے ذریعے قیامت تک پہنچتی رہے گی۔ جو بھی اپنے آپ کو نبی پاک ﷺ کے قریب کریگا قیامت تک لوگ اس سے استفادہ حاصل کرتے رہینگے۔

تو نبوت ختم ہو گئی لیکن کارِ نبوت نبی پاک ﷺ کے خلفاء کے ذریعے سے قیامت تک جاری رہیگا۔ اس کے لیے ایک بڑی بات کیونکہ منافقت کے روپ تو بڑے ہوتے ہیں۔ کئی لوگ اپنا مذہب والا لباس پہن کر مذہبی بن جاتے ہیں۔ کوئی لوگ اپنے سر پہ پگڑی پہن کر، جُبہ پہن کر، اللہ ہو کا ذکر شروع کروا کے مذہبی بن جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے ایک بڑی بات کہی، کیونکہ ہم قرآن سیکھ رہے ہیں، کوئی بھی بندہ خود بخود اپنے آپ کو پاک نہیں کر سکتا۔ جو بات اصل میں آپ کو سمجھانی تھی کہ ایک نبی آجاتا تھا اور دوسرا نبی آجاتا تھا کہ لوگ اس سے اپنا تذکیہ کروائیں۔ قرآن کریم نے ایک نشانی بیان کی کہ وہ شخص جس کے پاس تم نے دین سیکھنے جانا ہے، اپنا تذکیہ کروانے جانا ہے، تو بس یہ دیکھ لینا کہ وہ سچا ہو۔ یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ[1] اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کیساتھ ہو جاؤ۔ وہ زبان کا جھوٹا ہو، وہ عمل کا جھوٹا ہو، وہ نبی کا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اس جھوٹ کے بارے ایک بات بتاؤں آپ کو، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جو بندہ رزق کیلئے جھوٹ بولتا ہے اسکا تو اللہ پہ ایمان ہی نہیں ہے۔ جس کے پاس خود ایمان نہیں وہ تجھے کیا دیگا؟ جسکی نظر ہر وقت یہ رہے کہ لوگ مجھے دینگے تو میرا گزارا ہو گا۔ جھوٹ بولتا ہے کہ میرے سے تعویذ لے جاؤ تو یہ ہو جائیگا۔ بلکہ وہ بڑیا جملہ، سرکار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے جذبات میں یہ جملہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ میں آزاد ہو گیا، میں آزاد ہو گیا۔ جیسے جوش میں انسان نعرے لگاتا ہے۔ کہا کہا کہ میں آزاد ہو گیا۔ پوچھا کیا ہوا۔ کہا کہ میں آج پاک پیغمبر ﷺ کے پاس بیٹھا تھا تو قران کی ایک آیت نازل ہوئی، جبریل قرآن لیکر آئے، وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰہِ رِزْقُھَا وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا وَ مُسْتَوْدَعَھَا[2]۔ اس زمین پہ کوئی جاندار ایسا نہیں، چلنے پھرنے والا، رینگنے والا، کوئی جانور، کوئی پرندہ، کوئی ذی روح ایسا نہیں جس کے رزق کا ذمہ اللہ نے نہیں لیا۔ کہا کہ جب میں نے یہ آیت اپنے نبی سے سُنی تو میں آزاد ہو گیا کہ رزق کے معاملے میں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔

---

[1] سورۃ التوبۃ:119

[2] سورۃ ھود:6

یہ جو ہمارے معاشرے سے جھوٹ ختم نہیں نہ ہوتا، جھوٹ کا تعلق ایمان کیساتھ ہے۔ جب نبی پاک ﷺ سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا مومن بزدل ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں مومن بزدل ہو سکتا ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ خوف میں آجاتا ہے، ڈر جاتا ہے۔ کافی گناہ گنوائے اس شخص نے۔ آخر میں اس شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ فرمایا نہیں[1]۔ یہ جُبہ اور دستار سے نہیں دیکھنا کہ کوئی کتنا پارسا ہے۔ میرے پیغمبر ﷺ نے ایک ہی طریقہ بتایا ہے کہ جو جتنا سچا ہے وہ اتنا ہی اللہ کے قریب ہے۔ جھوٹ بولتا ہی وہ ہے جس کا اللہ پہ یقین نہیں، وہ اپنے مفادات کو defend کرنا چاہتا ہے۔ میں بھی اپنا ایمان چیک کروں اور آپ بھی اپنا ایمان چیک کریں۔ تو قرآن کہتا ہے کہ اگر تُو ایمان کے اس درجے میں جانا چاہتا ہے تو پھر تجھے سچوں کی صحبت میں بیٹھنا پڑیگا۔ یہ کام خود بخود نہیں ہونا۔ وہ جو سچے ہیں، انکی صحبت تجھے یہ ایمان عطا کریگی۔ پوچھا گیا یارسولا اللہ ﷺ، فرمایا کے ہاں انسان ہے غلطی ہو جاتی ہے، انسان توبہ کرلیتا ہے، معافی مل جاتی ہے لیکن انسان جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں کبھی ہو سکتا کہ ایمان والا بھی ہو اور جھوٹا بھی ہو۔ تین باتیں سرکار ﷺ نے فرمائیں کہ مومن جس اللہ کو مانتا ہے وہ اللہ سچا ہے، مومن جس رسول کو مانتا ہے وہ رسول سچا ہے اور مومن جس قرآن کو مانتا ہے وہ قرآن سچا ہے۔ اتنے سچوں کو ماننے والا جھوٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس لیے قرآن نے کہا کہ اگر تُونے اپنا تذکیہ کرنا ہے، ایمان اندر داخل کرنا ہے تو پھر تجھے سچوں کے پاس بیٹھنا پڑیگا۔ یہ چیزیں کارِ نبوت کیلئے ضروری ہیں۔

آج لوگ مجھے جب پوچھتے ہیں کہ یہ بُرے حکمران ہمارے اوپر مسلط ہو جاتے ہیں۔ عدل نہیں کرتے، ظلم کرتے ہیں، حرص و ہوس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ بس دو لفظ، کیا جامعیت ہے میرے پاک پیغمبر ﷺ کے الفاظ کی، فرمایا اعمالکم عمالکم[2]، تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمران ہیں۔ مت کہنا کہ ہمارا وزیر اعظم ایسا آگیا، ہمارا AC ایسا

---

[1] صفوان بن سُلیمؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا، کیا مؤمن بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔“ پھر عرض کیا گیا: کیا مؤمن بخیل ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔“ پھر آپ سے عرض کیا گیا، کیا مؤمن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں۔“ مالک، بیہقی نے اسے شعب الایمان میں مرسل روایت کیا ہے۔ سندہ ضعیف، رواہ مالک والبیھقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ:4862

[2] حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: "أعمالكم عمالكم، وكما تكونوا يولى عليكم". یعنی تمہارے حکمراں تمہارے اعمال کا عکس ہیں۔ اگر تمہارے اعمال درست ہوں گے تو تمہارے حکمراں بھی درست ہوں گے، اگر تمہارے اعمال خراب ہوں گے تو تمہارے حکام بھی خراب ہوں گے۔

آ گیا، فلاں جج ایسا آ گیا۔ تمہارے اعمال تمہارے حکمران ہیں۔ کبھی یہ وسوسہ آئے تو اپنے اعمال دیکھ لینا۔ تمہارے اعمال نیک ہونگے تو تمہارے عمال بھی نیک آجائیں گے۔ اس لیے یہ گلے نہیں کرنے۔ میں اپنے گھر میں دیکھوں کہ میرے گھر میں کتنی سچائی ہے؟ کتنی دیانتداری ہے؟ میں اپنے بہن بھائیوں کیساتھ کیا سلوک کرتا ہوں؟ میں رزق کیسے کماتا ہوں؟ میں تو حیران ہوتا ہوں کہ دو لفظوں کے اندر اتنا بڑا جواب دیا۔ اب یہ روشنی قیامت تک خلفاء کے ذریعے سے پھیلے گی۔ پہلے یہ تھا کہ خلفاء حکمران بھی تھے، جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ، حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم، اور امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ۔ اس کے بعد ہمارے عُمّال جو ہیں وہ ہمارے عملوں کیوجہ ہیں۔ کئی دفعہ لوگ پوچھتے ہیں کہ بعد بُرے حکمران کیوں آگئے؟ تو میں ان سے یہ کہاں کرتا ہوں کہ جب عوام الناس لالچ کیلئے حسین کو قتل کرنے نکل جائے تو انکے حکمران کیسے ہو سکتے ہیں۔ جس عوام نے چند ٹکوں کی خاطر نبی کی آل کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، ان لوگوں پہ ظالم حکمران ہی آنے تھے نا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو یاد رکھنا اعمالکم عمالکم۔ اس کے بعد پھر اولیاء کرام نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو آگے بڑھایا۔ لوگ ان کی بارگاہ میں جاتے اور تذکیہ حاصل کرتے۔ اور یہ کارِ نبوت جو ہے وہ آج تک ایسے ہی جاری ہے۔

یہ جو کارِ نبوت کیلئے لوگ آنے ہیں، یہ صالحین لوگ آنے ہیں، اللہ کے ولی آنے ہیں۔ انکا مقام نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں۔ اس سلسلہ کی کڑی ملا علی قاری، ناویں صدی کے محدث ہیں، اس حدیث کو اکثر بیان فرمایا کرتے تھے۔ اس سے پہلے یہ آیت میرے ذہن میں آگئی يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ[1] قیامت والے دن تم اپنے اپنے اماموں کیساتھ اٹھائے جاؤ گے۔ جسکو دیکھ کے زندگی گزارتے ہونا، اسی کیساتھ اٹھائے جاؤ گے۔ تم نے اپنی زندگی گزارنے کا امام کس کو بنایا ہے اور اس میں جو حدیث ہے صحیحین کی کہ جب صحابی نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب آئیگی[2]۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تونے قیامت کی کیا تیاری کر رکھی ہے؟ یہ ہمارے لیے

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل:71

[2] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "تم نے اس کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟" اس نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ آپ نے فرمایا: "تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے تم کو محبت ہے۔" صحیح مسلم:6710

تنبیہ بھی ہے کہ کبھی یہ نہ ذہن میں آئے کہ ہم نے عبادت بڑی کی ہے، ہم نے سخاوت بڑی کی ہے۔ یہ حضور صحابی سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا تیاری کی ہے قیامت کی۔ اب صحابہ کی تربیت ہی ایسی ہوئی تھی، یہ نہیں کہا یارسول اللہ ﷺ میں تو تہجد پڑھتا ہوں، بڑا سخی ہوں، جہاد کرتا ہوں، میں نے تو نیکیاں ہی بڑی کما لیں۔ سرکار نے جب پوچھا کہ کیا تیاری کی ہے تو آنکھوں میں آنسو آگئے، ہاتھ جوڑھ کے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کوئی تیاری نہیں۔ سرکار میں تو کچھ بھی نہیں کرسکا اللہ کیلیئے۔ ہاں ایک کام ہے جس پہ مجھے فخر ہے۔ سرکار نے پوچھا کہ وہ کیا ہے۔ کہنے لگے کہ سرکار مجھے اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے محبت ہے۔ بس یہ ایک عمل ہے میرے پاس کہ میرے دل میں اللہ کی محبت ہے اور اسکے رسول کی محبت ہے۔ سرکار نے پھر یہ جملہ ارشاد فرمایا الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ کہ دنیا میں جس سے محبت کریگا، قیامت والے دن اسی کیساتھ اٹھایا جائے گا۔

یہ کارِ نبوت میں جس جس کیساتھ جو ہوگا اسی کیساتھ اٹھایا جائیگا۔ یہ اتنی تمہید باندھ کے میں اس لیے اس مقام پہ لیکر آیا ہوں۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ دو دوست ہیں، ایک بڑا مالدار ہے، بڑی سخاوت کرتا ہے، غریبوں اور مسکینوں کا بڑا خیال رکھتا ہے؛ دوسرا اسکا دوست ہے جو غریب ہے، اسکے پاس پیسے نہیں ہیں، مالی لحاظ سے کمزور ہے، لیکن ایک دن بیٹھا رو پڑا کہ مالک اگر میرے پاس بھی اپنے بھائی جیسی دولت ہوتی تو میں بھی سخاوت کرتا، ایسے ہی تیرے حکموں پہ عمل کرتا۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ وہ غریب جسکے پاس کچھ نہ تھا، وہ ارادہ کرکے اپنے امیر بھائی کے برابر ہو گیا۔ صرف اتنی نیت کرکے اسکے برابر چلا گیا۔ اس نے خرچ کچھ نہیں کیا، لیکن وہ تڑپ اور طلب جو تھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی، بس ارادہ سے اس مقام تک پہنچ گیا۔ اور اسی طرح دو دوست ہیں، ایک شراب پیتا ہے، بدکاری کرتا ہے، باہر نکلتا ہے تو لوگ اسکو چودھری صاحب بھی کہتے ہیں اور اسکی عزت کرتے ہیں؛ دوسرا دوست یہ نیت کرتا ہے کہ کاش اگر میرے پاس بھی دولت ہوتی تو میں بھی اسیطرح عیاشی کرتا، شراب اور گانے بجانے پہ خرچ کرتا۔ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ اس نے برائی پہ خرچ تو نہیں کیا لیکن اس نیت اور ارادہ سے وہ اس برا

کے برابر ہو گیا[1]۔ جب قارون نکلا تھا زرق برق ہو کر تو لوگوں نے کہا تھا کہ کاش ہم بھی قارون بن جائیں، ہمارے پاس بھی اتنی دولت آجائے۔ تو اللہ نے غصہ سے اظہار کیا کہ کیا تم قارون بننا چاہتے ہو؟ تو جب اسکا خزانہ اس کے سر پہ رکھا گیا اور زمین میں دھنسنے لگا تو وہی جو کہتے تھے کہ کاش ہم بھی قارون ہوتے، تو سارے سجدے میں گر پڑے کہ یا اللہ بچالے۔ آجکل بھی لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ ہم بھی بدمعاش بن جائیں، دیکھیں فلاں کی کتنی عزت ہے۔ اور اگر تم کسی سچے اور نیک کے پاس بیٹھو گے تو وہ نیک عمل نہ بھی کر سکو گے تو وہ نیت تمہیں اسکے برابر کر دیگی۔ اور اگر تم نے بروں کی صحبت اختیار کی تو وہ برائی نہ بھی کرو گے لیکن نیت سے ان بروں کے برابر ہو جاؤ گے۔ اس لیے اس کارِ نبوت کے لیے آپکو سچوں کے پاس بیٹھنا پڑیگا، اگر آپ نے اس کارِ نبوت پہ عمل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[1] ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کی مثال چار لوگوں جیسی ہے: ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال اور علم عطا کیا، تو وہ اپنے علم کے مطابق اپنے مال میں تصرف کرتا ہے، اور اس کو حق کے راستے میں خرچ کرتا ہے، ایک وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا اور مال نہ دیا، تو وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس اس شخص کی طرح مال ہوتا تو میں بھی ایسے ہی کرتا جیسے یہ کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو یہ دونوں اجر میں برابر ہیں، اور ایک شخص ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا لیکن علم نہیں، دیا وہ اپنے مال میں غلط روش اختیار کرتا ہے، ناحق خرچ کرتا ہے، اور ایک شخص ایسا ہے جس کو اللہ نے نہ علم دیا اور نہ مال، تو وہ کہتا ہے: کاش میرے پاس اس آدمی کے جیسا مال ہوتا تو میں اس (تیسرے) شخص کی طرح کرتا یعنی ناحق خرچ کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ سنن ابن ماجہ: 4228

کارِ نبوت کون انجام دے رہا ہے؟

قرآن: يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (سورۃ الجمعہ: 1)

ترجمہ: " جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جو بادشاہ، نہایت پاکی والا، بہت عزت والا، بڑا حکمت والا ہے۔"

خاکہ:-

1) خلیفہ اور سلف میں فرق
2) رستہ نشانِ منزل ہوتا ہے
3) خلیفہ کی ضرورت انسان کو ہے
4) امتی کبھی بھی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا
5) منصور حلاج کا واقعہ
6) امام محمد کی جامع کبیر
7) مجدد پوری امت کا ہوتا ہے
8) اکبر کا دینِ الٰہی
9) مجدد ہر سو سال بعد
10) حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اکبر کو سجدہ

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام

سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

ہماری گفتگو کارِ نبوت پہ چل رہی ہے اور سورۃ جمعہ کی یہ جو پہلی آیت ہے اسکو ہم نے تلاوت کیا ہے۔ یہ بات تو آپ نے کرلی تھی کہ آخری نبی سرکار مدینہ ﷺ ہیں، اب قیامت تک اور کوئی نبی نہیں آنا۔ اب سرکار نے جب ختمِ نبوت کا اعلان فرمادیا کہ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ، فرمایا کہ اب نبوت کا سلسلہ تو ختم ہو گیا لیکن اب قیامت تک میرے خلفاء آئینگے۔ اس کارِ نبوت کو چلانے کیلئے اب قیامت تک نبی پاک ﷺ کے خلفاء آئینگے۔ یہ خلیفہ جو ہے یہ عربی زبان کا لفظ ہے، اسکا معنی ہوتا ہے پیچھے آنے والا۔ اسکا متضاد لفظ ہے، "سلف" جسکا جمع ہے اسلاف، جو آگے گزر گئے۔ جب قرآن کریم نے آدم علیہ السلام کی بات کی تو اللہ کے خلیفہ کی بات کی، وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً[1]۔ یہ بڑی عجیب بات تھی، کیونکہ لوگوں کے ذہن میں بھی یہی تھا، عربوں کے ذہن میں بھی یہی تھا اور لفظ کا معنٰی بھی یہی تھا کہ خلیفہ وہ ہوتا ہے کہ جب اصل موجود نہ ہو تو اسکی جگہ کام کرے۔ یا کوئی دنیا سے وصال کر جائے اور اسکی جگہ بیٹھ جائے۔ اب اللہ تو غیر حاضر بھی نہیں ہوتا اور نہ اللہ کو موت آسکتی ہے۔ اب اللہ فرشتوں سے فرمارہا ہے کہ میں خلیفہ بنا رہا ہوں۔ وہ ایک جمعہ میں نے عرض کیا تھا کہ جن لوگوں نے ڈکشنریوں سے معنٰی دیکھے نا پھر وہ گمراہ ہوئے۔ اب جو معنٰی ڈکشنری سے دیکھے گا وہ کہے گا کہ یہ اللہ نے کیا کہہ دیا، خلیفہ تو ہوتا ہے جب اُصل موجود نہ ہو، تو جب اُصل موجود ہے تو پھر خلیفہ کی کیا ضرورت۔ تو یہاں پہ یہ نقطہ جو ہے یہ پاک پیغمبر ﷺ نے بیان فرمایا۔ (آگے تفصیل آئے گی)۔

ایک بات میں شاید آپکو پہلے کسی موقع پہ بتا چکا ہوں کہ رستہ جو ہوتا ہے یہ نشانِ منزل ہوتا ہے، آپ نے کسی بھی منزل پہ پہنچنا ہے تو رستے کے ذریعے سے پہنچنا ہے۔ مثلاً آپ نے اگر نارووال جانا ہے تو ادھر سڑک پہ سے

---

[1] سورۃ البقرۃ:30

جائیں گے نا، کھیتوں میں سے تو نہیں نہ جائیں گے۔ کوئی بھی منزل ہے، اس کا نشانِ منزل جو ہے وہ رستہ ہوتا ہے۔ لیکن بات بڑی عجیب ہے جو میں کہنے لگا ہوں، رستہ نشانِ منزل ہے، منزل تک رستے نہیں پہنچاتے بلکہ رہبر پہنچاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے ہر قوم کیلئے ایک نبی بھیجا ہے اور اسکے لیے قرآن کریم نے جو مثال دی ہے ناوہ بڑیا مثال ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کا لشکر سمندر کے پاس پہنچا تو سامنے جب پانی آگیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پانی پہ مارا تو پانی پہاڑوں کی طرح دونوں طرف کھڑا ہو گیا، راستہ بن گیا۔ اب وہی راستہ ہے جس پہ موسیٰ علیہ السلام اور انکے پیچھے پیچھے بنی اسرائیل گزرے۔ قرآن کہتا ہے کہ فرعون اور اس کا لشکر بھی اُسی راستے پر سے گزرے۔ راستہ دونوں کا ایک تھا لیکن جن کا رہبر موسیٰ تھا وہی منزل تک پہنچے اور جنکا رہبر فرعون تھا وہ اُسی راستے پہ غرق ہو گئے۔ اس لیے راستہ نشانِ منزل ضرور ہے لیکن منزل رہبر کے بغیر نہیں ملتی۔

یہ کارِ نبوت جس پہ ہماری گفتگو ہو رہی ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ مجھے خلیفۃ الرسول کہو۔ تو یہاں پہ مفسرین کرام نے ایک بڑیا جملہ لکھا ہے کہ اللہ کو خلیفہ کی کیا ضرورت تھی؟ جب اللہ موجود ہے، اللہ کو موت بھی نہیں آتی وہ حیّ القیوم ہے، پھر وہ اپنا خلیفہ کیوں بناتا ہے؟ آج ہمارا یہ موضوع نہیں ہے، آج گفتگو ہم نے کارِ نبوت پہ ہی کرنی ہے۔ تو یہاں ہماری رہنمائی جو ہمارے نبی نے فرمائی، ہمارے رہبر نے فرمائی، وہ یہ تھی کہ خلیفہ کی اللہ کو ضرورت نہیں بلکہ تمہیں ضرورت ہے۔ یہ بات عقیدہ کی ذہن میں رکھنا۔ اللہ نے جو خلیفہ بنایا ہے وہ اپنے لیے نہیں بلکہ تمہارے لیے بنایا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش جو انبیاء کرام آئے ہیں، یہ اللہ کی خلفاء ہیں، یہ تمہاری رہنمائی کیلئے ہیں۔ جب اللہ نے اپنا خلیفہ بنا دیا، اسکا ذکر مختلف پاروں میں ہے، جب اللہ نے اپنا خلیفہ بنالیا تو اسکو کہا کہ سجدہ کرو۔ کیوں مشکل کام تھا، جب اللہ نے کہانا کہ میں خلیفہ بنا رہا ہوں تو فرشتوں نے پتہ کیا کہا تھا۔ فرشتوں نے کہا تھا کہ یا اللہ یہ زمین پہ جا کے خون بہائے گا، فساد کریگا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ[1] یہ جا کر زمین پہ فساد کریگا اور خون بہائے گا وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ[1] اگر تیری تسبیح بیان کرنے کی بات ہے تو وہ ہم کر رہے ہیں، تیری حمد تو ہم کر رہے ہیں، جو تُو حکم دیتا ہے وہ تو پورے ہو رہے

---

[1] سورۃ البقرۃ:30

ہیں، پھر اس فسادی کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت؟ اب جس خلیفہ کے متعلق فرشتوں نے یہ گفتگو کی ہو، تو اب انہی کو کہا جائے کہ اسکو سجدہ کرو تو کام بھائی مشکل ہے، جس کے اتنے عیب بیان کیے ہوں۔ ایک نہ کہا کہ میں تو نہیں سجدہ کرونگا، میں تو صرف تیری عبادت کرونگا۔ یہ چونکہ کارِ نبوت میں خلیفہ کی اہمیت ہے، اسلیے میں یہ ساری باتیں بیان کررہاہوں۔ ہزاروں سال کی عبادت اسکے منہ پہ مار دی گئی کہ جو میرے خلیفہ کے ذریعے مجھ تک نہیں آتا، میں اسکی عبادت بھی قبول نہیں کرتا۔ اس لیے اسکو مذاق نہیں سمجھنا۔ اور جنہوں نے سرِ تسلیم خم کرلیا انکو اللہ کا قرب مل گیا۔ مقربین ہو گئے۔

یہاں کئی دفعہ لوگوں کے ذہن میں ہوتا ہے کہ خلیفہ جو ہوتا ہے وہ اصل کا قائم مقام ہوتا ہے۔ جو ڈکشنری میں معنٰی لکھا ہے وہ یہی ہے کہ جب اصل موجود نہ ہو تو اسکی جگہ کام کریگا۔ لیکن نہیں، شریعت کہتی کہ ایسا نہیں ہوتا۔ خلیفہ کا مقام بہت ہوتا ہے لیکن خلیفہ کبھی بھی اصل کے برابر نہیں ہوتا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۃ الرسول ہیں، قیامت تک جو بھی مدینہ شریف جائیگا، وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے یہی سلام کریگا، اسلام علیکہ یاخلیفۃ الرسول اللہ۔ لیکن ابو بکر کبھی بھی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ قرآن نے مثال دی، قرآن کہتا ہے کہ نبی نے خواب دیکھا، قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ[1] بیٹا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى تیری کیا مرضی ہے، تیری کیا رائے ہے۔ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ باپ کہہ رہا ہے کہ میں نے خواب دیکھا اور بیٹا کہہ رہا ہے کہ یہ امرِ خداوندی ہے، اسکو پورا کرو۔ نبی نے بیٹے کے گلے پہ چھری چلا دی۔ بیٹا بھی نبی ہے۔ کیا آج کوئی بندہ خواب میں دیکھے کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں تو کیا وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر سکتا؟ نہیں کر سکتا۔ شریعت اسکی اجازت نہیں دیتی۔ امتی کسی بھی مقام پہ پہنچ جائے وہ نبی کے برابر نہیں ہوتا۔ نبی خواب دیکھے تو وہ بیٹے کے گلے پہ چھری چلا سکتا ہے لیکن امتی کو یہ اختیار نہیں۔ امتی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا، کسی درجے پہ بھی، کسی مقام پہ بھی پہنچ جائے۔ اس لیے میں نے کہا تھا کہ جن لوگوں نے ڈکشنریوں سے قرآن کے معنی دیکھے انہوں نے کہا کہ نبی ہماری طرح ہیں۔ قرآن کریم نے ایک اور مثال دی، قرآن کریم نے کہا کہ جب تم حج کیلئے جاتے ہو، کعبہ کا

---

[1] سورۃ الصٰفٰت:102

طواف کرتے ہو، کعبہ کا طواف کرنے کے بعد کیا فرمایاوَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّىؕ[1] جس پتھر پہ ابراہیم علیہ السلام کے قدم لگے ہیں نا، اس جگہ کو نماز کی جگہ بناؤ۔ وہاں دو رکعت نفل ادا کرتے ہیں مقامِ ابراہیم پہ، اس پتھر کے سامنے ہاں ابراہیم علیہ السلام کے قدم لگے۔ قرآن کہتا ہے کہ تم نے کبھی اس مثال پہ غور ہی نہیں کیا کہ یہ پتھر ہے، یہ تعظیم کے قابل کیوں ہو گیا۔ اسلیے کہ اس پہ اللہ کے خلیفے کے قدم لگے۔ 9 ذی الحج کو یومِ عرفہ، آپ نے حج پڑھا میدانِ عرفہ میں، رات کو مزدلفہ آ گئے، وہاں آپ نے کنکریاں اٹھائیں اور صبح 10 ذی الحج کو آپ نے شیطان کو وہ کنکریاں مارنی ہیں۔ وہ بھی ایک پتھر ہے، بہت بڑا پتھر ہے، اب تو جوان ہو گیا ہے شیطان، پہلے تو دو تین فٹ کا تھا، اب کوئی ستر بہتر فٹ کا ہے۔ اب یہ پتھر ہے اس کے سامنے سجدے کرو اور وہ پتھر ہے اس پہ لعنت بھیجو، اسکو کنکریاں مارو۔ کیوں؟ کیونکہ اس پتھر پہ اس کے خلیفے کے قدم لگے ہیں اور اس پتھر پہ اس کا دشمن کھڑا ہوا ہے۔ جہاں ابلیس نے کھڑا ہو کر وسوسہ ڈالا تھا، وہ پتھر قیامت تک لعنت کے قابل ہو گیا اور جس پتھر پہ خلیفہ کے قدم لگے وہ سجدے کے قابل ہو گیا۔ دونوں ہی پتھر ہیں نا، بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس کے نائب کو سمجھیں کہ اسکا نائب ہوتا کیا ہے، اسکا خلیفہ ہوتا کیا ہے۔

ہماری تاریخ کا ایک بڑا واقعہ ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگرد امام محمد، آپ ایک مشہور واقعہ سنتے ہیں منصور حلاج کا، جس نے کہا تھا انا الحق، میں ہی حق ہوں۔ قاضی صاحب نے فتویٰ لکھا کہ اس نے کلمہ کفریہ کہا ہے اور اسکو سزائے موت دے دی گئی۔ اس کو جب سزائے موت دے دی گئی تو دریا میں پھینکا۔ تو جس دریا میں پھینکا، اس دریا میں سے بھی انا الحق کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ اب لوگ قاضی کے خلاف ہو گئے۔ مشہور واقعہ ہے سب نے سنا ہوا ہے۔ امام محمد، انکا میں تھوڑا سا تعارف آپکو کروادوں۔ امام محمد اس وقت chief justice تھے، قاضی القضاء تھے۔ جب لوگوں نے قاضی کے خلاف گفتگو شروع کی، یہاں تک آپکو باتیں لوگ سنائیں گے، لیکن یہ نہیں بتائیں گے کہ پھر منصور کو خاموش کس نے کروایا تھا۔ وہ مرنے کے بعد بھی خاموش نہیں تھا ہو رہا۔ جب لوگوں نے آ کر بتایا نا کہ لوگ تو سارے قاضی کے خلاف ہو گئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس نے غلط سزا سنائی ہے۔ تو پھر دریا کے

[1] سورۃ البقرۃ:125

کنارے امام محمد تشریف لائے اور آپ نے آکر کہا خاموش ہو جا، اگر تیرے اندر اتنی ہی طاقت ہے تو پھر دعا کر کہ محمد ﷺ کی شریعت ختم ہو جائے اور اگر تو میرے پیغمبر ﷺ کی شریعت ختم نہیں کر سکتا تو خاموش ہو جا، اب تیری آواز نہ آئے۔ اور وہ آخری جملے، تاریخ کہتی ہے کہ دریا سے ہاتھ باہر نکلا اور منصور نے کہا، آواز آئی، لبیک یا محمد۔

یہ امام محمد اس پائے کا بندہ ہے، انکی مشہور کتاب ہے جامع کبیر، ایک جامعِ صغیر ہے انکی کتاب۔ جامعِ کبیر انہوں نے لکھ کر اس دور کے عیسائیوں کے بڑے علماء اور پادریوں کو دی اور انہوں نے کہا کہ میری اس کتاب سے غلطیاں نکالو۔ ایک سو عیسائی علماء کو یہ کتاب دی گئی۔ جب ان سب علماء نے اس کتاب کو دیکھا تو پھر انکا ایک جگہ پہ اکٹھ ہوا جہاں انکا بڑا پادری تھا۔ وہاں وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ تم نے کیا غلطی نکالی، تم نے کیا، تم نے کیا۔ تو وہ سارے کہنے لگے کہ ہمیں تو کوئی غلطی نظر نہیں آئی۔ وہ جو انکا بڑا پادری تھا، استاد تھا، وہ کہنے لگا کہ میرا یہ جی چاہتا ہے کہ یہ بندہ نبوت کا اعلان کرے۔ جس نے یہ کتاب لکھی ہے نا اس کو اعلان کرنا چاہیے کہ میں نبی ہوں۔ دوسرے عیسائی پادری کہنے لگے کہ تیرے دل میں یہ خیال کیوں آیا۔ وہ کہنے لگا کہ نبی کیلئے معجزہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بھائی جب کوئی نبوت کا دعویٰ کرے نا تو لوگ معجزہ مانگتے ہیں۔ اگر کوئی اس سے نبوت کا معجزہ مانگے تو یہ جامع کبیر پیش کر دے تو کوئی اسکا انکار نہیں کر سکتا۔ یہ بات کر کے اس نے پتہ ہے کیا کہا؟ آج تو دور ہی عجیب آگیا ہے، اگر کوئی سوال کر دے تو لوگ لڑنے لگ جاتے ہیں، اس وقت علم سے جواب دیا جاتا تھا، لوگ لڑتے نہیں تھے۔ اختلاف کرتے تھے لوگ، علم سے جواب دیا جاتا تھا۔ اس نے کہا کہ بھائی دیکھو تم میرے ماتحت رہے ہو، میں تو امام محمد کے پاس جا کر کلمہ پڑھ کے مسلمان ہونے لگا ہوں۔ انکے جنازے پہ بھی ہزاروں لوگ مسلمان ہوئے تھے، انکے جنازے پہ کثیر تعداد میں غیر مسلم کندھا دینے آئے تھے۔ یہ انکی علمی ثقاہت تھی۔ تو دوسرے پادری کہنے لگے کہ تُو ہمارا استاد ہے، تُو کہہ رہا ہے کہ میں جا کر مسلمان ہو رہا ہوں۔ تاریخ نے بڑا پیا جملہ لکھا ہے اس پادری کا، اس پادری نے کہا کہ اس نے جو کتاب لکھی ہے، ہمارا کوئی عالم اس میں سے غلطی نہیں نکال سکا، اگر چھوٹا محمد ایسا ہے تو بڑا محمد کیسا ہو گا۔ جو شخص علم کے اس مقام پہ پہنچ کے بھی یہ کہتا ہے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں، یہ جو کچھ میرے پاس ہے

یہ میرے نبی کی عطا ہے۔ اگر چھوٹا محمد اس علم والا ہے تو بڑا محمد کس علم والا ہو گا۔ تو وہ سارے 100 پادری اس کتب پہ مسلمان ہوئے۔ یہ ہماری علمی روایت رہی ہے۔ پاک پیغمبر ﷺ نے علم کے ذریعے سے، اخلاق کے ذریعے سے، تقویٰ کے ذریعے سے اس دین کو پھیلایا۔ کافر نہیں مارے، لوگوں کے دلوں کے کُفر مارے ہیں، کافر وہی مارا ہے جو تلوار لیکر اس دین کے خلاف کھڑا ہو گیا۔ جو تلوار لیکر اس دین کو ختم کرنے آجائے نا، پھر اُسے نہیں چھوڑنا۔ باقی کوشش یہی کرنی ہے کہ لوگوں کے دلوں کے کفر مر جائیں۔

تو یہ سچے لوگ میرے پاک پیغمبر ﷺ کے خلفاء، جو بھی کارِ نبوت میں کام کرتا ہے، اس راستے پہ چلتا ہے یاں اللہ جس کو منتخب کرلیتا ہے، اس کیلئے پھر آزمائشیں بہت ہیں۔ یہ برصغیر پاک و ہند میں، میں آپ کے علاقے کی بات کرنے لگا ہوں چونکہ پہلے جو دس مجدد ہیں وہ عربوں میں آئے ہیں۔ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہر صدی کے آخر میں اللہ ایک مجدد بھیجے گا، اس دین میں لوگوں نے جو بھی خرافات ڈالی ہونگی، وہ ان سے دین کو پاک کریگا[1]۔ مجدد کا معنی ہے، تجدید کرنے والا، اس کا جو گرد و غبار ہے وہ دور کرنے والا۔ لیکن دس صدیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ ہمارے اس علاقے سے شروع کر دیا۔ حضرت عبد القدوس گنگوئی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے thesis میں بڑا ذکر کیا ہے انکا، یہ بھی وقت کے مجدد تھے۔ حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ میں باتیں اس لیے کرتا ہوں کہ ہمارے نوجوانوں کو مجدد دین کا بھی پتہ ہونا چاہیے۔ اب مصیبت یہ ہوگئی ہے کہ ہر مسلک نے اپنا مجدد علیحدہ بنالیا ہے، دیوبندیوں کا علیحدہ ہے، بریلویوں کا علیحدہ ہے۔ ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ بنالیا ہے۔ نہیں، امام وہ ہوتا ہے جو ساری امتِ مسلمہ کا ہو۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یہ بات ہو گی تو وہ ساری امت کے امام ہیں۔ حضرت عبد القدوس گنگوئی رحمۃ اللہ علیہ یہ بات ہو گی تو وہ امت کے امام ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ یہ بات ہو گی تو وہ امت کے امام ہیں۔ میں اصل میں کار نبوت کا سارا انتظامی ڈھانچہ آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ یہ جو اللہ تعالیٰ کا نظام ہے اور نبی پاک ﷺ کے ذریعے سے چل رہا ہے اس ڈھانچہ کا علم آپکو ہونا چاہیے۔

---

[1] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ اس امت کے لیے ہر صدی کی ابتداء میں ایک ایسے شخص کو مبعوث فرمائے گا جو اس کے لیے اس کے دین کی تجدید کرے گا“۔ سنن ابو داؤد: 4291

آپکے برصغیر میں دین الٰہی اکبر بادشاہ نے شروع کر دیا۔ وہ پتہ کیا کہتا تھا؟ وہ کہتا تھا کہ جس جانور کو تم مارتے ہو یعنی ذبح کرتے ہو، اسکو تو کھا لیتے ہو اور جسکو اللہ مارتا ہے، جو مر جاتا ہے، اسکو نہیں کھاتے۔ بھائی کیسا logic ہے۔ اس قسم کی باتیں، جسکو اس نے دین الٰہی کا نام دیا۔ اب چونکہ وقت کم ہے، ورنہ میں اور بھی اسکی تفصیل عرض کرتا۔ مصیبت ایک بڑی میں نے تاریخ میں دیکھی ہے کہ جب بھی دین کو قربانی کی ضرورت پڑی ہے، مولویوں نے نہیں دی۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ اکسٹھ ہجری میں واقعہ کربلا ہوا، مولوی یزید کیساتھ تھے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو کوڑے پڑ رہے تھے اور مولوی ابو جعفر منصور کیساتھ تھے، بادشاہ وقت کیساتھ تھے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ پہ تشدد ہوا تو مولوی بادشاہ کیساتھ۔ حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کیا گیا، اتنے کوڑے مارے گئے کہ ہڈیاں نظر آنے لگ گئیں۔ گوالیار جیل کی تاریخ پڑھی نہیں جاتی۔ اتنا تشدد کیا گیا اور فیضی جیسے مولوی اکبر کیساتھ تھے۔ ابو الفضل فیضی، اسکا قد کاٹھ پتہ کیا تھا؟ فیضی نے قرآن کریم کی تفسیر لکھی اور ایک بھی لفظ نقطہ والا نہیں لکھا۔ علمی معیار اسکا یہ تھا اور کہا کرتا تھا کہ بادشاہ کو سجدہ تعظیمی جائز ہے۔ اور حضور مجدد الف ثانی کھڑے ہو گئے کہ نہیں سجدہ صرف میرے اللہ کو۔

یہ دین کی تجدید کرنے، یعنی جو خرافات دین میں لوگ داخل کر دیتے ہیں، یہ اسکو نکالتے ہیں اور دین کو اصلی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ یہ تجدید کا کام ہر سو سالوں بعد ہوتا ہے۔ یعنی قیامت تک حضور کے خلفاء نے بھی آنا ہے اور مجددین نے بھی آنا ہے۔ یہ بات میں نے اس لیے کی ہے کہ مجدد جو ہوتا ہے وہ کسی فرقے کا نہیں ہوتا، وہ امت کا ہوتا ہے۔ وہ دین کی تجدید کرتا ہے۔ اور اگر فرقوں والے کہیں کہ یہ ہمارا مجدد ہے اور یہ ہمارا مجدد ہے تو وہ مجدد نہیں ہوتا۔

حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا مشہور واقعہ ہے۔ یہ سازشیں بھی بڑی عجیب ہوتی ہیں۔ آپ کو گرفتار کیا گیا۔ بادشاہ کے دربار میں آپکو رسیوں میں باندھ کر لایا گیا۔ اب بادشاہ کو تخت پہ بٹھایا گیا اور سامنے ایک کھڑکی بنائی گئی، دروازہ نہیں، کھڑکی چھوٹی سی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کہا گیا کہ اس کھڑکی میں سے گزرو، اب ظاہر ہے کہ دروازہ تو تھا نہیں، کھڑکی میں سے تو جھک کے ہی گزرا جانا تھا۔ انکو یہ تھا کہ جب اندر جائیں گے تو سر جھکا کے جائیں گے تو کہیں

گے کہ انہوں نے بھی تو سجدہ تعظیمی کیا ہے بادشاہ کو۔ یہ اہتمام بھی کیا گیا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب لکھا ہے کہ

حاضِر ہُوا میں شیخِ مجدّد کی لحَد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

اللہ والے بھی پھر اللہ والے ہی ہوتے ہیں۔ دیکھو رسیوں سے باندھا ہوا ہے۔ جیسے سپاہیوں نے کہا کہ اندر داخل ہوں تو فوری طور پہ آپ نے اپنی ٹانگیں اندر کیں۔ آپ نے اچھل کر پہلے اپنی ٹانگیں اندر کیں اور کہا کہ جو سر اللہ کی بارگاہ میں جھکتا ہے وہ اکبر کے سامنے نہیں جھک سکتا۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفے دولت کے سامنے نہیں جھکتے، بادشاہوں کے سامنے نہیں جھکتے۔ یہ عزت اور آبرو کیلئے اپنے دین کا سودا نہیں کرتے۔ اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ ایمان بے غیرت نہیں ہوتا، ایمان بزدل نہیں ہوتا، ایمان جھوٹا نہیں ہوتا۔ یہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے اور سچوں کیساتھ رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سچائی کے درجات

قرآن: وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ-بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ البقرة:154

ترجمہ: "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں انہیں مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں۔"

خاکہ:-

1) اسلام کا برائی ختم کرنے کا طریقہ

2) برائی کا خاتمہ کیسے ممکن ہے؟

3) حرمت والے مہینے اور اُنکا احترام

4) المیہ کو یاد رکھنا انسانی فطرت ہے

5) قیامت والے دن حساب کس بات کا ہو گا؟

6) سچائی کے مراحل

7) کربلا والوں کا مقام

8) معرفت اور ایمان کی منازل

9) عدل اور وفا کی منزلیں

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام

سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

جب جہالت اور بد تہذیبی کا دور تھا۔ جب انسانوں کا مشغلہ ایک دوسرے سے چھین کر کھانا تھا۔ جنگیں ہوتی تھیں۔ جب کسی کو بھوک لگتی، مال و زر کم ہوتا تو دوسرے سے لڑنا شروع ہو جاتے۔ دوسروں کی چراگاہوں پر قبضے کر لیتے۔ تہذیب پروان نہیں چڑھی تھی۔ قبائلی دور تھا۔ جنگیں معیشیت کا حصہ تھی۔ جنگوں کے ذریعے مال چھینا جاتا تھا۔ یہ چیز ایک بڑے روزگار کے طور پر سامنے آئی۔ بچوں کو اور عورتوں کو قیدی بنالیا جاتا تھا۔ اسلام میں جب بھی کوئی جرم کی روک تھام کی جاتی ہے تو پہلے اس سوچ کو ختم کیا جاتا اور برائی کے ذرائع روکے جاتے ہیں۔ اسلیے قرآن کے مطالعہ سے پتہ چلتاہے کہ آپ ﷺ نے آتے ساتھ ہی سب غلاموں کو آزاد نہیں کر دیا بلکہ جنگوں میں غلام بنانے کو روکا پھر انسانوں کو ترغیب دی کے اگر کسی کا روزہ ٹوٹ جائے تو وہ غلام آزاد کرائے۔ آزادی کا سلسلہ بڑھایا گیا اور حجتہ الوداع پر ہر انسان کو آزاد قرار دے دیا۔

زینب کا واقع (نابالغ بچی کا جو قصور میں زیادتی کے بعد قتل ہوا تھا) سامنے آیا تھا تو میں نے اس وقت کہا تھا کہ سزائے موت دینے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس سے ظلم تو رُک نہیں جائے گا۔ جب تک آپ برائی کا ماخذ بند نہیں کرتے ان سزاؤں کا کوئی مقصد نہیں۔ یہ جو ہمارے ذہن میں بات ہوی ہے کہ شاید کوئی ڈنڈا لیکر آیگا اور قانون نافذ کر دیگا۔ ایسا نہیں ہوتا۔ اس گئے گزرے زمانے میں جب لوگوں کو مار کر اُن سے کھانا، مال اور مویشی چھین لیے جاتے تھے۔ وہ دور جس کو ہم دور جہالت اور غیر مہذب کہتے ہیں۔ ادارے کوئی نہیں تھے۔ لیکن یہ چار مہینے حرمت والے تھے (ذیقعدہ، ذوالحج، محرم، رجب)۔ اب محرم میں بھوکا بھی مر جاتا تو کسی سے نوالا نہ چھینتا۔ جنگ کر بھی رہا ہو تو بند کر دیتا۔ یہ احترام وہ کرتے تھے حرمت والے مہینوں کا جو بد تہذیب تھے۔ ہم تو محرم میں بھی انسانی اقدار کا خیال نہیں کرتے اور ہم مہذب قوم ہیں۔ وہ کم از کم اس مہینے میں قتل وغارت نہیں تھے کرتے۔ اس دور میں بھی چار مہینے رکھے تھے کہ انسانی اقدار کو پامال نہیں کیا جایئگا لیکن مسلمانوں نے جو اس دین کی سب سے بڑی حرمت تھی

اسکو ہی پامال کر دیا۔ اسلیے کے ان کے لیے کوئی بھی دن حرمت والا نہیں ہے۔ 61 ہجری میں محرم کا واقع پیش آیا تھا، ہو گیا بس ٹھیک ہے۔

یہ اصول ذہن میں رکھیں کہ ہم شریعت میں دلیل تب مانگتے ہیں تو جب کام فطرت کے خلاف ہو تا ہے تو پھر دلیل مانگی جاتی ہے۔ اگر کام فطرت کے مطابق ہو تو اسکے لیے کوئی دلیل نہیں۔ دلیل غیر فطری کاموں کے لیے ہوتی ہے۔ چونکہ اسلام دین فطرت ہے۔ یہ فطرت کے خلاف کام نہیں کرتا۔ ہم مسلمانوں پر اعتراض نہ کریں۔ یکم مئی میں پوری دنیا میں چھٹی ہوتی ہے۔ مزدوروں پر حملہ ہوا تھا۔ مزدوروں کی عزت پامال اور مزدور قتل ہوئے تھے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ انسان میت کو بھلا نہیں سکتا۔ یہ اصول ہے، انسانی المیہ جہاں پر بھی ہوا ہے فطرت اسکو بھلا نہیں سکتی۔ جلیاں والے باغ میں انگریز نے جو قتل عام کیا تھا، کیا وہ ہم بھول گئے ہیں؟ یہ المیوں کا تعلق کسی مذہب سے نہیں ہوتا بلکہ انسانیت سے ہوتا ہے۔

قیامت والے دن حساب کس بات کا ہو گا؟ حق اور باطل کا ہونا ہے۔ سچ اور جھوٹ کا ہونا ہے۔ یہ ہم نے اب دیکھنا ہے کہ ہم کس کے ساتھ کھڑے ہیں۔ سچائی کے کس درجہ پر کھڑے ہیں۔

سچائی کا پہلا مرحلہ معرفت ہے۔ انسان پہچانے کہ سچ کیا ہے۔ اور علم حاصل کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ سچ اور جھوٹ میں فرق کر سکیں۔ سچائی کی پہچان کرنا معرفت ہے۔ سچائی کا دوسرا درجہ ایمان ہے۔ سچ کی پہچان کے بعد اس پر ایمان لانا لازمی ہے اگر آپ جان گئے ہیں کہ سچائی کیا ہے تو اس پر ایمان نہیں لاتے تو آپ سچ کیساتھ نہیں کھڑے۔ تیسرا مرحلہ عدل ہے۔ آپ کے پاس سچ کہنے کی جرات بھی ہے یا نہیں۔ اور اگر کوئی سچ کو خود کر گزرتا ہے تو اس کو وفا کہتے ہیں۔

کربلا والے ہمیں سچائی کے سب مراحل پر نظر آتے ہیں۔ یہ کمال ہے کربلا والوں کا۔ اللہ کے جھنڈے کے نیچے فرشتے بھی تھے اور ابلیس بھی تھا۔ دونوں اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ دونوں توحید پر قائم تھے لیکن لائن اللہ کے خلیفے نے لگائی کہ کون سچ کیساتھ ہے اور کون نہیں۔ نبی پاک ﷺ کے جھنڈے تلے بھی مومن اور منافق اکٹھے

ہو گئے تھے پھر اللہ کو حکم دینا پڑا کے کہ پاکوں اور خبیثوں کو الگ کر دو۔ یہ میں نے چند اشارے کیے ہیں۔ لیکن قربان جاؤں حسین کے جھنڈے کے تلے کوئی منافق نہیں تھا۔ یہ ایک جھنڈا تھا جس کے نیچے کوئی مشرک یا کافر نہیں تھا۔ اس جھنڈے کے نیچے ایمان والے تھے۔ وفا والے، عدل والے تھے۔

ان چاروں مراحل کو مثالوں کی مدد سے سمجھتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے، اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ-اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ[1] "جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس نبی کو پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں جنہوں نے اپنی جان نقصان میں ڈالی وہ ایمان نہیں لاتے"۔ کبھی دس ہزار بچے بھی ہوں تو انسان اپنے بچے کو پہچان لیتا ہے۔ نبی کو صادق اور امین تو کہتے تھے، اسکا مطلب ہے کہ معرفت کی منزل پر تو تھے لیکن ایمان کی منزل سے محروم تھے۔ اسلیے معرفت کی منزل بیکار چلی گئی۔ کسی دانا کا قول ہے کہ ہنر مند وہ نہیں جو بھیڑ میں گم ہو جائے، بلکہ ہنر مند تو وہ ہے جو لاکھوں میں منفرد نظر آئے۔ معرفت کا مقام تو یہ تھا کہ ہزاروں میں سے امانت میرے نبی ﷺ کے پاس رکھواتے تھے۔ لیکن قرآن کیا کہتا ہے کہ اگر معرفت کے مقام پر ہو لیکن ایمان کے مقام پر نہیں ہو تو وہ سچائی قبول نہیں ہو گی۔ وَ لَىٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ[2] اے پیغمبر ﷺ ان سے پوچھو کہ زمین و آسمان کا خالق کون ہے؟ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ پیدا کرنیوالا ہے۔ معرفت کے مقام پر تو ہیں لیکن ایمان کے مقام پر نہیں۔ اب اگلا درجہ ہے کہ کچھ لوگ آئے؛ کلمہ پڑھ لیا؛ مسلمان ہو گئے۔ میرے نبی ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے، عبد اللہ بن ابی کھڑا ہوا؛ کہنے لگا لوگو! رسول، اللہ کے سچے رسول ہیں۔ انکا حکم مانو؛ انکے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو۔ ہم مقدر والے ہیں کہ اللہ نے ہمیں اپنا رسول عطا کیا۔ یہ باتیں سچ ہیں لیکن اللہ فرماتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اللہ فرمارہا ہے، اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ-وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗؕ-وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ[3] " جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بے شک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہو اور اللہ

---

[1] سورۃ الانعام:20

[2] سورۃ الزخرف:9

[3] سورۃ المنفقون:1

گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں "۔ کہیں ایمان کے اس درجہ پر نہ پہنچ جانا کہ سچ بھی کہو تو اللہ کہے کہ جھوٹ بولتے ہو۔ ساری زندگی سمجھتے ہیں کہ ایمان والے ہیں۔ یہ دردناک موقع ہے۔ میں کہوں اللہ اکبر! اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت۔ باقی سب حقیقتیں اس کیوجہ سے ہیں۔ اللہ اکبر میں کہوں قیام سے پہلے، رکوع جاتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے لیکن سجدہ کرنے کے بعد بھی اگر تکبر ختم نہیں ہوا تو اللہ کہتا ہے کہ اس نے سجدہ جھوٹا کیا ہے۔ یہ ایمان والا نہیں۔

امام عالی مقام نے جب ساری قربانیاں اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کر دی تو مناجات کرتے ہیں اللہ سے۔

تیرے پاس خالی ہاتھ آتا ہے حسین
کوئی ہدیہ تیرے لائق نہیں پاتا ہے حسین

میں نہیں کہہ سکتا کہ قربان کیا۔ یہ ایک چھوٹا سا عکس ہے۔ اب اگر کوئی اللہ پر ایمان لے آتا ہے اور ایمان کا سہی درجہ حاصل کر لیتا ہے لیکن سچ کہتے ہوئے دشواری ہوتی ہے۔ لوگ ناراض ہو جائیں گے۔ پھر تو خاندان بھی چھوٹ جاتا ہے۔ اگر اس موقع پر کوئی سچ کہتا ہو تو اللہ کہتا ہے کہ یہ عادل ہے۔ عدل کی منزل پر پہنچ گیا۔ ارشاد ہوتا ہے اِعْدِلُوْا ۔هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى[1] عدل کرو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ جو عدل نہ کرے وہ ظالم ہے۔ چوتھی اور آخری منزل ہے وفا کی۔ اس سچ کو اپنی ذات پر کر گزرنا۔ کئی دفعہ یہ منزلیں بڑی جلدی تہہ ہو جاتی ہیں۔ امام بخاری نے لکھا کہ اس وقت لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم اس باغی کو ختم کرنے جا رہے ہیں۔ جب سرکار امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے، ابن سعد نے کہا جلدی کرو حسین کا سر تن سے جدا کر دو اور اپنی فتح کا اعلان کر دو۔ ایک شخص جسکو پتہ نہیں تھا کہ یہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اسکو یہ کہہ کر لایا گیا تھا کہ باغی کے خلاف جنگ کرنی ہے۔ جونہی وہ شخص آگے بڑھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو میرا قاتل نہیں ہے۔ میرے خونِ ناحق سے جہنمی ہو جایئگا۔ حسین یہاں لوگوں کو جہنمی بنانے نہیں آیا۔ تو کیوں جہنم خریدنا چاہتا ہے۔ وہ شخص پلٹ کر پوچھتا ہے کہ یہ کون ہے جو اس حال میں بھی میرا خیر خواہ ہے۔ جواب مِلا یہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، علی رضی اللہ عنہ کا لختِ جگر ہے۔ اس

---

[1] سورۃ المائدہ:8

نے کہا کہ مجھے تو کہا گیا تھا کہ یہ باغی ہے۔ ابن سعد نے پوچھا، ہاں سر قلم کر دیا اس نے کہا کہ نہیں اب میں تیرا سر قلم کرونگا۔ اس نے حملہ کر دیا لیکن اسکو شہید کر دیا گیا۔ یہ چاروں منزلیں چند لمحوں میں طے ہو گئیں۔ ابنِ رسول ﷺ گواہ رہنا میں نے سچ کی گواہی دی۔

دو باتیں ہم نے سیکھیں کہ دورِ جہالت کے لوگ بھی کچھ ایام میں انسانی اقدار کا خیال رکھتے تھے اور ہم کسی دن کا احترام نہیں کرتے۔ دوسری بات یہ سیکھی کہ سچائی کی منزلیں ہیں؛ اب ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم کس مقام پر ہیں اور اس میں ارتقاء ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اللہ کی محبت سے پہلے اس کے دشمنوں پر لعنت بھیجنا ضروری ہے

قرآن: اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا
(سورة الأحزاب: 57)

ترجمہ: "بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے اُن کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

خاکہ:-

1) قرآن حکیم کا آغاز تعوذ سے۔
2) نبی ﷺ پر درود کی رحمتیں اور اذیت دینے پر عذاب۔
3) حسن و حسین سے محبت اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے محبت۔
4) نبی ﷺ نے جسمانی تکالیف پر بددعا نہیں دی۔
5) نبی ﷺ کے مشن کو روکنے والے کیلیے بددعا۔
6) امام حسین رضی اللہ عنہ کا ظلم کے حالات میں احکامات۔
7) محرم الحرام اور آج کا مسلمان۔
8) دین کے خلاف سازش۔
9) اللہ کے مشن کے خلاف جا کر بخشش کی امید۔
10) اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے مشن سے وفا۔

الله کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

انسان اگر الله رب العزت کے کلام سے استفادہ کرنا چاہتا ہے۔ قرآن کریم سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اسکے لیے پہلی بات تو یہ ہے وہ اعوذ بالله سے آغاز کرے۔ الله کے دشمنوں سے لاتعلقی کا اظہار کرے۔ اسکا عقیدہ واضح ہو کہ میں اپنے الله کیساتھ مخلص ہوں؛ اسکے دشمنوں کیساتھ میرا کوئی تعلق نہیں۔ رجیم مردود کو کہتے ہیں۔ رد کیے ہوئے کو کہتے ہیں۔اعوذ بالله من الشیطن الرجیم ہ جب تک آپ الله کے دشمنوں سے علیحدگی نہیں کرتے تب تک آپ کو الله کے کلام سے رحمت نہیں مل سکتی، برکت نہیں مل سکتی۔ تو یہ لائن کھینچنی ضروری ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ-یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا[1]ہ الله اور اسکے فرشتے تعریف بیان کرتے ہیں، ستائش کرتے ہیں۔ تو اے ایمان والو! تم بھی میرے نبی ﷺ پر صلوۃ بھیجا کرو، درود بھیجو، انکی ثناء کرو۔ اسکے فوراً بعد یہ آیت ہے، اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَهٗ ہ بیشک وہ لوگ جنہوں نے اذیت دی الله اور اسکے رسول کو لَعَنَهُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا[2]۔ تو الله کی لعنت ہے ایسے لوگوں پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور انکے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ رحمت کون کرتا ہے؟ رحمت الله کرتا ہے، اپنے نبی پر بھی رحمت الله ہی کرتا ہے۔ لیکن یہ کیا محبت ہے اور پیار ہے کہ جب آپ درود پڑھتے ہیں تو یہ رحمت بھی کس نے کی؟ رحمتیں ساری الله کی ہیں لیکن جب آپ اس کے محبوب کی تعریف کرتے ہیں تو رحمتیں تو الله ہی کر رہا ہے لیکن کہہ رہا ہے کہ نہیں یہ رحمتیں تو میرے بند کر رہے ہیں۔ اس رحمت میں ایمان والوں کو بھی شامل کر لیا۔ جہاں یہ محبت کا مقام دیا کہ تم کو اپنی رحمت میں شامل کر لیا لیکن دوسری طرف یہ بھی کہہ دیا کہ جس نے میرے نبی کو اذیت دی اسکے لیے لعنت ہے۔ جہاں ایمان والوں کے لیے رحمتیں ہیں وہاں نبی کے دشمنوں کے لیے پھٹکار ہے۔ جس طرح

---

[1] سورۃ احزاب:56

[2] سورۃ احزاب:57

قرآن کے آغاز میں تعوذ (اعوذ باللہ) پڑھنا لازمی ہے اسی طرح اگر نبی پاک ﷺ سے تعلق جوڑنا چاہتے ہو تو نبی ﷺ کے دشمنوں پر لعنت ڈالنا ضروری ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تو نبی ﷺ کے دشمنوں سے بھی سے دوستی رکھے اور نبی پاک ﷺ سے محبت کا دعویدار بھی ہو۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے سامنے میرے پیغمبر ﷺ نے اپنے نواسوں کیلیے بیان فرمایا تھا کہ جو میرے ان بیٹوں (حسن و حسین) سے محبت کرتا ہے وہ میرے ساتھ محبت کرتا ہے۔ تو جو پیغمبر ﷺ ساتھ محبت کرتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتا ہے [1]۔ وہی جنت میں جانیوالا ہے۔ جتنے بھی ہم نیک اعمال کرتے ہیں اسکا حاصل تو یہی ہے نا کہ جنت مل جائے۔ جب کوئی مر جائے تو اسکے لیے دعا کرتے ہیں اللہ اسکو جنت میں جگہ دے، اسکی مغفرت کیلیے دعا کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ جس نے میرے ان بچوں کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی [2]۔ تو جس نے نبی کو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی، وہ جہنم میں چلا گیا۔ اب یہاں بھی عجیب بات ہے کہ نبی ﷺ کو جو دکھ دیتا ہے وہ اصل میں اللہ کو دکھ دیتا ہے [3]۔ جو نبی ﷺ کی توہین کرتا ہے وہ اصل میں اللہ کی توہین کرتا ہے۔

ایک اذیت ہمارے نبی ﷺ کو جسمانی دی گئی: کسی نے رستے میں کانٹے بچھائے، کسی نے پتھر مارے، کسی نے آوازیں کسیں۔ لیکن بڑی عجیب بات ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بددعا نہیں دی جنھوں نے بھی ظاہری تکالیف پہنچائیں۔ طائف میں جب آپ ﷺ کا جسم مبارک لہولہان ہو گیا، خون بہہ بہہ کر آپ ﷺ کے جوتے مبارک میں پاؤں دھنس گئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، کبھی ادھر ہو کہ پتھر روکتے کبھی ادھر ہو کہ پتھر روکتے۔ آسمان کے فرشتے بھی رو پڑے۔ جبریل امین آکر کہنے لگے کہ یارسول اللہ ﷺ، اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ دونوں پہاڑ

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہ ہو گا جب تک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کے دل میں میری محبت نہ ہو جائے۔ صحیح بخاری:15

[2] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے حسن و حسین سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی“ سنن ابن ماجہ:143

[3] "بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے اُن کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔ سورۃ احزاب:57

ملا کر انکو تباہ وبرباد کر دوں۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ نہیں یہ مجھے نہیں پہچانتے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، ہو سکتا ہے کہ انکی آنیوالی نسلیں میرا کلمہ پڑھ لیں۔ اللہ کی بارگاہ میں بھی عرض کی کہ مولا انکو معاف کر دے۔ اس حالت میں بھی میرے پیغمبر ﷺ نے بد دعا نہیں دی۔

دوسری تکلیف مشن میں رکاوٹ کی تکلیف تھی اور مشن کیا تھا کہ اللہ کا نظام غالب آئے۔ اب اگر اس مشن میں رکاوٹ پر میرے نبی ﷺ نے بد دعا دی ہے۔ حالانکہ نبی پاک ﷺ بد دعا نہیں دیتے تھے اور جنہوں نے میرے نبی کو جسمانی تکلیف دی اور جن کے لیے بد دعا نہیں کی؛ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی معاف نہیں کیا۔ ابو لہب کی زبان سے نکلا تھا کہ اے محمد، تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں تو نے ہمیں اس لیے بلایا۔ اسی وقت فرمایا ابو لہب، تیرے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ یہ نہیں ہے کہ اگر پیغمبر ﷺ بد دعا نہیں دیتے تو اللہ معاف کر دیتا۔ جس نے نبی پاک ﷺ کو تکلیف پہنچائی تو اللہ فرماتا ہے کہ دنیا میں بھی ان پر لعنت ہے اور قیامت والے دن بھی لعنت ہے وہ لوگ جن کے لیے آپ ﷺ نے بد دعا فرمائی: ابو جہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف یا ابی بن خلف ہیں [1]۔ انہوں نے نماز کی حالت میں اونٹ کی اوجھڑی لا کر پیغمبر ﷺ کی پشت پر رکھ دی۔ اب نماز کیا ہے؟ نماز اللہ کا مشن ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کو کعبہ سے بڑی محبت تھی۔ اللہ کا گھر ہونے کے ساتھ ساتھ باپ کی جائے ولادت تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے قریباً 25 حج کیے۔ لیکن جب دین نے وفا کا مطالبہ کیا تو اکسٹھ ہجری میں آپ کوفہ کیلیے آٹھ ذی الحج کو ہی روانہ ہو گئے اور حج نہ کیا۔ آخری دفعہ ساٹھ ہجری میں جب حج کے لیے گئے تو وہاں کثیر علماء کو اکٹھا کیا اور انہیں خطبہ دیا۔ اس خطبہ کا ایک حصہ یہ تھا کہ علماء کا اس ظلم کے حالات میں کیا کردار ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں نے حق بات کہنا چھوڑ دی ہے؛ جھوٹے کو جھوٹا نہیں کہتے۔ بدیانت کو بددیانت نہیں کہتے؛ حرامی کو حرامی نہیں کہتے۔ اگر کوئی اللہ سے کیا ہوا وعدہ توڑتا ہے تو تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی اور اگر کوئی تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ توڑے تو

---

[1] عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف منہ کر کے کفار قریش کے چند لوگوں شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ اور ابو جہل بن ہشام کے حق میں بد دعا کی تھی۔ میں اس کے لیے اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے (بدر کے میدان میں) ان کی لاشیں پڑی ہوئی پائیں۔ سورج نے ان کی لاشوں کو بدبودار کر دیا تھا۔ اس دن بڑی گرمی تھی۔ صحیح بخاری: 3960

تمہیں بڑا غصہ آتا ہے۔ یہ تم نے مانا ہے اللہ کو؛ یعنی اللہ کی کوئی توہین کرے تو کوئی پریشانی نہیں ہے اور اگر کوئی تمہاری توہین کرے تو تمہیں غصہ آجاتا ہے۔ اگر کوئی اللہ ورسول ﷺ کی مخالفت کرے تو کوئی نہیں، جدھر کوئی لگا ہوا ہے ٹھیک ہے؛ اگر تیرے قبیلے اور خاندان کیساتھ کوئی برائی کرے تو تمہیں بڑا غصہ آتا ہے۔ اگلا جملہ جو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس لیے خاموش رہتے ہو کہ تم بچ جاؤ گے اور ظالم تمہیں تکلیف نہیں پہنچائے گا۔ لوگ مظلوم بچارے مارے مارے پھر رہے ہیں؛ تم ڈرتے ہو کہ اگر ظالم کے خلاف بات کی تو ہمیں نقصان پہنچے گا۔

دس محرم کو لوگ جگہ جگہ سبیل لگا کر پانی پلا رہے ہوتے ہیں لوگوں کو اور امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھو کہ نماز پڑھی ہے؟ نماز تو نہیں پڑھی نہ فجر نہ ظہر۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ تم نبی ﷺ کے مشن کی خلاف ورزی کر کے اللہ کے رسول کا دل دکھا رہے ہو اور جنہوں نے نماز میں مداخلت کی تو ان کے لیے پیغمبر ﷺ نے بددعا کی۔ یہ کون ہے جس نے ہمیں بتا دیا ہے کہ ہم اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کریں اور سبیل لگا کر ہم بڑا نیکی کا کام کر رہے ہیں۔ کھیر کی دیگ بانٹ کے ہم سمجھتے ہیں کہ نیکی کا کام کر رہے ہیں۔ اللہ نے تو یہ دیکھنا کہ جو اللہ کا دشمن تھا اس کیساتھ تم نے لاتعلقی کا اظہار کیا یا نہیں۔ میں کیا اپنے محلے میں جو ظالم ہے اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہوں یا نہیں۔ میری سبیل لگانے سے ظالم کو تو کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ اس لیے ایمان کا آخری درجہ یہ تھا کہ کم از کم ظالم کو دل میں تو برا جانو۔ اب اگر کوئی حق بات کہے تو اس بچارے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

اب وہ وقت آگیا ہے کہ اگر آپ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے حکم کو نافذ کرنے کی بات کریں تو باطل طاقتیں اکٹھی ہو کر آپ کے خلاف کھڑی ہو جاتی ہیں۔ یہ کام ایک دن میں نہیں ہوا؛ یہ تسلسل ہے کہ ہم نے لوگوں کو سبیلوں کے پیچھے لگایا، دیگوں کے پیچھے لگایا، کھانے پینے کے چکر میں اصل دین سے دور کر دیا۔ ہم نے اس چکر میں لوگوں کو رکھا کے تراویح 8 ہیں یا 20۔ شلوار کتنی اوپر کرنی ہے۔ رفع یدین کرنی ہے یا نہیں کرنی۔ یہ کام سازش کے تحت کیا گیا تاکہ ظالم کے خلاف کوئی آواز بلند نہ کرے۔ منبر پر بیٹھنے والے بِکے ہوئے تھے، شیطانی طاقتوں سے مراعات لی تھیں، صحافیوں نے لیں، سیاستدانوں نے لیں، تاکہ جو نبی ﷺ کا مشن ہے اس پر کوئی بات نہ کر سکے۔ اس لیے اللہ نے یہاں بھی دوٹوک کہہ دیا کہ مت سمجھنا کہ درود پڑھنے سے بڑے فائدے ہونگے۔ جب تک ان لوگوں پر لعنت نہیں ڈال دیتے جو اللہ کے رسول کو اذیت دیتے ہیں۔

اگر میرے گھر میں بچیاں بے حیائی کا لباس پہنتی ہیں تو کیا اللہ میرا درود قبول کریگا۔؟؟ میری گیارہویں کے ختم قبول کریگا؟؟ ہماری خوشیوں کے موقع پر بے حیائی کے لباس پہنے جاتے ہیں، شراب کا اہتمام کیا جاتا ہے، ناچ گانا ہوتا ہے۔ ہم ہر موقع پر اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے مشن کی خلاف ورزی کریں اور پھر سمجھیں کہ دو چار دن تبلیغی جماعت کے ساتھ جا کر ہم بخشے جائینگے۔ دس دن امام حسین رضی اللہ عنہ کی مجلس کر کے ہمیں بخش دیا جایئگا۔ ہم نے لوگوں کو ایسا فرقوں میں تقسیم کر دیا کہ نبی ﷺ کے مشن کو بھلا دیا۔ جو اصل مشن تھا کہ ظالم کے خلاف کھڑے ہونا ہے اور حق کا ساتھ دینا ہے۔ 10 ہزار لوگ بھی تبلیغ پر نکل جائیں تو قبضہ گروپ کو کیا فرق پڑنا ہے؟ سود خور کو کیا فرق پڑنا ہے ؟ رشوت لینے والے نے باز آجانا ہے ؟ حکم تو یہ تھا کہ اگر تو ہاتھ سے برائی کو نہیں روک سکتا تو زبان سے روک اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو دل سے ہی برا جان لے۔ لیکن ہم نے تو ظالموں سے محبت کی ہے، ان سے تعلقات بنائے ہیں۔ میں اگر اپنے ارد گرد ظلم کی نشاندہی نہیں کرتا اور اسکے خلاف بات نہیں کرتا تو میں امریکہ، انڈیا اور اسرائیل کے خلاف بات کیسے کر سکتا ہوں ؟؟

سچائی کے درجات کی بات ہم نے پہلے کی تھی کہ پہلے تم سچائی کی معرفت حاصل کرو، پھر اس پر ایمان لیکر آؤ، پھر سچ کہنے کی ہمت پیدا کرو جو کہ مقامِ عدل ہے۔ پھر اگر موقع ملے تو سچ کیساتھ وفا کرو۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم پیغمبر ﷺ کے مشن کیساتھ کھڑے رہیں اور شیطانی طاقتوں اور اللہ کے دشمنوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ ہماری ساری وفا، ہمارا سارا اخلاص ہمارے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے لیے ہے۔

اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سلام ہو حسین رضی اللہ عنہ

سلام ہو حسین، پیکرِ صبر و رضا پر
لعن ہو یزید، خوگرِ جور و جفا پر

سلام ہو حسین، دین حق کی وفا پر
لعن ہو یزید، رہِ باطل کی دغا پر

سلام ہو، حُسن خلق میں اعلیٰ پر
لعن ہو، رزیل خلق میں بالا پر

سلام ہو، علم و حلم کے دریا پر
لعن ہو، جہل و دجل کے صحرا پر

سلام ہو، عزم و ہمت کی بقا پر
لعن ہو، کائر و بزدل و رسوا پر

سلام اے، وارثِ انبیاء و صلحا
لعن اے، وارثِ نکراء و جہلا

از: زوارحیدر

مقصد حسین اور حق سے وفا

خاکہ:-

1) صدقہ اور قرض حسنہ

2) نماز پڑھنا آسان اور حق بات کہنا مشکل ہے

3) کربلا والوں کا پیغام

4) امام حسین کی لڑائی ظلم کے خلاف

5) حق نے ہی غالب آنا ہے

6) مصیبت میں نماز اور صبر سے مدد

7) عاجزی کی مثال

8) جس نے اللہ کو پالیا اس نے سب کچھ پالیا

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

جو مال آپ کسی غریب، بیوہ یا کسی مظلوم پر خرچ کرتے ہیں اُسے قرآن صدقہ کہتا ہے۔ پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ بلاؤں کو ٹالتا ہے[1]۔ لیکن اگر آپ اپنا مال خرچ کرتے ہیں غلبہ دین کیلیے، مثلاً میں گفتگو کر رہا ہوں کہ میرے اللہ کا دین غالب آئے میری ذات اور جتنے سننے والے ہیں اُن پر؛ تو وہ پیسہ جو خرچ کیا جاتا ہے اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے یا جان قربان کی جاتی تو اللہ کہتا ہے کہ تو نے مجھے مقروض کر دیا۔ حالانکہ دیا بھی اسی نے ہے۔ تو یہ قرآن کی دو طرفیں ہیں۔ حق کے نفاذ کیلیے اگر آپ ایک جملہ بھی کہتے ہیں تو اللہ کہتا ہے کہ تو نے مجھے قرض دیا ہے۔ تو اللہ کے نظام کے لیے کوشش حق ہے۔ اسلیے نبی ﷺ نے کعبے کے بت توڑے تو بولے حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ باطل ہوتا ہی مٹنے کے لیے ہے[2]۔

سچائی کے چار مراحل پہلے بیان ہوئے تھے:-

1) معرفت، حق کی پہچان کرنا، 2) ایمان، حق پر ایمان لیکر آنا، 3) عدل، حق کہنے کی جرات کرنا، 4) وفا، حق کیساتھ کھڑے ہونا۔ اس سے آگے گفتگو کو لیکر چلتے ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا،

مُلا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت

ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

اگر آپکو نماز پڑھنے کی اجازت مل گئی تو کیا اسلام آزاد ہو گیا؟؟ بڑھیا جملہ فرمایا علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نماز پڑھنا آسان ہے لیکن حق بات کہنا مشکل ہے، سچائی کیساتھ کھڑا ہونا مشکل ہے۔

---

1 انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صدقہ رب کے غصے کو بجھا دیتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے" سنن ترمذی: 664

2 عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ میں (فتح کے بعد) داخل ہوئے تو کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کی لکڑی سے ایک کو ٹکراتے جاتے اور پڑھتے جاتے «جاء الحق وزهق الباطل إن الباطل كان زهوقا»، «جاء الحق وما يبدئ الباطل وما يعيد» حق آیا اور جھوٹ نابود ہوا بیشک جھوٹ نابود ہونے والا ہی تھا۔ صحیح بخاری: 4720

کربلا والوں نے جو پوری دنیا کو پیغام دیا وہ حق کیساتھ وفا کرنے کا ہے۔ وہ مقام جہاں مقصد جان سے زیادہ بڑا ہے۔ یہ ہے کربلا والوں کا مقام کہ ہر چیز سے اپنے مقصد کو بڑا سمجھا اور حق سے وفا میں سب کچھ قربان کر دیا۔ ساری زندگی فلسفے والے دلائل دیتے رہے کہ درخت دیکھو تمہیں خدا یاد آجائے گا، پہاڑوں کو دیکھو، اپنی تخلیق کو دیکھو۔ لیکن لاکھوں کروڑوں دلائل ایک طرف اور جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے سارا کنبہ قربان کر کے آخری سجدہ جو کیا اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر جو اطمینان تھا اور اسی اطمینان میں گردن بھی کٹ گئی، یہ اطمینان بتارہا تھا کہ خدا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ "اے نفس مطمئنہ پلٹ آ اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی"[1]۔ جس کا مقصد اسکی جان سے بڑا ہو تو قربانی کے بعد اطمینان بھی اتنا بڑا ہوتا ہے، وہ یہ نہیں کہتا کہ میرا سب کچھ لٹ گیا۔

پہلے بیان گزر چکا ہے کہ اللہ اور اسکے رسول کی محبت سے پہلے اسکے دشمنوں سے لاتعلقی ضروری ہے۔ قرآن پڑھنے سے پہلے تعوذ (اعوذ باللہ) پڑھنا لازمی ہے؛ بسم اللہ چاہے رہ جائے لیکن اعوذ باللہ نہیں رہنی چاہیے۔ (یہ مسئلہ یاد رکھنا)۔ اللہ کا کلام ہدایت اور نور ہے، قیامت والے دن باعث شفاعت ہے۔ اس کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اس کی زیارت اور قرات سے آپ اللہ سے تعلق بناتے ہیں۔ اب اللہ کیا فرمارہا ہے کہ اسکو پڑھنے سے پہلے میرے دشمنوں پر لعنت ڈالو پھر میرے ساتھ تعلق بنانا۔ اللہ کی محبت کا سفر شروع ہی اسکے دشمنوں پر لعنت بھیج کر ہوتا ہے۔ اب امام حسین کی لڑائی کس بات پر تھی؟ اس وقت کیا نماز پڑھنے کی پابندی تھی یا روزہ رکھنے کی پابندی تھی؟ علامہ اقبال نے ایسے ہی نہیں کہہ دیا کہ نماز آزادی سے پڑھ لینا یہ نہیں بتارہا کہ اسلامی نظام حکومت کا نفاذ ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کا مشہور خطبہ جو کہ آپ نے یزیدی فوجیوں کو دیا تھا اسکی چند باتیں پہلے بیان (سچائی کے درجات) میں ہوئیں کہ جب کوئی اللہ سے کیا ہوا وعدہ توڑتا ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن جب کوئی تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ توڑتا ہے تو تم غصہ میں آجاتے ہو اور یہ کہ تم ظالم کا ساتھ اس لیے دیتے ہو کہ تم بچے رہو گے اور مظلوم بچارے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ تاریخی جملہ میرے امام کا، "لوگو! سنو جس شخص نے اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش

[1] سورۃ الفجر: 27-28

کیا، اسکو نہ اللہ ملے گا نہ لوگ اور جس نے اللہ کو راضی کرنے کے لیے لوگوں کو چھوڑ دیا اس کو اللہ بھی مل گیا اور لوگ بھی مل گئے"۔

اتنی ہمت کون کر سکتا ہے کہ تنہا حسینؓ ہزاروں لوگوں کے سامنے حق کی بات کہیں گے اور پھر اس پر ڈٹ بھی جائینگے۔ یہ میرے عقیدے کا بنیادی جز ہے کہ اس بات کا یقین ہو کہ میرے اللہ کا وعدہ ہی پورا ہونا ہے اور حق نے ہی غالب آنا ہے۔ باطل مٹنے کے لیے ہی ہوتا ہے۔وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ اور کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا[1]۔ کتنی ہی مخالفت ہو اور سازشیں ہوں مجھے اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ اللہ کا ہی وعدہ پورا ہونا ہے۔ باطل طاقتیں جتنی مرضی طاقتور ہوں، غالب ہمیشہ حق نے ہی آنا ہے۔ یقین ہونا چاہیے۔ کربلا کے سفر کے دوران، راستے میں سواری پر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بیٹے نے پوچھا کہ یہ کونسا موقع ہے کہنے کا۔ فرماتے ہیں کہ خواب میں دیکھا کہ ایک انسان قافلے کے آگے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ یہ قافلہ موت کی جانب جا رہا ہے۔ اب یقین کرو کہ سرکار علی اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ بابا کہ ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم حق پر ہیں، ہم سے بڑھ کر حق پر کون ہو گا۔ اب جب امام نے فرمایا کہ ہم ہی حق پر ہیں تو جناب علی اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بابا پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ ہم موت پر جا پڑیں یا موت ہم پر آ پڑے۔ یعنی آپکو اپنے مقصد کے حق ہونے کا یقین ہونا چاہیے۔ پھر آپ اس وفا کے مقام کے لیے چن لیے جاؤ گے۔

قرآن میں بار بار آیا ہے کہ یہ دنیا ہم نے تھوڑی مدت کے لیے بنائی ہے۔ روزانہ جنازے اٹھتے ہیں۔ قبرستان بھی دیکھتے ہیں۔ لیکن انسانوں کی اکثریت اس بات کا انکار کرتی ہے کہ مرنا بھی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ مصیبت پڑے تو نماز اور صبر سے مدد لو۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ[2]۔ کوئی مشکل پڑ جائے تو ہم بڑی دوڑیں لگاتے ہیں اور یہ طریقہ نہیں اپناتے۔ کربلا والوں نے ہمیں بتایا کہ مصیبت کا انتقام سجدہ ہے۔ کیا یقین

[1] سورۃ بنی اسرائیل:81

[2] سورۃ بقرۃ:153

ہے اللہ کے حکم کا، صبر بھی ہے اور نماز بھی۔ اب یہ نماز کوئی سوکھا کام نہیں۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ[1]۔ اب قرآن کہہ رہا ہے کہ نماز اور صبر سے کام لو اور بیشک نماز بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں کے لیے نہیں۔ اب اگر نماز مشکل لگے تو سمجھ لینا کہ دل میں تکبر آگیا ہے۔ عاجزی ہوتی تو نماز نہ مشکل لگتی۔ نماز مشکل نہیں ہے انکے لیے جنکو یاد ہے کہ ہم نے پلٹ کر اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔

ہم نے کیا عاجزی کرنی ہے مدینہ کے اس نابینا سے پوچھو جس کو شہادت کے بعد پتہ لگا۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ 20 سال ایک گھر جاتے رہے۔ اسکو کھانا کھلاتے، کپڑے تبدیل کرتے، گھر کی صفائی کرتے اور جب وہ آپ کا نام پوچھتا تو یہ بتاتے کہ ایک فقیر، فقیر کے پاس آتا ہے۔ ہمیں کیا پتہ عاجزی کیا ہوتی ہے۔ جن کو اللہ نے کمالات کے اعلیٰ درجات پر فائز کیا ہے، مخلوق کیساتھ انکا یہ رویہ ہے۔ ایک دن اس نابینا نے آپ سے پوچھا کہ اپنے خاندان کا ہی نام بتادو۔ ارشاد فرمایا کہ ایک مسکین خاندان والا ایک مسکین کے پاس آتا ہے۔ مسلمانوں نے تو اس سے بہت کم سیکھا؛ غیر مسلم قوم نے اس سبق سے بہت کچھ سیکھا۔

واہِ گرو حسین ہے، ایسا ہنر مند، ایسی کرنی کر گیا، نام بولے تو جگ روئے

ظالم کے خلاف کھڑے ہو کر اپنے مقصد سے جو وفا کی ہے۔ آپ کے ارشادات جسکی پہلے بھی بات ہوئی کہ جس نے اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کیا اس کو نہ اللہ ملا نہ ہی لوگ۔ جس نے اللہ کو راضی کرنے کے لیے لوگوں کو ناراض کیا، اسکو اللہ بھی مل گیا اور لوگ بھی۔ دوسرا جملہ، جب بازار میں مظلوم نظر آئیں تو سمجھ لو کہ ظالم معاشرے پر چھائے ہیں۔ میدان کربلا میں جو بات آپ نے ارشاد فرمائی، ابلیس نے ہر دور میں دو حربے استعمال کیے: لالچ اور خوف۔ اسی لیے اللہ نے اپنے ولیوں کی یہ نشانی بتائی کہ اللہ کا ولی وہ ہوتا ہے جس کے دل سے مخلوق کا خوف نکل جائے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[2]۔ کربلا کے میدان میں ہمیں دونوں باتیں نظر آئی۔ 2 محرم کو کربلا آئے اور 10 محرم کو یہ واقعہ پیش آیا۔ خوف اور لالچ انتہا کا پیش کیا گیا۔ لیکن کیا جملہ ہے آپکا

---

[1] سورۃ بقرۃ:45

[2] سورۃ یونس:62

، "اگر میں سب کچھ پالوں اور اللہ کو کھو دوں، تو میں نے کیا پایا اور اگر میں سب کچھ کھو دوں اور اللہ کو پالوں تو میں نے کیا کھویا"۔ یہ تھا اطمینان وہ سجدے میں کہ میں نے ظاہراً سب کچھ کھویا لیکن اللہ کو پالیا۔ اتنے خوف میں کسی بچے نے نہیں کہا کہ میں نے قربانی نہیں دینی۔ یزید، امام حسینؑ کے کسی بچے سے بھی بیعت نہیں لے سکا۔ اسلیے کہ ان پر حق واضح تھا۔ سر دے دیا لیکن باطل کا ساتھ نہیں دیا۔ جب تک ہم زندگی کے مقاصد واضح نہیں کرتے، معاشرہ برباد ہو جائے گا۔ یہ بتانا زندگی کا مقصد ہے کہ ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں تا کہ اللہ کی رضا حاصل ہو۔ کربلا والوں نے ہماری رہنمائی فرمائی، اللہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اقوال:-

1۔ جس نے اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کیا اس کو نہ اللہ ملا نہ ہی لوگ۔ جس نے اللہ کو راضی کرنے کے لیے لوگوں کو ناراض کیا، اسکو اللہ بھی مل گیا اور لوگ بھی۔

2۔ اگر میں سب کچھ پالوں اور اللہ کو کھو دوں، تو میں نے کیا پایا!!!
اگر میں سب کچھ کھو دوں اور اللہ کو پالوں تو میں نے کیا کھویا!!!

جس کو نبی پاک ﷺ کا فیصلہ قبول نہیں، وہ مومن نہیں

قرآن: فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا(النساء:65)

ترجمہ: " پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرمادیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔"

خاکہ:-

1) شہید گواہی دینے والا۔
2) اللہ، محمد ﷺ کی قسم اٹھارہاہے
3) وہ مومن نہیں جو نبی ﷺ کو حاکم نہ مانے
4) آج کل کے فسادات کی وجہ
5) نبی ﷺ کا فیصلہ خوش دلی سے قبول کرنا۔
6) اسلام اور تسلیم میں فرق۔
7) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اللہ اور اسکے رسول کو ماننا۔
8) آیت کا شان نزول۔
9) ہم کتنے کام نبی ﷺ کی مرضی سے کرتے ہیں؟

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام

سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

ہمارے دین میں (شہادتین) کی بڑی اہمیت ہے۔ دو شہادتیں: ایک شہادت توحید کی اور دوسری رسالت کی۔اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ وَحْدَہُ لَا شَرِيْکَ لَہُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔ اب شہید ہوتا ہے گواہی دینے والا؛ شہید کے معنی گواہی دینے والے کے ہیں۔ اب یہاں تو انسان بول نہیں رہا اور ہم اسکو گواہی کہہ رہے ہیں۔ جب ہم نے ایمان پڑھا تھا تو اس میں دو باتیں تھیں،(اقرار باللسان و تصدیق بالقلب) زبان سے اقرار اور دل سے تسلیم کرنا۔ تب آپ مومن بن سکتے ہیں۔ صرف زبان سے کہنے پر آپ مسلمان تو بن سکتے ہیں لیکن مومن نہیں۔ اور اگر دل سے مان لیا اور زبان سے اقرار نہیں کیا تو تب آپ ظاہراً مسلمان بھی نہیں کہلوا سکتے۔ اقرار بھی ضروری ہے اور دل سے تسلیم کرنا بھی۔ اب اگر کسی کے پاس پیسہ ہے تو اللہ نے فرمایا کہ زکوٰۃ دو۔ اب صرف زبان سے اقرار کرنے والا زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ تو جس نے زکوٰۃ دی اس نے اصل میں گواہی دی۔ وہ بھی شہادت دیگا۔ جس نے حج کیا اس نے بھی گواہی دی۔ جو اذان سن کر مسجد میں آ گیا، وہ بھی گواہی دیگا۔ اور یہ گواہی کی سب سے اعلیٰ قسم ہے کہ انسان اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دے اور کہے کہ اللہ ہے۔ اس لیے اللہ کی راہ میں قتل ہونیوالے کو بھی شہید کہتے ہیں۔ یہ آیت جو تلاوت کی ہے اسی حوالے سے ہے۔

اللہ کی ہر بات ہی اہم ہوتی ہے لیکن جب اللہ قسم اٹھا کر بات کرے تو وہ کتنی اہم ہو گی۔ محبت کی بھی انتہا ہے، اللہ اس آیت میں فرما رہا ہے، "تیرے رب کی قسم"۔ ویسے اللہ نے اپنا تعارف پتہ کیا کروایا؟ الحمد للہ رب العالمین۔ ، لیکن جب قسم اٹھائی تو یہ نہیں کہا کہ عالمین کے رب کی قسم، خانے کعبے کے رب کی قسم یا موسیٰ کے رب کی قسم، نہیں، بلکہ محمد ﷺ کے رب کی قسم۔ اللہ اگر ناز کرتا ہے تو اس بات پر کرتا ہے کہ وہ محمد ﷺ کا رب ہے۔ دوسرا رخ اگر ہم دیکھیں، تو وہ رب کتنا بڑا ہو گا جس نے محمد ﷺ کی قسم دی ہے۔ اس رب کی عظمت دیکھیں جسکو محمد ﷺ سجدہ کرتے ہیں۔

اللہ فرمارہاہے کہ آپکے رب کی قسم یہ ایمان والے نہیں ہیں۔ شروع میں ذکر کیا تھا کہ کون مومن ہوتا ہے۔ دل اور زبان دونوں سے تسلیم کریگا تو پھر مومن ہوگا۔ اب یہاں کیا ارشاد فرمایا کہ وہ مومن نہیں ہے۔ کون مومن نہیں ہے؟ ابوجہل مومن نہیں؟ عتبہ شیبہ مومن نہیں؟ یا کلمہ پڑھنے والے مومن نہیں؟ سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ جو اپنے آپ کو ایمان والا کہہ رہے ہیں ناں یہ مومن نہیں ہیں؛ جب تک وہ آپ ﷺ کو حاکم نہ مانیں۔ اب وہ (شہادتین) ذہن میں رہیں، جہاں سے بات شروع کی تھی۔ زبان سے اقرار بھی کیا اور دل سے تسلیم؛ لیکن اللہ فرماتا ہے کہ ان دونوں کے بعد اگر میرے نبی کا وہ حاکم نہیں مانتے تو وہ مومن نہیں۔ یہاں حاکم سے مراد ہے فیصلہ کرنیوالا۔ "شَجَرَ" کا لفظی مطلب ہے لڑائی، جھگڑا۔ اسی سے ایک اصطلاح ہے، "مشاجراتِ صحابہ" یعنی وہ اختلافات جو صحابہ کے درمیان تھے۔ اب اگر ایمان والے اپنے اختلافات اور جھگڑوں کا فیصلہ نبی پاک ﷺ سے نہیں کرواتے تو وہ ایمان والے نہیں ہیں۔

آج کل جو فتنے فسادات ہیں انکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے فیصلے اللہ کے رسول ﷺ سے نہیں کرواتے بلکہ مولوی اور پیروں سے فیصلے کرواتے ہیں۔ ہم اپنے فرقے کے مولوی سے فیصلہ کرواتے ہیں چاہے وہ قرآن کے منافی ہو۔ ہم قرآن کی روشنی میں اپنے مولوی کی باتیں نہیں دیکھتے بلکہ ہم قرآن کو مولوی اور پیر کی باتوں کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔۔ اس لیے فرمایا کہ جب کبھی جھگڑا ہو تو فیصلہ میرے رسول ﷺ سے کروانا؛ اگر یہ رسول ﷺ سے فیصلہ نہیں کرواتے تو یہ مومن ہی نہیں۔

مزید کیا فرمایا کہ اگر یہ فیصلہ تو کروالیتے ہیں لیکن دل میں تنگی محسوس کرتے ہیں تو فیصلہ کرواکے بھی مومن نہیں۔ اس فیصلے کو خوش دلی سے قبول کریں۔ زبان اور دل، دونوں سے مانوگے نبیؐ کے فیصلے کو، تو ہی مومن ہو۔ دل میں تنگی رکھتے ہو تو تم مومن نہیں۔ اب ارشاد ہوتا ہے کہ جس نے ملاوٹ کی وہ میری امت میں سے نہیں۔ جس نے ظلم کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ قرآن کا معیار تو دیکھیے؛ پڑھتے رہو زبانی کلمے، اب جب تک پیغمبر ﷺ کا فیصلہ دل سے نہیں مان لیتے مومن ہو ہی نہیں سکتے۔

یہ جو لفظ ہے نہ "سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" قرآن میں دو جگہوں پر آیا۔ ایک اس آیت کے اختتام پر اور دوسرا درود شریف والی آیت کے آخر میں (يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا)۔ اسلام کا مطلب ہے اطاعت کرنا: اللہ کی اطاعت اور اسکے رسولؐ کی اطاعت۔ اب جو ظاہراً اطاعت کرتا ہے وہ مسلمان ہے اور جسکا دل جھک جائے وہ مومن ہے۔ اب اسلام اور تسلیم دو لفظ ہیں۔ اسلام ہے اللہ کے سامنے جھکنا اور تسلیم ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے جھکنا۔ اب یہاں بھی ہے اگر تم اپنے آپ کو مکمل جھکا نہیں سکتے تو تم مومن نہیں (نبی ﷺ کے حکم پر سر تسلیم خم نہیں کر لیتے تو تم مومن نہیں)۔ جب آپ کسی کی عظمت کا اقرار کرتے ہیں تو کیسے کرتے ہیں؟ جب کسی کی بڑائی کا اقرار کرتے ہیں تو اپنے آپ کو عاجز کرتے ہیں۔ ہاتھ کھڑے کر کے اور ہاتھ باندھ کر کہنا "اللہ اکبر"۔ میں جتنا عاجز ہوتا ہوں اتنی ہی اسکی عظمت اور بڑائی بیان کرتا ہوں۔ میں سجدے میں سر رکھ کر اسکی بڑائی بیان کرتا ہوں۔ یہی ہاتھ اگر میں اللہ کے سامنے باندھوں گا تو عبادت ہے اور اگر رسولؐ کے سامنے باندھ کر کھڑا ہونگا تو یہ عزت مصطفیٰ ﷺ ہے۔ تعظیم اور عبادت میں فرق ہے۔ اگر عاجزی اللہ کے سامنے ہو گی تو عبادت ہے اور اگر رسول ﷺ کے سامنے ہو گی تو تعظیم۔ یہی عاجزی قرآن نے بولی، جب ماں باپ کے سامنے جانا تو سر جھکا کے جانا۔ ((وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِیْ صَغِيْرًا[1])، اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار جیسا انہوں نے میرے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کی ہے تو بھی اُن (کے حال) پر رحمت فرما۔ اب اکڑ کر جو ماں باپ کے سامنے جاتا ہے وہ انکی تعظیم نہیں کرتا۔ یہ تعظیم کے طریقے ہمیں قرآن نے سکھائے ہیں۔ اب کوئی ماں باپ کے سامنے شانے نیچے کر کے اور سر جھکا کر جائیگا تو یہ تعظیم ہے۔ یہ عبادت نہیں ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ ماں باپ کے سامنے سر جھکا دیا تو شرک ہو گیا، تو یہ بے وقوفی ہے۔ (صرف جھکانا کا مطلب سجدہ نہیں ہوتا اور اسلام میں اللہ کے سوا تعظیمی سجدہ شرک ہے)۔ یہ طریقہ اللہ نے بتایا ہے، کسی مولوی یا پیر نے نہیں بتایا۔ تم اس وقت تک کسی کی بڑائی بیان ہی نہیں کر سکتے جب تک تم خود عاجز نہ ہو۔

---

[1] الاسرا:24

اسلیے اللہ نے دونوں چیزوں کا ذکر کیا ہے؛ اللہ کے سامنے بھی اور اسکے رسول ﷺ کے سامنے بھی جھکنا ہے۔ وہاں جھکنا عبادت ہے اور یہاں جھکنا تعظیم ہے۔

جب ہم صحابہ کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں "سلمو تسلیما" کا معیار سمجھ میں آتا ہے۔ جس ہستی کے متعلق میرے نبی ﷺ نے فرمایا کہ "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ[1]"، پھر دعا کی یا اللہ جو علی سے محبت کرتا ہے تو بھی اس سے محبت کر اور جو علی سے بغض رکھتا ہے مولا تو بھی رکھ۔ اب اس مقام و مرتبہ والے لوگ جنکے دل میں اس قدر اللہ کا خوف تھا۔ 19 رمضان المبارک کو، آخری دن جب آپ صبح کی نماز کے لیے گئے اور عبد الرحمٰن ابن ملجم نے آپ رضی اللہ عنہ کو حملہ کرکے زخمی کر دیا اور 21 رمضان کی آپ کی شہادت ہو گئی۔ تو اس رات (19 رمضان) آپ کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا آپکے ساتھ تھی۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے دو جو کی روٹیاں، تھوڑا سا نمک اور دودھ کا پیالہ ، یہ میں نے پیش کیا۔ (یہ میں اس آیت کے حوالے سے بات کر رہا ہوں کہ جنھوں نے پیغمبر ﷺ کو مانا تو کس حد تک مانا۔) سیدتنا ام کلثوم، مولا علی کی صاحبزادی فرماتی ہیں کہ ابا جی نے میری طرف غور سے دیکھا اور فرمانے لگے بیٹی میں نے ساری زندگی اپنے نبیؐ کے دستر خوان پر دو کھانے نہیں دیکھے۔ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا بھی کیا فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر تین تین دن تک چولہا نہیں جلتا تھا؛ صرف دو چیزیں، ایک کھجور اور دوسری پانی سے گزر ہوتا۔ اب مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم کیا فرما رہے ہیں کہ میں نے ساری زندگی نبی ﷺ کے دستر خوان پر دو کھانے اکٹھے نہیں دیکھے۔ دودھ بھی مکملِ غذا ہے اور جو کی روٹی بھی؛ ان دونوں میں ایک اٹھالو۔ ام کلثوم فرماتی ہیں پھر میں نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ اگر آپ کی زندگی میں کوئی چیز انقلاب برپا کر سکتی ہے تو سنو مولا علی کے آخری جملے۔ آپ فرماتے ہیں کہ بیٹی میں اس دنیا سے کیسے محبت کر سکتا ہوں جس دنیا کے حلال پر حساب ہے اور حرام پر عذاب۔ ہم یہی سمجھتے رہے کہ کسی کا مال کھایا تو حساب دینا پڑیگا، جو حرام کا کام کرتا اس کو ہم حساب کی بات کہتے۔ اب مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم کیا فرما رہے ہیں کہ حرام کا حساب نہیں ہوتا عذاب ہوتا ہے؛ حساب تو تو نے حلال کا دینا ہے۔ اب تیرے سامنے چیزیں آئیں تو اسکا کیا مطلب ہے کہ تو کھاتا جا؟ حساب حلال کا دینا ہے کہ اگر حلال کما لیا تھا تو خرچ اپنی مرضی سے کیا تھا یا

[1] سنن ترمذی: 3713

اللہ کی مرضی سے۔ سیدہ ام کلثوم فرماتی ہیں کہ میں نے کہا ابا جی میں نے آپکو اس قدر مضطرب پہلے نہیں دیکھا۔ آپ فرمانے لگے کہ مجھے رسول اللہ کی زیارت نصیب ہوئی تو میں نے عرض کی مجھے آپکی امت نے بڑا تنگ کیا، بڑی تکلیف دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ علی میں تجھے واپس بلالونگا۔ اب میں اللہ اور نبی ﷺ کے پاس جارہا ہوں۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ ابا جی پھر آپ اتنے پریشان اور خوف زدہ کیوں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ بیٹی تیرا باپ فاتح خیبر تو ہے؛ تیرا باپ کبھی کسی سے ڈرا نہیں تھا، تیرا باپ فاتح بدر و حنین ہے، لیکن آج خوفزدہ اس لیے ہے کہ اس نے اپنے مالک کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اپنے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ کیا اللہ کا خوف اور خشیت ہے۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب ایک یہودی اور ظاہراً کلمہ پڑھنے والا مسلمان جھگڑ پڑے تھے۔ تو وہ دونوں فیصلہ لے آئے نبی پاک ﷺ کے پاس۔ اب نبی پاک ﷺ تو عدل کرنیوالے ہیں، وہاں یہ تو نہیں ہے کہ یہ میری برادری کا ہے، یہ میرا رشتہ دار ہے، وہاں تو یہ حکم ہے کہ اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کریگی تو اسکے بھی ہاتھ کاٹ دیے جائیں گے۔ میرے نبی ﷺ نے دونوں کی بات سنی، فیصلہ یہودی کے حق میں ہو گیا۔ یہودی سچا تھا اور ظاہراً کلمہ پڑھنے والا جھوٹا تھا۔ اب وہاں سے نکلے تو کلمہ پڑھنے والا کہنے لگا کہ نبی سے صحیح نہیں ہوا فیصلہ تو حضرت عمر پاس چلتے ہیں۔ وہ یہودی کہتا عجیب بندہ ہے؛ کلمہ بھی پڑھتا، مسلمان بھی کہلواتا اور اپنے نبی کا فیصلہ تجھے قبول نہیں۔ اسکو تھا کہ حضرت عمر کافروں کے بڑے خلاف ہیں تو فیصلہ میرے حق میں ہو جائیگا۔ فیصلہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو مسلمان کی بات کرنے کے بعد یہودی نے کہا یہ فیصلہ پہلے نبی پاک میرے حق میں کر چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا رُکو ذرا میں کرتا ہوں فیصلہ۔ آپ اندر سے تلوار لیکر آئے اور اس مسلمان کا سر قلم کر دیا۔ فرمایا، جسکو میرے نبی ﷺ کا فیصلہ منظور نہیں اسکا فیصلہ پھر عمر کی تلوار کرتی ہے۔ اب اس مسلمان کے قبیلے والوں نے دعویٰ کر دیا کہ ہمیں قصاص چاہیے کیونکہ عمر نے مسلمان کو قتل کیا ہے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم یہ کیسے کہتے ہو کہ جس کو عمر نے قتل کیا ہے وہ مسلمان ہے۔ جس کو میرے نبی کا فیصلہ منظور نہیں وہ مسلمان ہے ہی نہیں۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ فیصلہ تو انہوں نے نبی سے کروالیا تھا لیکن دل میں تنگی محسوس کی۔ تو جو میرے نبی سے فیصلہ نہیں کرواتا وہ مومن نہیں اور جو دل میں تنگی محسوس کرے بعد میں وہ بھی مومن نہیں۔ مومن تو وہ ہے جو اپنا سر اور اپنا دل میرے نبی کے فیصلوں پر جھکا دے

اب میں اگر غور کروں کہ میرے کھانے پینے، کپڑے پہننے، لین دین، کاروبار، تعلقات، کتنے کام ہیں جو میں اپنے نبی ﷺ کی مرضی سے کرتا ہوں۔ یا ہم سب اپنا اپنا محاسبہ کرسکتے ہیں۔ میرے گھر میں میری مائیں بہنیں میرے نبی ﷺ کے حکم کے مطابق لباس پہنتی ہیں؟ ہماری زندگی کے کتنے فیصلے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کے مطابق ہیں؟ پھر ہم کہتے ہیں کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اللہ کہتا ہے کہ پہلے مومن تو بنو۔ مومن تو وہ ہے جو اپنے سارے فیصلے میرے رسول ﷺ سے کروائے۔ نبی ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی لگا دی اذان کی۔ مؤذن رسول ﷺ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ سب کو پتہ ہے۔ لیکن ہر روز صبح کو تہجد کے وقت نبی پاک ﷺ کے حجرے کے باہر آکر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے اور اجازت لیتے اذان پڑھنے کی۔ روزانہ اجازت لیتے۔ اب ایک دن صحابہ نے کہا کہ بلال جب نبی ﷺ نے حکم فرما دیا تو ہر روز اجازت لینے کی کیا ضرورت۔ وہ میں کہتا ہوں ناں کئی دفعہ کہ محبت کی باتیں کتابوں میں نہیں ملتیں۔ محبت خود ہی ادب سکھا دیتی ہے؛ محبت کو ادب سکھانا نہیں پڑھتا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ تمہیں پتہ ہے کہ میرے آقا اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ ہر وقت اللہ سے ہم کلام رہتے ہیں، وحی اترتی رہتی ہے۔ میں تو عشاء کی نماز پڑھ کر گھر جا کر سو جاتا ہوں، مجھے کیا پتہ پیچھے سے اللہ کا حکم آگیا ہو کہ آج کسی اور کو مؤذن بنالو اور میں اپنی مرضی سے اذان دیکر اپنے نبی ﷺ کا گستاخ بن جاؤں؟ اسلیے میں روزانہ آکر اجازت لیتا ہوں کہ کہیں اللہ نے میرے خلاف بھی حکم دیا ہے تو مجھے پتہ چل جائے۔ یہ ادب محبت سکھاتی ہے۔ ہم کوئی بھی کام کرلیں جب تک اس میں نبی پاک ﷺ کی مرضی شامل نہ ہو تو ہم مومن نہیں بن سکتے ۔اس آیت کو اگر آپ اچھی طرح سمجھ لیں گے تو آپ کے سارے مسئلے حل ہو جائینگے۔

اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

درِ مصطفیٰ ہی نجات کا ذریعہ ہے　　　(حصہ اول)

قرآن: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ سورة حديد: 28

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اُس کے رسولِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصّے عطا فرمائے گا اور تمہارے لئے نور پیدا فرمادے گا جس میں تم (دنیا اور آخرت میں) چلا کرو گے اور تمہاری مغفرت فرما دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔"

خاکہ:

1) ربیع الاول کی نسبت پاک پیغمبر ﷺ کی ذات اَقدس سے۔
2) رحمت اللعالمین ﷺ کے ہوتے ہوئے ہلاکت پر تعجب۔
3) تقویٰ کے معنی۔
4) اللہ کا لحاظ کرو اور رسول پر یقین رکھو۔
5) رحمتیں، نور اور بخشش کا انعام۔
6) اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مولویوں کو جواب۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

ربیع الاول کو رمضان المبارک سے بڑا مہینہ کہا جاتا ہے۔ اسکی وجہ ہمارے محققین یہ لکھتے ہیں کہ رمضان کی عزت اس لیے ہے کہ اس میں قرآن نازل ہوا (انا انزلنہ فی لیلیۃ القدر)۔ تو قرآن کریم کے نزول کا مہینہ ہے (شھر رمضان الذی انزل فیہ القران)۔ ربیع الاول شریف رمضان المبارک سے بڑا اس لیے ہے کیونکہ اس میں قرآن والا تشریف لایا۔ اگر سرکار نہ تشریف لاتے، نہ رمضان ہوتا، نہ قرآن ہوتا۔ پہلے بھی میں نے کئی دفعہ یہ بات کی ہے کہ چیزوں کی اہمیت نہیں ہوتی؛ اہمیت نسبت کی ہوتی ہے۔ مثلاً وہ بھی پتھر ہی تھے جو خانہ کعبہ سے نکال دیے گئے؛ اگر آپ ہر پتھر کو ایک نظر سے دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جایئگا۔ جنکی کوئی نسبت نہیں تھی یا بُری نسبت تھی، انکو خانہ کعبہ سے نکال دیا گیا اور جس پتھر پر ابراہیم علیہ السلام کے قدم لگے اسکو وہیں رہنے دیا۔ تو اہمیت چیز کی نہیں نسبت کی ہوتی ہے۔ اس مہینہ کی نسبت تو direct نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس سے ہے۔ (کبھی آپ قرآن کو اس نظر سے دیکھیں تو) زیتون کا تیل میرے پاک پیغمبر ﷺ اپنی زلفوں میں لگاتے تو اللہ نے کیا فرمایا: وتین والزیتون، مجھے اس درخت کی قسم جہاں سے یہ تیل آیا ہے۔ اب یہ direct تعلق نہیں رہا، لیکن اللہ نے اس درخت کی بھی قسم اٹھائی جس سے وہ تیل نکلا۔ (ایسی نسبت والی قرآن میں بہت سی مثالیں ہیں)۔

سرکار امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: اگر کسی کی نجات ہو جائے تو یہ کوئی تعجب والی بات نہیں ؛ تعجب اس میں ہے کہ رحمت اللعالمین ﷺ کے ہوتے ہوئے کوئی ہلاک ہو جائے۔ آپ ﷺ کو اللہ نے بھیجا ہی اسلیے ہے کہ انسان کی نجات ہو جائے۔ تھوڑا سا اگر آپ غور کریں، آپ نے برائی کا ارادہ کیا، لیکن اللہ وہ برائی فرشتوں کو لکھنے نہیں دیتا۔ نیکی کی نیت کی، نیکی ابھی کی نہیں ہے تو فرشتے کو حکم ہوا کہ لکھ دے۔ تو ازن تو نجات ہی کیطرف ہوا۔ پلڑا جو ہے ترازو کا وہ نیکیوں کیطرف ہی بھاری ہوا۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَاۚ-وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ

فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ [1] ۔"جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہیں اور جو کوئی برائی لائے تو اسے صرف اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا"۔ اب دیکھیے ترازو کا پلڑا تو نیکیوں کا ہی بھاری ہوا۔ اب دیکھیے اللہ نے کیسا انتظام کیا ہے ہمارے لیے کہ ایک نیکی کے بدلے دس اور برائی ایک ہے تو ایک ہی لکھی جائیگی۔ یہی نہیں اگر نیت اور ارادہ صاف ہو گا تو ستر گنا بھی مل سکتا ہے۔ اگر نیت اور صاف ہو گی تو سات سو گنا عطا کریں گے، ایک نیکی سات سو گنا تک چلی گئی اور برائی ایک کی ایک ہی رہے گی۔ (مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍؕ-وَ اللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُؕ-وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ [2]۔ ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی طرح ہے جس نے سات بالیاں اگائیں، ہر بالی میں سو دانے ہیں اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لئے چاہے اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔) اب دیکھیے اللہ نے کتنا بندوبست کیا ہے تمہاری نجات کا اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی بات پر غور کریں کہ اس رحمت اللعالمین کی موجودگی میں کوئی ہلاک ہوتا ہے تو یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ پہلی امتوں میں ایسا نہیں تھا، یہ سرکار کی نسبت سے تمہیں عطا ہوا ہے۔ مکہ کے کافر جب کہتے ہیں کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کلام خدا کا ہے تو ہمارے اوپر پتھروں کی بارش کیوں نہیں ہوتی۔(وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ [3]۔ اور جب انہوں نے کہا: اے اللہ اگر یہ (قرآن) ہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ) ہم تو گستاخیاں کر رہے ہیں؛ ہم تو نہیں مانتے آپکو پھر اللہ کوئی دردناک عذاب بھیجے ہم پر۔ اللہ کیا فرماتا ہے: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِیْهِمْؕ [4] "اللہ کی یہ شان نہیں کہ انہیں عذاب دے جب تک اے حبیب! تم ان میں تشریف فرما ہو"۔

---

[1] سورۃ انعام: 160

[2] سورۃ بقرۃ: 261

[3] سورۃ انفال: 32

[4] سورۃ انفال: 33

تقویٰ کے معنی اکثر لیے جاتے ہیں اللہ سے ڈرنا۔ کچھ کہتے ہیں کہ جیسے فرمانبرداری کا حق ہے وہ ادا کرنا۔ کچھ علماء نے یہ معنی کیا ہے کہ اللہ کا لحاظ کرنا اور اللہ سے شرم کرنا۔ اللہ فرما رہا ہے: يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا۔[1] "وہ لوگوں سے شرماتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ اللہ اُس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کو ایسی بات کا مشورہ کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں اور اللہ ان کے کاموں کو گھیرے ہوئے ہے۔"

اب یہ آیت جس کو ہم سمجھ رہے ہیں، اللہ فرمارہا، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ، اے ایمان والو اللہ کا لحاظ کرو، وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ، اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ۔ خطاب بھی ایمان والوں سے اور گفتگو بھی ایمان والوں سے اور حکم یہ دے رہا کہ اللہ سے ڈرو، اسکا لحاظ کرو اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ۔ حالانکہ ایمان والے تو وہ ہیں جو کہ رسولؐ کے کہنے پر ہی اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ نبیؐ کے کہنے پر ہی اللہ کو مانا ہے۔ وہی اللہ تمہیں کہہ رہا اگر اللہ کی حیاء ہے تو میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ اسکے رسول ﷺ پر یقین رکھو۔ ایک دفعہ کہیں یہ گفتگو چل رہی تھی کہ کچھ لوگ کہہ رہے تھے ہمارے لیے قرآن ہی کافی ہے، تو ہم نے ان سے کہا کہ ہاں اگر دل میں محبت رسول ﷺ ہے تو قرآن ہی کافی ہے۔ اگر پیغمبر ﷺ پر یقین ہے تو یہ قرآن کافی ہے۔ اگر پیغمبر پر یقین نہیں تو قرآن کافی نہیں۔ کیا جملہ ہے اللہ کو ماننے والو اللہ پر ایمان رکھنے والو، شرم کرو اور میرے رسول ﷺ پر یقین رکھو۔ کئی لوگ آپ کو ملیں گے کہ ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ یہ جملہ ایمان والوں کا نہیں ہے۔ یہ ابلیس کا جملہ ہے۔ ذہن میں رکھنا یہ بات۔ میرے سرکار ﷺ نے فرمایا تھا ساری دنیا کا ایمان ایک طرف اور ابو بکر کا ایمان ایک طرف۔ پھر بھی ابو بکر کا ایمان بھاری ہے، برابر نہیں[2]۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کب کوئی معجزہ مانگ کے مانا ہے، یا رسول یہ پتھر کلمہ پڑھیں گے یا درخت چل کر آئینگے تو پھر مانو گا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تو ساری زندگی اعتراض ہی کوئی نہیں کیا۔ اب اس سب سے بڑے ایمان والے کا

[1] سورۃ النساء:108

[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر تمام اہل زمین کا ایمان ایک پلڑے میں اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایمان دوسرے پلڑے میں رکھ کر وزن کیا جائے تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کا پلڑا بھاری رہے گا۔ (اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں، ترمذی نے نوادرالاصول میں ،اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فضائل الصحابہ میں ذکر کیا ہے)۔

جملہ بھی سن لیں۔ ابو بکر گھر کیا چھوڑ آئے ہو؟ سب حدیث کی کتابوں میں لکھا ہوا۔ فرمایا گھر اللہ اور اسکا رسول چھوڑ آیا ہوں[1]۔ میرے لیے اللہ اور اسکا رسول ﷺ ہی کافی ہے۔ ابو بکر کیلیے خدا اور اسکا رسول ﷺ بس۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ آیت کیطرف آئیں، اے ایمان والو! اللہ کا لحاظ کرو اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ یہ نہ کہتے پھرو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، یقین کی کیفیت لانی ہے تو اسکے رسول پر لیکر آؤ۔

يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ، وہ تمہیں عطا کریگا، اسکی رحمت میں سے دو رحمتیں۔ کچھ محققین نے دو رحمتوں کا معنی ایمان اور تقویٰ کیا ہے۔ یعنی ایمان اور تقویٰ اسی در سے ملے گا۔ (اسکی تفسیر اگلے خطاب میں آئیگی۔) وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا، اس در اقدس سے تمہیں نور عطا ہو گا، دو رحمتیں اور نور۔ تَمْشُونَ بِهِ، وہ نور ختم ہونیوالا نہیں ہو گا، جہاں چلو پھرو گے تمہارے ساتھ ہو گا۔ یہاں مفسرین نے اسکی یہ بھی شرح کی ہے کہ اس دنیا تک نہیں بلکہ قیامت والے دن جب بڑا اندھیرا ہو گا اس وقت بھی یہ نور تمہارے ساتھ ہو گا۔ جہاں بھی چلو پیغمبر ﷺ کے سائے میں چلو، پیغمبر ﷺ کا نور تمہاری رہنمائی فرماتا رہے گا۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ، اور تمہارے لیے مغفرت ہے، بخشش ہے۔ رحمتیں مل گئیں، نور عطا ہو گیا، ہر وقت اس نور کے سائے میں رہو، اللہ تمہیں بخش دیگا۔ جہاں سے ہم نے بات شروع کی تھی کہ نجات ہو گی۔ اللہ نے کہہ دیا کہ جس نے رسول کو مانا اسکو رحمت بھی مل گئی، نور بھی مل گیا اور نجات بھی ہو گئی۔ اب شک نہیں کہ اللہ ہی بخشنے والا ہے اور رحم فرمانے والا ہے۔ اختتام آیت کا کمال کا ہوا، بخشنے والا بھی اللہ ہے اور رحم کرنیوالا بھی اللہ ہے۔ یہ رحمت، یہ نور اور بخشش، یہ ساری چیزیں اگر تم نے لینی ہیں تو صرف ایمان اور تقویٰ کی بات نہ کرو بلکہ پورے یقین کیساتھ اسکے رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ جاؤ۔

---

[1] اسلم کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ ایک دن ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم صدقہ کریں، اتفاق سے اس وقت میرے پاس دولت تھی، میں نے کہا: اگر میں کسی دن ابو بکر رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جاسکوں گا تو آج کا دن ہو گا، چنانچہ میں اپنا آدھا مال لے کر آیا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "اپنے گھر والوں کے لیے تم نے کیا چھوڑا ہے؟"، میں نے کہا: اسی قدر یعنی آدھا مال، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال لے کر حاضر ہوئے، رسول ﷺ نے ان سے پوچھا: "اپنے گھر والوں کے لیے تم نے کیا چھوڑا ہے؟"، انہوں نے کہا میں ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر آیا ہوں، تب میں نے (دل میں) کہا: میں آپ سے کبھی بھی کسی معاملے میں نہیں بڑھ سکوں گا۔ سنن ابو داؤد: 1678

اللہ تعالیٰ کروڑوں رحمتیں کرے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر، مولویوں نے کہا کہ نماز میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ آپکو پتہ ہے ناں جب اقبال رحمۃ اللہ علیہ قرآن پڑھتے تھے تو اوراق بھیگ جاتے تھے؛ قرآن انکے دل میں اتر جاتا تھا۔ اقبال نے ان مولویوں کو ایک ہی جواب دیا،

شوق تیرا اگر نہ ہو، میری نماز کا امام

میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

کیا سجدے ہیں وہ جو شوق مصطفیٰ کے بغیر ہوں؟ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سرکار دو عالم ﷺ کے نور کی خیرات　　　　(حصہ دوم)

قرآن: يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاؕ-ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُۚ (12) يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْۚ-قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًاؕ-فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌؕ-بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُؕ (13)۔ سورة حديد

ترجمہ: "جس دن تم مومن مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہے (فرمایا جائے گا کہ) آج تمہاری سب سے زیادہ خوشی کی بات وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں تم ان میں ہمیشہ رہو، یہی بڑی کامیابی ہے۔ جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم پر نظر کر دو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں، کہا جائے گا: تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ تو وہاں نور ڈھونڈو، جبھی ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہو گا جس کے اندر کی طرف رحمت اور اس کے باہر کی طرف عذاب ہو گا۔"

خاکہ:

1) حصہ اول کا خلاصہ۔

2) یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

3) نور ہدایت دنیا میں ہی لینا ہے۔

4) نور قیامت والے دن مومنین کے آگے پیچھے دوڑے گا۔

5) نور کی مقدار کتنی ہو گی۔

6) نور منافق کو حاصل نہیں۔

7) نور اسی دنیا میں حاصل کرنا۔

8) پیغمبر ﷺ کی آمد باعث نعمت۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

گزشتہ جمعہ سورۃ حدید کی آیت (28) پر ہماری گفتگو ٹھہری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اللہ کا لحاظ کرو اور اسکے رسول پر ایمان لے آؤ۔ یقین کرو اسکے رسول پر صدق دل سے۔ جب تم رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ گے تو وہ اپنی دو رحمتیں تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے نور بنا دیگا۔ تم جہاں جاؤ گے وہ نور تمہارے ساتھ رہیگا۔ اور تمہاری مغفرت فرما دیگا۔ یہ ساری عزتیں کیوں ملیں گیں؟؟ اگر تم میرے رسولؐ پر ایمان لاؤ گے۔

یہ چونکہ میلاد شریف کے دن ہیں تو میلاد شریف کا بنیادی مقصد جو ہے وہ قرآن نے صرف ایک ہی بیان کیا ہے کہ انسانوں کی نجات ہو جائے۔ اب نجات اس وقت تک نہیں ہونی جب تک انکو نور نہیں ملے گا۔ سورۃ احزاب میں جہاں درود والی آیت ہے(اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔[1])۔ ایک اور آیت میں اللہ فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ[2] وہ اللہ ہے جو تم پر رحمت کرتا ہے اور اسکے فرشتے بھی رحمت کی سفارش کرتے ہیں۔ یہ تمام انسانوں کے لیے ہے کہ وہ اللہ اپنی رحمت کرتا ہے تم پر۔ اللہ کیوں کرتا ہے رحمت۔ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ[2]۔ تاکہ تم جہالت سے نکل کر نور کیطرف آجاؤ۔ اللہ کی رحمت بھی یہ ہے کہ تمہیں نور مل جائے اور نبی پاک ﷺ کی رحمت بھی یہی ہے۔ جہالت میں نجات نہیں۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا جملہ کمال کا ہے کہ سرکار ﷺ کی موجودگی میں اگر کسی کی نجات ہو جائے تو یہ تعجب کی بات نہیں ۔ تعجب تو اس بات میں ہے کہ سرکار ﷺ کی موجودگی میں کوئی ہلاک ہو گیا۔ یعنی اس نے نور حاصل ہی نہیں کیا۔ جو جھوٹ بولتا ہے وہ ظلمت میں ہے، جو سود خور ہے وہ ظلمت میں ہے۔ شراب پیتا ہے، بد دیانت ہے وہ ظلمت میں

---

[1] سورۃ احزاب:56

[2] سورۃ احزاب:43

ہے۔ انکو نور نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ فرمارہاہے کہ اللہ تم پر رحمت نازل کرتا ہے تاکہ تم ظلمات، جہالت سے نکل کر نور کیطرف آجاؤ۔ اب بڑی عجیب بات ہے کہ ظلمات کا لفظ جہاں بھی قرآن میں آیاہے جمع کے صیغے کے طور پر آیاہے اور نور واحد کا صیغہ ہے۔ کیونکہ جہالتیں جتنی مرضی زیادہ ہوں، تیرے نبیؐ کا نور انکو دور کرنے کے لیے کافی ہے۔ نور ایک ہی کافی ہے۔

ہم اکثر تقریروں میں دنیا اور آخرت کو مقابلے میں لے آتے ہیں اور دنیا کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھیں کہ یہ نور آپ نے اسی دنیا میں حاصل کرنا ہے۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے سامنے کسی نے دنیا کو کوسنا شروع کر دیا۔ آپ فرمانے لگے کہ دنیا کو کیوں برا بھلا کہتے ہو تمہیں نہیں معلوم کہ میں اپنے اللہ کو سجدہ کر کے اس کے قریب اسی دنیا میں ہوتا ہوں۔ یہی دنیا ہے جو مجھے سجدے کی مہلت دیتی ہے اور میری آخرت کامیاب ہوتی ہے۔ میں نے اپنے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو اسی دنیا میں پہچانا۔ بھائی یہاں اگر جھوٹ چھوڑ دوگے تو نور مل جائے گا۔ مرنے کے بعد کوئی فائدہ نہیں۔ بددیانتی تو یہاں ہی چھوڑنی ہے۔ گستاخی، بے حیائی ادھر ہی چھوڑنی ہے۔ پاک پیغمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے[1]۔ یہاں جو بونا ہے وہی آخرت میں کاٹنا ہے۔ اس لیے اگر آپ نے پیغمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا ادب کرنا ہے تو اسی دنیا میں کرنا ہے۔ اپنے پیغمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے تعلق بنانا ہے تو اسی دنیا میں بنانا ہے۔ اگر یہ نفس اللہ کا فرمانبردار رہا تو نور مل جائے گا، نجات مل جائیگی۔ اگر باغی ہو گیا تو یہی دنیا عذاب بن جائیگی۔

اللہ تعالیٰ نے اس نور کا نقشہ سورۃ حدید کی آیت 12، 13 میں کھینچا ہے۔ وہاں تو یہ ہے کہ جہاں بھی چلو پھروگے یہ نور تمہارے ساتھ رہے گا (آیت 28)۔ اب یہاں اللہ آخرت کا ذکر فرمارہاہے یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاؕ-ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ[2] "جس دن تم مومن مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑرہاہے (فرمایا جائے گا کہ) آج تمہاری سب سے زیادہ خوشی کی بات وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں تم ان میں ہمیشہ رہو، یہی بڑی کامیابی ہے۔" ابتدا میں جو جملہ میں نے کہا تھا کہ میلاد کا بنیادی مقصد ہماری

---

[1] الدنیا مزرعۃ الآخرۃ امام غزالی نے اسے احیاء علوم الدین میں حدیث کے طور پہ بیان کیاہے۔

[2] سورۃ حدید:12

نجات ہے۔ بعثت پیغمبر ؐ کا بنیادی مقصد یہی ہے۔ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ[1]۔ قیامت والے دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ ہماری طرف بھی نظر کرم کرو۔ دنیا میں نبی ﷺ کے نور سے انکار کرنیوالے قیامت والے دن نبی ﷺ کے غلاموں سے نور کی بھیک مانگے گے۔ اچھا یہ بڑی عجیب بات ہے اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ کفار بھیک مانگے گے یا مشرکین بھیک مانگے گے، نہیں بلکہ منافق مرد اور منافق عورتیں۔ اوپر سے کلمہ تو پڑھتے تھے لیکن نبی ﷺ کی حیاء نہیں کرتے تھے۔ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا[1] ان سے کہا جائے گا کہ پلٹ جاؤ، جہاں سے نور ملتا ہے وہاں سے لیکر آؤ۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ نور ہمارا ہے۔ یہ نور تو درِ مصطفیٰ سے ملتا ہے۔ ایمان والے اس دن بھی نبی پاک ﷺ کا در ہی دکھائیں گے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسکا ترجمہ کیا خوب کیا ہے،

آج لے انکی پناہ، آج مدد مانگ ان سے

کل نہ مانیں گے قیامت کو اگر مان گیا

وہاں سوال کرتا پھریگا نبی ﷺ کے غلاموں سے، ایمان والوں سے اپنے نور سے ہمیں بھی نور دے دو۔ آج کئی ملیں گے جو کہیں گے کہ ولیوں کے پاس کیا لینے جاتے ہو اور اس دن نور کی بھیک مانگتے پھریں گے ان ولیوں سے۔ اور وہ کہیں گے کہ جاؤ جہاں سے نور ملتا ہے وہاں جاؤ۔ وہ اس دن بھی عاجزی اور انکساری کا ہی اظہار کرینگے۔ یہ نہیں کہیں گے کہ یہ نور تو میرا ہے۔

" فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ-بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ۔[1] "جبھی ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہو گا جس کے اندر کی طرف رحمت اور اس کے باہر کی طرف عذاب ہو گا۔" قیامت والے دن سب کا نور ایک جیسا نہی ہو گا۔ پاک پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ کچھ ایمان والے ہونگے جنکا نور قدموں سے آسمان تک ہو گا۔ کچھ ایمان والے وہ ہونگے جنکو اُحد پہاڑ کے برابر نور عطا کیا جایئگا۔ کچھ وہ ہیں جنکو انسانی قد کے برابر نور عطا ہو گا۔ کچھ میری طرح کے کمزور لوگ بھی ہیں۔ آخر میں نبی پاک ﷺ نے جنکا

---

[1] سورۃ حدید:13

ذکر فرمایا ہے، جنکے دل میں نبی ﷺ کی محبت ہوگی، عزت ہوگی، احترام ہوگا لیکن بیچاروں نے غلطیاں بہت کی ہونگی۔ اللہ اسکا نور اسکے انگوٹھے میں ظاہر کریگا[1]۔ سب سے کم نور جسے ملیگا وہ انگوٹھے کے ناخن کے اندر ہوگا۔ وہ کبھی بجھ رہا ہوگا، کبھی روشن ہو رہا ہوگا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے سوال کیا کہ جب منافقین ساتھ ساتھ چل رہے ہونگے تو ظاہر ہے کہ ایک پہاڑ کے برابر نور ہے تو اس نور سے وہ استفادہ کیوں نہیں کرپائے گے۔ وہ مانگ کیوں رہے ہونگے۔ اسکی مثال یہ دی گئی ہے کہ جیسے میرے پاس یہ آنکھیں ہیں جنکے اندر نور ہے لیکن یہاں کوئی اگر نابینا بیٹھا ہے تو وہ اس نور سے استفادہ حاصل نہیں کرسکتا۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۔[2] "پس بیشک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔" مومنین کے پاس تو نور ہوگا، پہاڑ کے برابر بھی، آسمان کے برابر بھی، اپنے قد کے برابر بھی، لیکن یہ جو نبی ﷺ کے گستاخ ہیں وہ اس نور سے فائدہ نہی لے سکتے اور میرے نبی ﷺ کے غلاموں سے بھیک مانگتے پھریں گے۔

میلاد ہے نجات کے لیے اور نجات کے لیے نور کا ہونا ضروری ہے۔ ظلمات کو دور کرنا ہے۔ پاک پیغمبر ﷺ کی ہدایت کا جو نور ہے اس نور کے سائے میں زندگی بسر کرنی ہے اور نور آپ نے اسی دنیا میں حاصل کرنا ہے۔ اس وقت کو ضائع نہیں کرنا کہ ابھی بڑی عمر پڑی ہے۔ ہلاکت کا سبب یہی بات ہے۔ اگلے حصہ میں ایک دلچسپ مکالمہ ہے مومنین اور منافقین کا۔ وہ لمحہ صدیوں پر بھاری ہے جس لمحے اللہ نے اپنے محبوبؐ کو زمین پر نازل کیا۔ خالص نوری مخلوق کو خاکی مخلوق میں بھیج کر اللہ نے احسان کیا۔ انہوں نے تقسیم ہی نور کرنا تھا۔ ہدایت بھی ایک نور ہے۔ ہم ساری زندگی بھی اس نعمت کا شکر ادا کریں تو اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرسکتے۔ اللہ نے ہمیں آپکی امت میں پیدا فرمایا۔ اتنی بڑی نسبت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[1] سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان میں بعض کا نور پہاڑوں کے برابر ہوگا اور بعض کا کھجوروں کے درختوں کے برابر اور بعض کا کھڑے انسان کے قد کے برابر سب سے کم نور جس گنہگار مومن کا ہوگا اس کے پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا جو کبھی روشن ہوتا ہوگا اور کبھی بجھ جاتا ہوگا۔ [تفسیر ابن جریر الطبری:11/672]

[2] سورۃ حج:46

عشق پر ایمان کی بنیاد　　　(حصہ سوم)

قرآن: يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْؕ-قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (14) فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّ لَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْاؕ-مَاْوٰىكُمُ النَّارُؕ- هِیَ مَوْلٰىكُمْؕ-وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ (15) سورة حديد۔

ترجمہ:

"منافق مسلمانوں کو پکاریں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں، مگر تم نے تو اپنی جانوں کو فتنے میں ڈالا اور (مسلمانوں کے نقصان کے) منتظر رہے اور شک میں پڑے رہے اور جھوٹی خواہشات نے تمہیں دھوکے میں ڈالے رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا اور بڑے فریبی نے تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکے میں ڈالے رکھا۔ تو آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ہی کھلے کافروں سے۔ تمہارا ٹھکانہ آگ ہے، وہ آگ ہی تمہاری ساتھی ہے اور کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔"

خاکہ:

1) مرکزی خیال (حصہ اول و دوم)۔
2) منافقین کا مومنین سے سوال۔
3) مومنین کا جواب۔
4) فدیہ بھی نہیں لیا جائیگا۔
5) نبی معصوم کیوں ہوتے ہیں؟
6) آدمؑ کی مثال۔
7) سبحان اللہ کی وضاحت۔
8) صحابہ اور منافقین میں کیا فرق تھا؟
9) نور، محبت والوں کو ملتا۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

ہماری گفتگو سورۃ حدید کی اس آیت کے حوالے سے چل رہی تھی کہ اے ایمان والو! اللہ کا لحاظ کرو (تقویٰ اختیار کرو) اور اسکے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر یقین رکھو۔ اللہ تمہیں نور عطا کریگا۔ جو جہاں بھی چلو پھرو گے تمہارے ساتھ رہیگا۔ یہ نور مومن مردوں اور عورتوں کے آگے پیچھے دوڑے گا۔ منافق مرد اور عورتیں ان سے کہیں گے کہ ہمیں بھی ساتھ لے لو اور ہمیں تھوڑا سا نور دے دو۔ تو مومن ان سے کہیں گے کہ واپس پلٹ جاؤ اور جہاں سے نور ملتا ہے وہاں سے جا کر لو۔ اور پھر ہم (اللہ) مومنین اور منافقین کے درمیان ایک دیوار حائل کر دینگے اور اس میں ایک دروازہ ہو گا۔ اس دیوار میں جہاں اللہ کا نور ہو گا وہاں اللہ کی رحمت ہو گی۔ اس دیوار کے باہر جہاں منافقین ہونگے وہاں اللہ کا عذاب ہو گا۔ اس نور کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جہاں اللہ کا نور ہو وہاں اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ یہ منافقین مومنین سے نور مانگیں گے بھی اور یہ بھی کہیں گے کہ ہمیں اپنے ساتھ لے لو۔ پھر ہم نے بات کی تھی کہ یہ نور آپ نے اسی دنیا میں حاصل کرنا ہے۔ نیکی اسی دنیا میں کرنی ہے اور ہدایت بھی اسی دنیا میں لینی ہے۔ وہاں آپ نہ ایمان لے سکتے ہو نہ ہدایت اور نہ ہی نور۔ میرے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن اسی کیساتھ اٹھو گے جسکے ساتھ دنیا میں محبت رکھتے ہو[1]۔ تو اس دن جو منت کرنی ہے اللہ کے اولیاء سے کہ ہمیں اپنے ساتھ لے لو تو دنیا میں ہی ان کے ساتھ چلو۔

اس آیت (14) میں دروازے کے دوسری طرف عذاب میں کھڑے منافقین مومنین کو ندا دینگے۔ کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں رہتے تھے۔ کیا بے بسی کا عالم ہے۔ ہم نمازیں اکٹھے پڑھتے تھے۔ افطاریاں اکٹھے کرتے تھے۔ شادیوں میں اکٹھے تھے۔ سکولوں، کالجوں میں اکٹھے تھے۔ گلی، محلوں میں تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ اب تم ہمیں ساتھ نہیں لے رہے؟ یہ جملے میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ دنیا میں ہمیں بڑا فخر ہوتا ہے کہ

1 حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہا: ایک شخص رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس آیا، اس نے کہا: اللہ کے رسول! آپ اس شخص کو کیسے دیکھتے ہیں جو کسی قوم سے محبت کرتا ہے مگر ابھی تک اس کے ساتھ نہیں ملا؟ (اعمال میں ان سے بہت پیچھے ہے) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: " آدمی اسی کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔" صحیح مسلم:6718

ہماری فلاں بد معاش سے سلام دعا ہے۔ فلاں چودھری سے یاری ہے۔ یہ کیسی بے بسی ہے کہ وہ سارے لوگ اب ایمان والوں سے کہہ رہے ہونگے کہ ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، اب بھی ہمیں ساتھ لے لو۔ سلام دعا رکھنی ہے تو کسی ایمان والے سے رکھو۔ اس سے رکھو جس کے دل میں اللہ کا خوف ہے۔

مومنین آگے سے جواب دینگے قَالُوا بَلٰى کہ کیوں نہیں، دنیا میں ہم تمہارے ساتھ ہی تھے۔ وَ لٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ لیکن تمہاری منافقت نے تمہیں فتنے میں ڈال دیا۔ ہمیں کیا پتہ تھا کہ جو ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتا تھا ،وہ دل کا کتنا برا ہے۔وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ تم انتظار کرتے تھے کہ اللہ کے نبیؐ پر کب مصیبت آئے۔ سورۃ فتح میں بھی ہے کہ اگر کسی جنگ میں مسلمانوں کو نقصان ہو جاتا تو یہ منافقین کہتے کہ اچھا ہی ہوا ہم ساتھ نہیں گئے اور اگر کامیابی ملتی تو مجبوریاں گنوانے لگ جاتے۔ تو تم (منافقین) نبی ﷺ پر بھی مصیبت کا انتظار کرتے تھے اور نبی ﷺ کے غلاموں کی بھی خیر خواہی نہیں چاہتے تھے۔ مومنین انکے فتنے کو واضح کر رہے ہیں اور انکے سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ تم نے پہلے دن سے پیغمبرؐ کو بھی نہیں مانا اور انکے غلاموں کو بھی نہیں مانا۔ تم نے ہمیشہ ان کا برا چاہا۔ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ "غرور" عربی زبان کا لفظ ہے اور اسکا مطلب ہے دھوکا۔ تمہیں تمہارے دھوکے نے غرق کر دیا۔ تم یہ سمجھتے رہے کہ ہم اپنی چالوں سے نبی پاک ﷺ کو یا اُنکے غلاموں کو شکست دے دینگے۔ تم ساری زندگی اسی انتظار میں رہے اور اب ہمیں کہتے ہو کہ ہمیں ساتھ لے لو۔

اگلی آیت (15) میں اللہ کیا فرما رہا کہ آج کے دن کوئی فدیہ نہیں لیا جایئگا۔ فدیہ ہوتا ہے متبادل۔ دنیا میں تم بڑا مال جمع کرتے تھے اور چھپا کر رکھتے تھے۔ یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں ہمارا مال بچالے گا۔ نہیں، نہیں۔ اور نہ ہم کافروں سے کوئی فدیہ لینگے۔ یہ جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے۔ یہ جہنم ہی تمہارا ماوٰی ہے اور دردناک عذاب تمہارا مقدر۔

موضوع (حصہ اول) کا آغاز اس آیت سے ہوا تھا کہ اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور رسول پر ایمان لاؤ۔ رسول پر یقین کرو۔ رسول پر یقین کرنے کے لیے انکا معصوم ہونا ضروری ہے۔ انبیاء معصوم کیوں ہوتے ہیں؟ انبیاء معصوم اس لیے ہوتے ہیں کہ انکا حکم بغیر وجہ پوچھے ماننا ہے۔ نبی سے یہ نہیں پوچھنا کہ یہ جو آپ حکم دے رہے ہیں آیا کہ اسکا فائدہ ہو گا یا نقصان۔ علم جو ہوتا ہے وہ دلیل مانگتا ہے۔ عقل جائز اور ناجائز کیلیے دلیل مانگتی ہے۔ لیکن

جب ایمان کی باری آئی تو فرمایا، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ[1] اور ایمان والے تو شدید محبت رکھتے ہیں اللہ سے۔ یہ نہیں فرمایا کہ بڑی عقل رکھتے ہیں۔ کیونکہ عقل دلیل مانگتی اور محبت حکم ماننے کے لیے دلیل نہیں مانگتی۔ حدیث میں ہے کہ تم ایمان والے ہو ہی نہیں سکتے کہ جب تک تم اپنے ماں باپ سے، اولاد سے اور ہر چیز سے بڑھ کر اللہ اور اسکے رسول سے محبت نہیں کرتے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے،

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہوں میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر دے

میری عقل یہ نہ پوچھے کہ نبی کے حکم سے مجھے فائدہ ہو گا یا نقصان۔ نہیں، میرے پیغمبر کا حکم ہے بس، مان جاؤ۔ فائدہ نقصان نہیں دیکھنا یہاں، بس تسلیم کرنا ہے۔

انبیاء کے بارے میں یہ کہنا کہ ان سے غلطی ہو گئی ہے، جائز نہیں۔ عام لوگ یہ بات کہہ دیتے ہیں کہ آدم سے غلطی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اسکو منع فرمایا ہے۔ پیغمبر کی طرف اگر آپ کوئی غلطی منسوب کریں گے تو پھر اسکی اتباع نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ پیغمبر کی اتباع آنکھیں بند کر کے کرنا ہوتی ہے۔ تو ارشاد فرمایا، وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ[2]، اس سے پہلے ہم نے آدم سے عہد لیا تھا۔ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ[3] اس درخت کے قریب نہ جانا، فَنَسِیَ[1]، آدم بھول گئے۔ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا[1] اور ہم نے آدم کے دل میں اس کا ارادہ نہ دیکھا۔ اللہ کہہ رہا ہے کہ غلطی تو ہوئی ہی نہیں۔ اب دیکھیئے اللہ کیا کہہ رہا ہے اور ہم بیوقوفی میں کیا کہہ دیتے ہیں۔ انبیاء کے متعلق غلطی منسوب کرنے سے ایمان بھی ضائع ہو سکتا ہے۔ آدم بھول بھی کیسے گئے اسکا جواب بھی دیا ہے قرآن میں آٹھویں پارے میں کہ ابلیس نے ان کے سامنے قسمیں اٹھائیں کہ اس درخت کے قریب جاؤ گے تو تم اللہ کے ہر وقت قریب رہو گے۔ اب جو محبوب کے قرب کی مستی اور نشہ تھا اس نے آدم کو بھلا دیا کہ اللہ نے تو اس درخت کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے۔ ارادہ نہیں تھا بس وہ عشق تھا کہ ہم ہر وقت اللہ کے قریب رہے گے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ:165

[2] سورۃ طٰہٰ:115

[3] سورۃ البقرۃ:35

سبحان اللہ، اللہ پاک ہے۔ اسکے معنی ہمارے ذہن میں نہیں ہوتے کہ کیا پاک ہے۔ ہم پڑھتے تو ہیں لیکن سمجھ نہیں ہوتی۔ یہ چونکہ عقیدہ کا مسئلہ ہے۔ اسکی ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ اسکی صفات بھی ہر عیب سے پاک ہیں۔ اسکا ہر فعل بھی بے عیب ہے اور اسکے اسماء بھی ہر عیب سے پاک ہیں۔ پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ رشوت لینے والا اور دینے والا، دونوں جہنمی ہیں[1]۔ اب ہم نے اس حکم کو کیا سمجھا۔ سود خور اللہ سے اعلانِ جنگ کرتا ہے[2]۔ ملاوٹ کرنے والا میری امت میں سے نہیں[3]۔ اسکا مطلب ہے کہ اس نے حکم میں عیب تلاش کیا۔ وہ سبحان اللہ نہ کہے۔ جس طرح اللہ کی ذات، صفات، اللہ کا ہر حکم اور اسکے اسماء ہر عیب سے پاک ہیں اسی طرح اس کا رسول بھی ہر عیب سے پاک ہے۔ اب سمجھ آئی بات؟ اللہ کیوں فرمارہا کہ اے ایمان والو، تقویٰ اختیار کرو اور میرے رسول پر یقین کرلو۔ پھر اس یقین میں تمہیں نور ملیگا، جہاں چلو پھروگے وہ نور تمہارے ساتھ ہوگا۔ تو پیغمبرؐ کا حکم پھر بغیر وجہ کے دل سے تسلیم کرنا ہے۔

صحابہ اور منافقین میں کیا فرق تھا؟ سورۃ بقرۃ میں اسکا بھی جواب ہے۔ منافقین نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے۔وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ، اور جب ان سے کہا جائے کہ تم اسی طرح ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے،قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ -تو کہتے ہیں: کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ[4]۔ سن لو: بیشک یہی لوگ بیوقوف ہیں مگر یہ جانتے نہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ میرے نبی کے صحابہ بیوقوف نہیں بلکہ تم ہی بیوقوف ہو۔ یہی اصل میں بیوقوف ہیں لیکن بے خبر ہیں اس سے۔ ایمان کا معیار صحابہ کو قرار دیا گیا۔

---

[1] سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔" معجم صغیر للطبرانی:986

[2] "مومنو! خدا سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) خدا اور رسول سے جنگ کرنے کے لئے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کرلوگے (اور سود چھوڑ دوگے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور تمہارا نقصان"۔ سورۃ بقرۃ:278-279

[3] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک غلہ کے ڈھیر سے گزرے، تو آپ نے اس کے اندر اپنا ہاتھ داخل کر دیا، آپ کی انگلیاں تر ہو گئیں تو آپ نے فرمایا: "غلہ والے! یہ کیا معاملہ ہے؟" اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! بارش سے بھیگ گیا ہے، آپ نے فرمایا: "اسے اوپر کیوں نہیں کر دیا تاکہ لوگ دیکھ سکیں"، پھر آپ نے فرمایا: "جو دھوکہ دے، ہم میں سے نہیں ہے۔ سنن ترمذی:1315

[4] سورۃ بقرۃ:13

کیوں ؟؟ منافقین یہی اعتراض کرتے تھے کہ یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ غزوۃ تبوک کے لیے جانا ہے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سامان ہی لے آئے ہیں۔ بیوی بچوں کے لیے کچھ چھوڑا ہی نہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ بھی سارا مال تجارت لے آئے ہیں۔ یہ کوئی عقل کی بات نہیں۔ اہل و عیال کے لیے کچھ نہ چھوڑنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر سب کچھ قربان کر دینا اور اپنی جان کی پرواہ نہ کرنا۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔ لیکن اللہ کیا فرما رہا ہے کہ یہی تو عقلمندی ہے۔

جو لوگ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کرتے ہیں۔ وہ شاید پڑھتے نہیں۔ سرکار امام مالک رضی اللہ عنہ ساری زندگی مدینہ میں رہے۔ کسی آدمی نے مدینہ کی مٹی کے لیے کمزور الفاظ استعمال کیے۔ آپ رضی اللہ عنہ اس وقت قاضی بھی تھے تو آپ نے اس کو تیس کوڑوں کی سزا سنائی۔ کسی نے پوچھا کہ اس نے کوئی ایسی گستاخی تو کی نہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس کو پتہ ہوتا کہ مدینہ کی مٹی کی کیا عزت ہے اور پھر وہ بے ادبی کرتا تو میں اسکی گردن اڑا دیتا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی توہین تو بہت بعد کی بات ہے، خاک مدینہ کا بھی احترام کرنا ہے۔ لیکن یہ چیزیں کتابوں سے نہیں ملتیں۔ محبت کی دنیا اور ہی ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مالک کے پاس بڑی اعلیٰ نسل کے ترکی گھوڑے تھے۔ میں نے کہا حضور ماشاء اللہ بڑے خوبصورت گھوڑے ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ تجھے پسند ہیں ؟ میں نے کہا جی پسند ہیں۔ تو آپ نے سارے ہی مجھے دے دیے۔ قریباً 50 کے قریب تھے۔ تو میں نے کہا حضور اپنی سواری کے لیے ہی رکھ لیں۔ امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تو مدینہ میں کسی سواری پر بیٹھ کر نہیں جاتا۔ میں نے تو مدینہ میں کبھی سواری استعمال نہیں کی۔ اب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ شاگرد بھی تھے تو پوچھتے ہیں کہ وہ کیوں ؟ تو آپ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے ہیں ایسا نہ ہو کہ میری سواری کا کُھر اس جگہ پر آجائے جہاں میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک لگے ہیں۔ اسلیے ایمان کی بنیاد محبت پر رکھی گئی ہے، عقل تو دلائل پوچھتی پھرے گی۔ محبت پھر دلائل نہیں پوچھتی۔ علامہ اقبالؒ کیا فرماتے ہیں،

ترے سینے میں دم ہے، دل نہیں ہے
ترا دم، گرمئ محفل نہیں ہے
گزر جا عقل سے آگے، کہ یہ نور
چراغ راہ ہے، منزل نہیں ہے

محبت کے فیصلے الگ ہوتے ہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہاں سے پڑھا تھا کہ گھر کا سارا سامان ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دینا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہہ رہے کہ تیرے سینے میں دل نہیں۔ محبت کے لیے دل کا ہونا ضروری ہے۔ جنکے دل سخت ہو گئے ہوں انکو کیا پتہ محبت کیا ہوتی ہے۔ محبت والوں کی آنکھ نم رہتی ہے۔ یہ محبت والے ہی ہیں جنکو پھر نور عطا ہوتا ہے، پھر وہ جہاں چلتے پھرتے ہیں نور انکے ساتھ ہوتا اور قیامت والے دن تو نور کی شان ہی الگ ہو گی۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نذر عبادت ہے اور صرف اللہ کیلئے مانی جاتی ہے

قرآن: وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ-وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ-(سورة بقرة: 270)

ترجمہ: اور تم جو خرچ کرو یا کوئی نذر مانو اللہ اسے جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

خاکہ:

1) نذر کے حوالے سے خرچ کرنا
2) ظلم اور عدل کے مفہوم
3) نذر کی تعریف
4) نذر ایک عبادت ہے۔
5) کونسی نذر پوری کرنا گناہ ہے۔
6) امام راغب کا حوالہ
7) عمران کی بیوی کی نذر
8) نذر کو پورا کرنا واجب
9) حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا
10) سبق

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

اللہ فرماتا ہے وَ مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ جو کچھ بھی تم خرچ کرتے اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ اور جو بھی کچھ تم نذر مانتے ہو۔ یہاں اب دو چیزیں آگئی، ایک تو ہے خرچ کرنا زکوٰۃ و صدقات کے حوالے سے اور ایک ہے خرچ کرنا نذر کے حوالے سے۔ یعنی جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اور جو کچھ تم نذر مانتے ہو فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ اللہ اُسے جانتا ہے۔ لیکن آیت کا اختتام بڑا عجیب ہے، اللہ فرماتا ہے وَ مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ کئی دفعہ جب میں یہ آیت پڑھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ ظالموں کیساتھ تو بڑے لوگ ہوتے ہیں، انکا تو گروہ ہی بہت بڑا ہوتا ہے لیکن اللہ فرما رہا ہے کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ پھر یہ سمجھنا پڑتا ہے کہ ظالموں کیساتھ چاہے ساری دنیا بھی ہو لیکن اگر اللہ انکے ساتھ نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ ظالموں کو کوئی مددگار نہیں۔ یہاں اب ہم نے نذر کے حوالے سے جو خرچ کرنا ہے اسکے ساتھ اسکو دیکھنا ہے۔ یعنی یہاں جو ظلم کا حوالہ دیا گیا ہے وہ نذر کے حوالے سے ہے۔

ظلم کی تعریف کئی دفعہ کی ہے کہ جب آپ کسی چیز کو اسکے مقام سے ہٹا دیتے ہیں تو یہ ظلم ہے اور اگر آپ کسی چیز کو اسکے مقام پہ رکھتے ہیں تو یہ عدل ہے۔ ظلم کا اُلٹ چونکہ عدل ہے۔ جو عادل نہیں ہے وہ پھر ظالم ہے۔ یعنی اگر یہ نذر اللہ کے لیے مانی جائے گی تو یہ عدل ہے کیونکہ اسکو اسکے مقام پہ رکھا گیا ہے۔ اور اگر یہ نذر غیر اللہ کے لیے رکھی جائے گی تو یہ ظلم ہے کیونکہ اسکو اسکے مقام سے ہٹا دیا گیا ہے۔ چونکہ ظلم کو جوڑا ہے نا نذر کیساتھ۔

نذر کی جو تعریفیں دیکھیں، ایک اسکا معنیٰ کیا گیا ہے تاوان۔ یہ مجھے کچھ اچھا نہیں لگا لیکن چونکہ میں آپ تک ساری چیزیں پہنچاتا ہوں۔ ایک اسکی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جو عبادت آپ پر واجب نہیں تھی لیکن آپ نے خود اپنے اوپر واجب کر لی وہ نذر ہے۔ لیکن سب سے اہم مفرداتُ القرآن ہے جو امام راغب نے لکھی ہے۔ انہوں نے قرآن کے الفاظ کے معنیٰ لکھے ہیں۔ عربی لغت کا امام مانا جاتا ہے امام راغب کو۔ اسکو یوں سمجھیے کہ عربوں نے بھی

اگر کوئی عربی کا معنیٰ پوچھنا ہوتا تھا تو امامِ راغب سے پوچھتے تھے۔ یہ میں اس شخص کی بات کر رہا ہوں۔ لیکن اس بندے میں خوفِ خدا بہت تھا، تقویٰ کے اعلیٰ معیار پہ تھا۔ ساری دنیا اس کو لغت کا امام مانتی تھی لیکن اگر کوئی بندہ اس سے کوئی قرآن کریم کا معنیٰ پوچھنے جاتا تو کیا کمال کا تقویٰ ہے، امام راغب فرماتے کہ عربوں کے نزدیک اس لفظ کا یہ معنیٰ ہے، اللہ کے نزدیک مجھے نہیں معلوم اسکا کیا معنیٰ ہے۔ علم کی اس منزل پہ پہنچ کر بھی اس بندے کا یہ عالم تھا۔ چونکہ یہ الفاظ اللہ کے ہاں تو مجھے نہیں پتہ اللہ کے نزدیک اسکے معنیٰ کیا ہیں۔ آج تو ہر کوئی اُٹھ کے کہتا ہے نا کہ میں نے ترجمہ ساتھ پڑھ لیا قرآن، مجھے تفسیر کا پتہ۔ لیکن جس نے لفظوں کے معنیٰ لوگوں کو بتائے تھے وہ کہا کرتا تھا کہ عربوں کے نزدیک یہ معنیٰ ہیں لیکن اللہ کے نزدیک مجھے نہیں پتہ۔ مفردات القُرآن میں امام راغب نے یہ تعریف کی ہے کہ کسی کام ہونے کی بناء پر جو عبادت آپ اپنے اوپر واجب کرتے ہیں اسکو نذر کہتے ہیں۔ یعنی آپ نے اللہ تعالیٰ سے کسی کام کی سفارش کر دی کہ مولا مجھے شفاء مل جائے، میرا یہ کاروبار چل پڑے، میرا یہ سفر آسانی سے گزر جائے، تو میں تیرے لیے روزہ رکھونگا۔ وہ روزہ جو میرے اوپر واجب نہیں تھا لیکن میں نے خود کر لیا، کام کے ہونے پہ۔ بیمار تھا، مولا مجھے شفاء مل جائے تو میں 2 دن کا اعتکاف کرونگا، وہ اعتکاف جو میرے اوپر واجب نہیں تھا لیکن میں نے خود کر لیا۔ تو یہ نذر کی مکمل تعریف ہے کہ کسی کام کے ہونے پہ جو عبادت اپنے اوپر واجب کر لینا۔

اب چونکہ نذر کی جتنی بھی تعریفیں ہیں انکا تعلق ہے عبادت کیساتھ، اسلیے یہ بنیادی اصول ذہن میں رکھنا کہ نذر اللہ کے علاوہ کسی کی نہیں مانی جا سکتی کیونکہ عبادت اللہ کے علاوہ کسی کی نہیں کی جا سکتی۔ اب سمجھ آئی کہ وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ کیوں کہا، اگر آپ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرینگے تو یہ ظلم ہے۔ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے۔ میرا خالق اور معبود اللہ کی ذات ہے۔ ہمارے ہاں کچھ چیزیں تحفے اور ہدیے کے طور پہ استعمال ہوتی ہیں، مثلاً کہ اگر میں کہتا ہوں کہ میں اپنے باپ کو نذر پیش کر رہا ہوں تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں ہدیہ پیش کر رہا ہوں۔ میں اپنے استاد کو نذر پیش کر رہا ہوں تو یہ ہدیہ ہے۔ نذر کا تو حکم بہت سخت ہے، کیونکہ قرآن میں ارشاد ہے

وَ لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ[1] اور اپنی نذروں کے جو وعدے ہیں وہ وفا کرو۔ نذر کو پھر پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے کیونکہ نسِ قطعی ہے نا، قرآن کا واضح حکم ہے کہ جب نذر مان لیتے ہو تو اسکو پوری کرو۔

اب اگلا سوال یہ ہے کہ کونسی نذر پوری کرنا واجب ہے اور کونسی نذر چھوڑنا واجب ہے۔ ہر نذر کو بھی وفا نہیں نا کرنا۔ اب کوئی بندہ یہ نذر مان لے کے اگر مجھے بیماری سے شفاء ملے گی تو میں شراب پیوں گا، تو اب اس نذر کو پوری کرنا گناہ ہے اور اسکو چھوڑنا ثواب ہے۔ اس پہ اگلے بیان میں بحث آئیگی۔

قرآن کے حوالے سے میں نے امامِ راغب کی بات اس لیے کی تھی کیونکہ اصولِ تفسیر میں بھی یہ بات بتائی جاتی ہے کہ جس شخص نے قرآن کے متعلق کوئی اپنے رائے دی تو وہ جہنمی ہے، یہ قرآن کوئی مذاق نہیں ہے کہ کوئی اُٹھے اور یہ کہے کہ میرے نزدیک اس آیت کی یہ رائے ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے تو اللہ ہی اسکی تشریح کرے۔ جسکا کلام ہے، وضاحت بھی وہی کرے نا۔ اس لیے بہترین تشریح وہ ہوتی ہے قرآن کی جو قرآن سے ہی کی جائے۔ اور دوسری وہ جو اللہ کے پیارے نبی ﷺ کے احکامات کے مطابق کی جائے۔ جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی اسکو کہتے تفسیر بالرائے اور وہ سیدھا جہنمی ہے۔ اب پتہ چلا کہ امام راغب کیوں یہ جملہ کہتے تھے؟ علم والے تھے نا، تو وہ صاف کہہ دیتے تھے کہ مجھے نہیں پتہ کہ اللہ کے نزدیک مجھے نہیں پتہ کہ اسکا کیا معنٰی ہے۔ آج تو لوگوں کو شوق ہوتا ہے نا کہ لوگ ہمیں عالم کہیں، اسلیے وہ پھر آیت کا مطلب سمجھانے میں جلدی کرتے ہیں۔

اب نذر کے حوالے سے ہم ایک اور آیت دیکھتے ہیں، اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ جب عمران کی بی بی نے عرض کی رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ اے رب میرے میں تیرے لیے نذر مانتی ہوں لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ جو میرے پیٹ میں ہے مُحَرَّرًا میں نے اُسے آزاد کیا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ۔ مولا تو میری اس نذر کو پوری فرما اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔[2] بے شک تو سننے والا ہے اور علم والا، سمیع بھی ہے اور علیم بھی۔ یہ عمران کی بیوی کون ہیں؟ یہ سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ محترمہ

[1] سورۃ الحج:29

[2] سورۃ آل عمران:35

ہیں، انکو اللہ تعالیٰ نے اس طرح مخاطب کیا کہ انہوں نے نذر مانی۔ اب نذر کیا مانی کہ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے اسکو میں آزاد کیا اللہ کیلئے۔ یعنی اولاد کے جو فرائض ہوتے ہیں، ذمہ داریاں ہوتی ہیں والدین کیلئے، اس سے آزاد کر دیا، مُحَرَّرًا میں نے اُسے آزاد کیا۔ میں اس اپنی اولاد سے، اپنے بیٹے سے کام نہیں لونگی بلکہ تیرے لیے وقف کر دونگی۔ دیکھئے اب اولاد کی جو ذمہ داریاں ہیں وہ تو اللہ کا حکم ہے نا لیکن عمران کی بیوی، سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ نے یہ پابندی خود اپنے اوپر لگائی، یہ پابندی اللہ نے تو نہیں نا لگائی، یہ خود انہوں نے نذر مانی۔ پھر فرمایافَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ مولا میری اس نذر کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔ اللہ فرماتا ہےفَلَمَّا وَضَعَتْهَا پھر جب وضع حمل ہوا اور بیٹی پیدا ہوئی قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ۭ تو مریم کی ماں نے کہا کہ بیشک میں نے ایک بیٹی کو جنم دیا ہے، میرے ہاں تو بیٹی پیدا ہو گئیوَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۭ اللہ نے فرمایا کہ اے مریم کی ماں، اللہ کو پتا ہے کہ تُو نے کیا جنا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ تیرے ہاں کیا پیدا ہوا ہے۔ اب مریم کی ماں کے ذہن میں جو نقشہ تھا وہ یہ تھا کہ اللہ مجھے بیٹا دیگا اور وہ بیٹا جو ہے وہ میں مسجدِ اقصیٰ کیلئے وقف کر دونگی، وہاں وہ تورات کی تعلیم دیگا، اللہ کے کام میں لگا رہیگا اور اس سے اپنا کام کوئی نہیں لونگی۔ اب ذہن میں نقشہ تھا بیٹے کا تو سوال کر دیا کہ میرے ہاں تو بیٹی ہو گئی۔ نذر کیا مانی تھی اور یہ ہو کیا گیا ہے۔ اب اللہ فرما رہا ہے کہ اللہ کو علم ہے کہ تُو نے کیا جنا ہے۔ اور یہ جملہ تو کمال کا ہے، میرے اوپر تو وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جب میں پڑھتا ہوں۔ اللہ فرماتا ہےوَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ اللہ نے فرمایا کہ تیرے ذہن میں جو بھی بیٹے کا تصور تھا کہ یہ منبر پہ بیٹھے گا اور تورات کی تعلیم دیگا، وہ مسجد اقصیٰ کی خدمت کریگا، تیرے ذہن میں جتنا جی چاہے بڑا تصور تھا بیٹے کا لیکن سُن وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وہ بیٹا جو تیرے ذہن میں تھا اس بیٹی جیسا نہیں ہو سکتا۔ بیٹا، بیٹی جیسا نہیں ہو سکتا،وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ سادہ ترجمہ اسکا یہ ہے کہ بیٹا، بیٹی جیسا نہیں ہو سکتا۔ اب دیکھئے یہ نذر کہاں پہ جا رہی ہے۔ اب چونکہ نذر مانی تھی کہ میں مسجدِ اقصیٰ کیلئے، اللہ کے گھر کیلئے جو میرے پیٹ میں ہے اسکو میں وقف کر دونگی، ذہن میں بیٹا تھا تو بیٹی پیدا ہو گئی۔ تو تعجب کا اظہار کیا تو اللہ نے فرمایا کہ ہاں میں جانتا ہوں کہ تُو نے کیا جنا ہے۔وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ اللہ نے فرمایا کہ میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ ادھر جب کہا تھا نا کہ مولا میری نذر قبول کر تو اب نام رکھنے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کی،

فرمایا میں نے اسکا نام مریم رکھا ہے۔وَ اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ[1] وَ اِنِّیْۤ، اور بے شک میں، یہ اِنِّیْۤ اللہ کیطرف بھی منسوب ہے اور سیدہ مریم عَلَیۡہَا السَّلَام کی والدہ کیطرف بھی منسوب ہے۔ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اب جب اللہ نے فرمادیا کہ یہ بیٹی بیٹے سے افضل ہے تو پھر یہ دعا کی کہ مولا اسے اپنی پناہ میں رکھ۔ اعوذ باللہ جو آپ پڑھتے ہیں۔ اُعِیْذُهَا بِكَ اس بچی کو اپنی پناہ میں رکھ وَ ذُرِّیَّتَهَا اور اسکی اولاد کو بھی اپنی پناہ میں رکھ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ شیطان مردود سے۔

اب دیکھئے کہ نذر کا معاملہ اتنا سخت ہے۔ اب نذر مانی تھی بیٹا ہو، ظاہر ہے بیٹا ہی مسجد میں جاکر خدمت کرسکتا ہے۔ لیکن بیٹی ہوئی تو نذر تو مانی ہوئی تھی، نذر کو ماننا کتنا ضروری ہے تو بیٹی کو ہی اٹھایا اور مسجدِ اقصیٰ میں جاکر پیش کردیا۔ یعنی وہ جو قرآن کہہ رہا ہے نا اپنی نذروں کو وفا کرو، جو نذر مانی ہے اسکے مطابق ہی ہوگا۔ اب تورات لکھنے والے بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت زکریا عَلَیۡہِ السَّلَام بھی بیٹھے ہوئے تھے اور جاکے بیٹی پیش کردی کہ میں نے اللہ سے نذر مانی تھی، اسلیے میں لے کے آگئی۔ میں نے اپنی نذر پوری کردی، ٹھیک ہے مجھے اللہ نے بیٹی دی ہے تو وہی میں نے مسجد اور اس دین کیلئے وقف کردی۔ اب اسکو میں اپنے کاموں کیلئے استعمال نہیں کرونگی۔ وہاں پھر یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کون اس بچی کو اپنے پاس رکھے اور اسکی کفالت کرے۔ تو سامنے حوض میں قلمیں پانی میں پھینکی گئیں تو قرعہ حضرت زکریا عَلَیۡہِ السَّلَام کے نام نکل آیا۔فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا١ۙ-وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِیَّا[2]۔ ("تو اُسے اس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا اور اُسے اچھا پروان چڑھایا اور اُسے زکریا کی نگہبانی میں دیا")۔ تو کفالت کی ذمہ داری حضرت زکریا عَلَیۡہِ السَّلَام کو ملی۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَۙ-وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًاۚ وہاں ایک حجرہ تھا جہاں حضرت مریم عَلَیۡہَا السَّلَام کو رکھا گیا، وہاں خوراک حضرت زکریا عَلَیۡہِ السَّلَام فراہم کرتے۔ ایک دن جونہی حجرے میں داخل ہوئے تو وہاں پہ پھل دیکھے۔ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَاؕ- کہا اے مریم، یہ کہاں سے آگئے، میں تو ابھی آیا ہوں، کھانا تو میں لے کے آتا ہوں، یہ کہاں سے

---

[1] سورۃ آل عمران:36

[2] سورۃ آل عمران:37

آ گئے؟ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ حضرت مریم نے کہا کہ زکریا یہ میرے اللہ نے بھیجے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ[1]۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ‌ۚ-قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً‌ۚ-اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ[1] یہ بڑی معروف دعا ہے حضرت زکریا علیہ السلام کی چونکہ آپ کے ہاں اولاد نہیں تھی، تو اس حجرے میں جب بے موسے پھل دیکھے تو وہاں کھڑے ہو کر یہ دعا کی کہ مولا کریم تو نے مریم کو بے موسے پھل دیے ہیں تو مجھ بے موسے کو اگر اولاد دے دے۔ آگے جا کر ہے کہ جب آپ نے گھر جا کر خوشخبری دی تو آپ کی بیوی نے حیران ہو کر کہا کہ تو بھی بوڑھا ہو گیا ہے اور میں بھی بڑھاپے میں ہوں تو اولاد کیسے ہو گی۔ تو بڑی خوبصورت بات ہے کہ جو رب مریم کو بے موسے پھل دے سکتا ہے تو میں بھی بے موسا ہو گیا ہوں تو مجھے بھی عطا کر سکتا ہے۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ‌ۚ-قَالَ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً‌ۚ۔ ایک بات ذہن میں رکھنا کہ انبیاء کی جہاں بھی دعائیں ہیں، مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی، رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ[2] یا اللہ مجھے صالح اولاد عطا کر۔ زکریا علیہ السلام بھی دعا کر رہے ہیں ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً‌ۚ۔ یا اللہ مجھے پاک اور نیک اولاد عطا کر۔ اللہ سے جب بھی اولاد مانگیں تو نیک اولاد مانگیں۔ یہاں مفسرین نے بڑا نکتہ لکھا ہے کہ نبی تو سب مردوں میں سے آئے۔ آدم سے خاتم تک سب مردوں میں سے آئے، عورتوں میں سے کوئی نبی نہیں بنا۔ لیکن یہ علیحدہ بات ہے کہ نبی آئے سارے ہی ماؤں کی گود میں۔ یہ کمال ہے۔ وقت کا غوث بھی ہو تو اسکی جنت اسکے ماں کے قدموں تلے ہی ہے۔ یہ علیحدہ موضوع ہے۔ ہاں کوئی عورت نبی تو نہیں بنی لیکن نبی آئے سارے عورتوں کے ذریعے ہی۔ یہ بڑا اعزاز ہے۔ سیدہ مریم علیہا السلام، یہ ولایت کے مقام پہ تھی۔ آگے جا کے اور بڑی صفات اللہ نے انکی بیان کی۔ آگے یہ سارا رکوع چل رہا۔ یہاں مفسرین نے بڑا نکتہ جو لکھا ہے کہ یہ بھی نبی کا طریقہ ہے کہ جب پتہ چل جائے کہ کسی کو اللہ نے اپنا بنا لیا ہے، ولایت کے مقام پہ فائز کیا ہے، کسی کو اپنا دوست بنا لیا ہے، تو پھر اس سے دعا کروانا تو بڑی دور کی بات ہے، اسکے قریب کھڑے ہو کر بھی دعا کرنا نبیوں کی سنت ہے۔ پتہ چل گیا نا کہ مریم اللہ کی

---

[1] سورۃ آل عمران:38

[2] سورۃ الصفت:101

بندی ہے تو اب اس حجرے کو وسیلہ بنایا۔ اب یہ نہ کہنا کہ یہ میری اپنی بات ہے، اب اگلی آیت ہے،فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اللہ نے پھر اس محرب کا ذکر کیا، فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ملائکہ نے پھر ندا دی وَ هُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ کہ جب وہ کھڑے تھے نماز کیلئے فِي الْمِحْرَابِ اس محراب میں جو دعا کی، اس مریم کے محراب میں جب کھڑے ہو کر دعا کر رہے تھے۔ یعنی اللہ صرف یہ بھی تو کہہ سکتا تھا کہ زکریا کی دعا سن لی۔ نہیں، جو اس محراب میں کھڑے ہو کر جو دعا کی، جو مریم کے پاس کھڑے ہو کر دعا کی۔ بس دعا کی تو فرشتے نے ندا دی اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى زکریا تو نے میری ولیا کے پاس کھڑے ہو کر دعا کی ہے تو اللہ نے یحیٰی کی بشارت دے دی۔ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ[1] دعا کی تھی نا کہ پاک اولاد تو وہ ساری صفات اللہ نے بتادی۔ ایک مزے کی بات بتاؤں، یہ لفظ سید، اللہ نے صرف یحیٰی علیہ السلام کیلئے استعمال کیا ہے۔ بڑی شان، بڑی عزت دی ہے اللہ نے یحیٰی علیہ السلام کو۔ ہم جو اہل بیت کو سید کہتے ہیں وہ نصِ قطعی سے ثابت نہیں ہے، وہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحَسَن والحُسَيْن سَيِّداشَباب أهْل الجنة[2]، یہ سید کا لفظ نبی پاک کے ذریعے سے۔ لیکن یحیٰی علیہ السلام کو سید، اللہ پاک نے کہا ہے۔ انکی یہ صفات جو لکھی ہیں، مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ اللہ کے کلمے کی تصدیق کریگا، اللہ کا کلمہ کون تھے، عیسیٰ علیہ السلام۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کریگا۔ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ اب جب نبی ہے تو صالح تو ہے ہی، لیکن علیحدہ فرمایانَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ نبی بھی ہو گا اور صالحین میں سے بھی ہو گا۔ وہ زکریا علیہ السلام کا ایک جملہ کہ مجھے پاک اولاد دے، اگر مریم کو بے موسے پھل دے سکتا تو زکریا 90 سال کا ہو گیا ہے تو پھر کیا ہوا۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بے موسما ہو گیا، مولا تیرے لیے تو کوئی مشکل نہیں، تو تو بے موسموں کو بھی پھل دے سکتا ہے۔

دو چیزیں ہم نے آج سیکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جیسی نذر آپ نے ذہن میں سوچی ہوئی تھی ویسا نہ بھی ہو لیکن پھر بھی اسی کے مطابق اسکو پورا کرنا ہے۔ نذر بیٹے کی مانی تھی، بیٹی ہوئی ہے تو اسکو بھی وقف کر دیا ہے، یہ نہیں

---

[1] سورۃ آل عمران:39

[2] عن ابن عمر ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" الحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة وابوهما خير منهما." عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حسن و حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں، اور ان کے والد ان سے بہتر ہیں“ سنن ابن ماجہ:118

کہا کہ چلو اب میں نذر ہی چھوڑ دوں۔ جیسے نذر مانی تھی تو اب اسکو ویسے ہی پورا کرنی ہے کیونکہ اسکو تم نے خود اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ جب پتہ چل جائے کہ اللہ نے کسی کو اپنا دوست بنالیا ہے تو اسکے وسیلے سے اور اسکے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا، یہ نبی نے طریقہ بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نذر کیسے مانی جاتی ہے؟

قرآن: وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُهٗ-وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ-(سورة بقرة: 270)

ترجمہ: اور تم جو خرچ کرو یا کوئی نذر مانو اللہ اسے جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

خاکہ:-

1) نذر دو قسم کی ہوتی ہے۔
2) نذر صرف اللہ کی اطاعت میں جائز ہے۔
3) حضرت مریم علیہا السلام کی نذر
4) امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جائز نذر
5) حلال نذر کو پورا کرنا واجب ہے
6) دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے
7) مخدوم کون ہوتا ہے؟
8) نذر سے تقدیر نہیں بدلتی

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

نذر جو ہوتی ہے وہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک نذر جو ہے وہ حرام ہے اور ایک مطلق ہے، حلال ہے۔ میں سادہ بات کرونگا، تاکہ آپ کو سمجھ آجائے۔ ہر وہ نذر جس میں اللہ کی نافرمانی ہو، وہ حرام ہے۔ جس نذر میں اللہ کی اطاعت نہ ہو، اللہ کی فرمانبرداری نہ ہو، وہ حرام ہوتی ہے۔ دوسری جو مطلق ہے، یہ کبھی مشروط ہوتی ہے اور کبھی غیر مشروط۔ کبھی آپ کہتے ہیں کہ مالک اگر مجھے بیماری سے شفاء مل جائے تو میں ایک درہم صدقہ کرونگا تیری راہ میں، یہ نذر مشروط ہے۔ گذشتہ جمعہ اس پہ گفتگو کی تھی کہ کسی کام کے ہونے کے نتیجے میں کوئی نذر ماننا، یہ مشروط ہے یعنی شرط لگادی۔ اور ایک غیر مشروط ہوتی ہے کہ میری فلاں حاجت پوری ہوجائے تو میں کوئی نیکی کا کام کرونگا، یہ غیر مشروط ہے، اس میں نیکی کا کام کوئی بھی ہوسکتا ہے۔

اب آج کے دور میں جو سب سے بڑی چیز سمجھنے والی ہے کہ ہمارے ہاں رواج ہوتا ہے درباروں پہ نذر ماننے کا۔ میری یہ زندگی ہو، قبر کی ہو، حشر کی ہو، میری جتنی عبادات ہیں، اعمال ہیں، معاملات ہیں، ان سب کا تعلق عقیدے سے ہے۔ قیامت والے دن بھی میرا حساب کتاب عقیدے کے حوالے سے ہونا ہے۔ قبر کے سارے سوال ہی عقیدے کے ہیں۔ تو بنیاد جو ہے وہ عقیدہ ہے۔ اب اگر کوئی شخص کسی دربار پہ جاکے، کسی اللہ کے ولی کو یہ بات کہتا ہے کہ اگر میری فلاں حاجت پوری ہوجائے اور میں اس دربار والے کا نام پکار کر کہوں کہ میں آپ کیلئے صدقہ کرونگا، آپ کیلئے تیل چڑھاوا کرونگا، آپ کیلئے کوئی شرینی تقسیم کردونگا، آپ کیلئے کوئی چٹائی لاکر رکھ دونگا، تو یہ نذر باطل ہے اور حرام ہے، کیونکہ اس میں اللہ کی اطاعت نہیں۔ عقیدہ جو ہے وہ ذہن میں رہے کہ ہر وہ نذر حرام ہے، جس میں اللہ کی اطاعت نہ ہو، فرمانبرداری نہ ہو۔ کیونکہ جہالت میں یہ حرکت کرتے ہیں اور نبی پاک ﷺ کی آمد سے پہلے مشرکینِ مکہ جو نذریں مانتیں تھے بتوں کے نام پہ، انکو حرام اسی لیے قرار دیا گیا تھا۔ بنیادی چیز جو ہے یہ سمجھ لینی ہے۔ یہاں جو درس سننے والے ہیں، انکو تو پتہ ہے کہ ہم کھانا پکاتے بھی اللہ کیلئے ہیں اور کھلاتے بھی اللہ کیلئے

ہیں۔ یہ اس دور کی بہت بڑی مصیبت ہے، جن لوگوں نے درباروں کو کاروبار بنایا ہے وہ ایسی باتیں لوگوں کو نہیں بتاتے، کیونکہ انکا کاروبار متاثر ہوتا ہے۔ اسکی دوسری چیز جو میں نے عرض کی تھی کہ نذر چونکہ عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ کے لیے ہے، یہ بات اگر ذہن میں ہو تو آپ متزلزل نہیں ہو سکتے۔ پہلی بات تو ہے کہ نذر صرف اللہ کی اطاعت میں ہے، اسکے علاوہ آپ کسی بھی بڑے ولی کی اطاعت میں کرینگے تو وہ باطل ہو جائے گی۔ اس کی جائز صورت صرف ایک ہی ہوتی ہے کہ یا اللہ میں نذر تیرے لیے مانگ رہا ہوں کہ یہ بیماری سے مجھے شفاء مل جائے، میرا فلاں کام ہو جائے تو میں فلاں دربار پہ جو غرباء اور مساکین ہیں انکو اللہ کی رضا کیلئے کھانا کھلاؤنگا، فلاں مدرسے کے فقراء کیلئے اہتمام کردونگا، امام اعظم ابو حنیفہ کی خانقاء میں جو غرباء بیٹھے ہیں انکی ضروریات پوری کردونگا۔ یہ ہے اسکی جائز صورت۔ اب اس میں جو اہم بات ہے وہ یہ ہے کہ وہ نذر جو آپ نے مانی تھی کہ یا اللہ میرا فلاں کام کردے تو میں فلاں مدرسے میں، مسجد میں، خانقاہ پہ یہ یہ کام کرونگا، اللہ کی رضا کیلئے، اب وہ نذر کسی امیر کیلئے استعمال نہیں ہو سکتی۔ اس میں اغنیاء نہیں کھاسکتے، اسکو غنی نہیں کھاسکتے، سیّد اسکو استعمال نہیں کرسکتے، حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی آل وہ نذر استعمال نہیں کرسکتی، اور اس دربار کا متولی وہ نذر استعمال نہیں کرسکتا۔ ان تین کیلئے وہ نذر جائز نہیں۔ ایک صورت تو یہ ہو گئی جائز۔ دوسری صورت اسکی یہ ہے کہ یا اللہ جو کچھ میں تیری بارگاہ میں عرض کررہا ہوں، تیرا قرب حاصل کرنے کیلئے یا اپنی کوئی حاجت پوری کرنے کیلئے، اس سے جو تُو مجھے ثواب دیگا وہ میں اس ولی کی بارگاہ میں پیش کرونگا۔

اگر کسی شخص نے یہ نذر مان لی کہ میں فلاں ولی کا قرب حاصل کرنے کیلئے یہ نذر مانتا ہوں، تو یہ کفر ہے۔

یعنی اگر وہ نذر قرب حاصل کرنے کیلئے مانی ہے تو بھی اللہ کا ہی حاصل کرنا ہے۔ اسلیے یہ جو میں کہتا ہوں نا کہ توحید کا عقیدہ جو اللہ کے ولیوں نے بتایا ہے، وہ مولویوں کو کیا پتہ۔ یہ توحید کا عقیدہ مولوی نہیں بیان کرسکتا۔ اللہ کا ولی ہی سب سے بڑا توحید پرست ہوتا ہے۔

یہ تو میں نے مطلقاً چیزیں عرض کردیں۔ ایک نذر ہم نے حضرت مریم عَلَيْهَا السَّلَامُ کی والدہ کی قرآن کریم سے سیکھی تھی۔ ایک نذر وہ ہے جو حضرت مریم عَلَيْهَا السَّلَامُ کو اللہ نے حکم دیا فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا کہا مولا کریم، جب

میں یہ بچہ لیکر جاؤنگی تو لوگ سوال کرینگے۔فَقُوْلِيْٓ اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا[1] کہامریم تم ان سے کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کیلئے آج روزے کی نذر مان لی۔ تجھے بولنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس نذر کا اللہ کا حکم دیا۔ بہر حال یہ تو علیحدہ قصہ ہے۔ بڑا صدمہ تھا جو اللہ کی خاطر برداشت کیا۔ سیدہ مریم علیہا السلام کی پارسائی، انکی طہارت لیکن وہ جملہ جو ہے، دل ہلا دیتا ہے جو یروشلم کے یہودی علماء نے کہا کہ اے مریم، نہ تو تیرا باپ ہی بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔ یہ تو بچہ کہاسے لے آئی۔ اے ہارون کی بہن،يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ، بہن تو نبی کی ہے،مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا[2] نہ تو تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی، اور تیرا بھائی نبی تھا، پھر تُو نے یہ کیا کام کیا۔ ذرا تصور کریں اس وقت انسان پہ کیا گزرتی ہے۔ پیدائش کے وقت سیدہ مریم نے بھلا کیا کہا،قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا[3] کاش کے میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور لوگ مجھے بھول گئے ہوتے۔ لیکن اپنے ان جذبات کو قربان کیا کہ کرونگی وہی جو میرے اللہ کی مرضی ہے، اللہ کے حکم میں رکاوٹ نہیں آئے گی۔ بہر حال یہ نذر کی بات تھی۔

پہلی امتوں کیلئے سجدہ تعظیمی جائز تھا لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ امام الانبیاء ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھی سجدہ تعظیمی حرام قرار دیا۔ یہ امت اب سجدہ تعظیمی بھی کر سکتی۔ قرآن نے دو سجدوں کا ذکر کیا ہے، ایک فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، یہ تعظیمی سجدہ تھا اور دوسرا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو کیا، یہ سجدہ بھی تعظیمی تھا۔ لیکن یہ امت اب کسی کو تعظیم کے طور پہ بھی سجدہ نہیں کریگی۔ اسی طرح اس امت کیلئے یہ نذر بھی جائز نہیں جو پچھلی امتوں میں تھی۔ اس امت کیلئے صرف وہ نذر جائز ہے جو عبادت واجب یا فرض کے درجے میں ہو۔ اسکو اچھی طرح سمجھ لیں۔ میں کونسی نذر مان سکتا ہوں جو عبادت فرض یا واجب کے درجے میں ہو۔ اس کے علاوہ نذر باطل ہے۔ مثلاً اگر کوئی بندہ یہ نذر مان لے کہ اگر مجھے فلاں بیماری سے شفاء ملے گی تو میں اللہ کے ذکر کی دس تسبیحاں کرونگا، تو یہ نذر جائز نہیں۔ کیونکہ یہ ذکر فرض اور واجب کے درجے میں نہیں ہے۔ میں دس

---

[1] سورۃ مریم:26

[2] سورۃ مریم:28

[3] سورۃ مریم:23

نوافل پڑھونگا، تو یہ جائز نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ جو کھانا کھلانا ہے، یہ کیسے جائز ہوا؟ کہ فلاں جگہ مساکین بیٹھے ہیں، اگر مجھے بیماری سے شفاء مل جائے تو میں انکو کھانا کھلا دوں۔ ہاں کھانا جو ہے، جب کوئی بندہ قسم توڑتا ہے تو دس مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے[1]۔ تو وہ کھانا، کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی صورت میں واجب قرار دیا گیا ہے۔ جب کوئی روزہ توڑتا ہے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے۔ اسلیے اسکی نذر مانی جاسکتی ہے جو کبھی واجب کے درجے میں رہا ہو۔ میں روزہ رکھونگا، روزہ چونکہ واجب کے درجے میں رہا ہے۔ نوافل ہیں، عبادت ہے، لیکن اس امت کا مقام دیکھیئے کہ یہ نوافل کی نذر بھی نہیں مان سکتی۔ اس امت نے اپنے مقام کو پہچانا ہی نہیں۔ یعنی وہ نذر جو نبیوں کی مائیں مانا کرتی تھیں، اس امت کے عام بندے کا یہ معیار ہے کہ اب تُو وہ نذر نہیں مانے گا جو پہلی امتیں مانا کرتی تھیں۔ تو محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام ہو، تمہاری شان اور ہو، تمہارا مقام اور ہے۔ اب یہ نہیں ہے کہ بندہ کسی حرام چیز کی نذر مان لے، جو پچھلے جمعہ عرض کیا تھا۔ نہیں، اگر آپ نے نوافل کی بھی نذر مانی ہے تو وہ نذر نہیں ہے، نذر اس چیز کی ماننی ہے جو کبھی واجب اور فرض کے درجے میں رہی ہو۔

اب یہ قرآن کہہ رہا ہےوَ لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ[2] اب ان نذروں کو پورا کرو۔ امام مالک، امام بخاری اور امام ترمذی نے بھی اس پہ حدیث روایت کی کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ کی اطاعت کی نذر ہے، اس اطاعت کو پورا کرو اور جو معصیت کی نذر ہے اسکو پورا نہ کرو[3]۔ پہلے تو یہ پتہ ہو کہ کونسی عبادت میرے پہ فرض اور واجب کے درجے میں رہی ہے، تو وہ نذر آپ مان سکتے ہیں۔ پھر اس نذر کو پورا کرنا آپ پہ واجب ہو جاتا ہے۔ یہ نصِ قطعی ہے ناوَ

---

[1] اللہ تمہاری بے مقصد (اور غیر سنجیدہ) قَسموں میں تمہاری گرفت نہیں فرماتا لیکن تمہاری ان (سنجیدہ) قَسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں تم (ارادی طور پر) مضبوط کر لو، (اگر تم ایسی قَسم کو توڑ ڈالو) تو اس کا کفّارہ دس مسکینوں کو اوسط (درجہ کا) کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا (اسی طرح) ان (مسکینوں) کو کپڑے دینا ہے یا ایک گردن (یعنی غلام یا باندی کو) آزاد کرنا ہے، پھر جسے (یہ سب کچھ) میسر نہ ہو تو تین دن روزہ رکھنا ہے۔ یہ تمہاری قَسموں کا کفّارہ ہے جب تم کھا لو (اور پھر توڑ بیٹھو)، اور اپنی قَسموں کی حفاظت کیا کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں خوب واضح فرماتا ہے تاکہ تم (اس کے احکام کی اطاعت کر کے) شکر گزار بن جاؤ۔ (سورۃ المائدہ:89)

[2] سورۃ الحج:29

[3] عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے اس کی نذر مانی ہو کہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے اطاعت کرنی چاہیئے لیکن جس نے اللہ کی معصیت کی نذر مانی ہو اسے نہ کرنی چاہیئے۔ صحیح مسلم:6696

لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ اپنی نذروں کے جو عہد ہیں وہ پورا کرو، اگر اللہ کی اطاعت میں نہیں ہیں تو پھر انکو چھوڑ دو۔ ایک بنیادی قانون میں آپکو بتادوں، مخلوق میں سب سے بڑا مقام کس کا ہے؟ بلا شبہ میرے اور تمہارے آقا و مولا، امام الانبیاء ﷺ کا مقام ہے۔ جیسے اللہ جل جلالہ خالق ہونے کے اعتبار سے لاشریک ہے، ویسے ہی محمد ﷺ مخلوق میں لاشریک ہے۔ امام الانبیاء جو ہو گئے، امام کا تو آپ کو پتہ ہی ہے کہ امام کے نہ کوئی آگے کھڑا ہو سکتا ہے اور نہ کوئی برابر کھڑا ہو سکتا ہے۔ جب آپ امام الانبیاء کہیں تو آپکو پتہ ہو کہ کوئی نبی اور رسول نہ میرے آقا ﷺ کے آگے کھڑا ہو سکتا ہے اور نہ کوئی برابر کھڑا ہو سکتا ہے۔ یہ امام الانبیاء کی تعریف ہے، یہ امام الرسل کی تعریف ہے۔ دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے، یہ بنیادی اُصول ذہن میں رکھنا۔ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ سورۃ بقرہ کے شروع میں ہی یہ بات بیان کر دی۔ وہ ہستی جو اس کائنات میں اللہ کی محبوب ہستی ہے اور سب سے بڑے مقام والی ہستی ہے، انہوں نے بھی یہ کبھی نہیں کہا کہ میں دینے والا ہوں۔ "والله المعطي وانا القاسم" عطا اللہ ہی کرتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں[1]۔ اب اس عقیدے کی سمجھ آئی نا، اس امت کو اس مقام پہ کیوں رکھا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ ہی فرمادیں کہ اللہ عطا کرتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں، جب دینے والا صرف ایک ہی ہے تو پھر نذر کسی اور کی نہیں مانی جا سکتی۔

دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ مثلاً آپ علم حاصل کرنے کیلئے آتے ہیں اور میں اپنی حیثیت اور اللہ کی توفیق سے آپکو چند آیات عرض کر دیتا ہوں۔ میں آپکو دے نہیں رہا، یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں، کبھی بھی ذہن میں یہ نہ آئے کہ مجھے کوئی دے سکتا ہے اللہ کے سوا، تو جب میں دے ہی نہیں سکتا تو میرا کسی پہ احسان کیا ہو سکتا ہے۔ اس دنیا کے سارے تکبر اور غرور ختم ہو جاتے ہیں، جب اس معطی پہ ایمان آجائے کہ دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ باقی سب درجہ بدرجہ تقسیم کرنے والے ہیں کبھی کسی کو نہ کہنا کہ میں دے رہا ہوں۔ سب تقسیم کرنے والے ہیں۔ اب اسکی مرضی ہے، جسکی ڈیوٹی لگا دے تقسیم کرنے پہ۔ اس لیے اللہ کے ولیوں کے ہاں جو عقیدہ ملتا

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ دے دیتا ہے۔ اور دینے والا تو اللہ ہی ہے میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اپنے دشمنوں کے مقابلے میں یہ امت (مسلمہ) ہمیشہ غالب رہے گی۔ تا آنکہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے اور اس وقت بھی وہ غالب ہی ہوں گے۔" صحیح بخاری:3116

ہے وہ مخلوق کی خدمت کا ملتا ہے، دینے کا نہیں ملتا۔ وہ کہتے ہیں کہ دے تو تُو سکتا ہی نہیں، دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے، تُو صرف تقسیم کر سکتا ہے، کس کو؟ اسکو جو اس نے تجھے دیا ہے۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ اللہ تعالیٰ نے رزق کے معاملے میں تم پہ ایک دوسرے کو فضیلت دی ہے، کچھ کو کم دیا ہے اور کچھ کو زیادہ دیا ہے۔ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ جنکو ہم نے رزق زیادہ دیا ہے، قرآن کے الفاظ بھی کمال کے ہیں بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ وہ اپنا رزق لوٹا دیں، دینے کا تو اللہ نے کبھی حکم ہی نہیں کیا، اَوقات ہی کیا ہے کسی کی۔ وہ رزق لوٹا دیں، وہ کسی اور کا تھا، تجھے امتحان کیلئے دیا ہے۔ اگر اللہ فرماتا نا کہ وہ دے دو تو پھر احسان ہوتا، اللہ اگر کہتا نا کہ جنکو فضیلت دی ہے رزق میں، وہ رزق غریبوں کو دے دیں تو پھر احسان ہوتا، لیکن نہیں، فرمایا لوٹا دیں۔

ایک تو صرف اللہ کی اطاعت میں آپ نذر مانیں، دوسرا یہ کہ صرف واجب اور فرض عبادتوں میں آپ نذر مانیں۔ اور کبھی اللہ کے علاوہ کسی کے قرب کی بھی آپ نذر نہیں مان سکتے۔ یہ جو درباروں پہ بیٹھیں ہیں، یہ جھوٹ بولتے ہیں، انہوں نے لوگوں کو برباد کر دیا۔ دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ باقی نبی ہیں، ولی ہیں، علماء ہیں، والدین ہیں تو یہ سب تقسیم کرنے والے ہیں۔ اگر کسی کو یہ کیڑا ہے نا کہ میں دے رہا ہوں مسجد کو، مدرسے کو، غریبوں کو، مساکین کو، تو وہ اپنا عقیدہ درست کر لے، بندہ صرف خدمت کر سکتا ہے، دے نہیں سکتا۔ اب یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جب اس مقام پہ انسان آجاتا ہے کہ میں صرف خدمت کر سکتا ہوں، دے نہیں سکتا تو پاک پیغمبر ﷺ نے بڑا عظیم جملہ ارشاد فرمایا مَن خَدَمَ، خُدِمَ جس نے خدمت کی وہی مخدوم ہوا۔ لیکن جو کہتے ہیں کہ ہم دیتے ہیں، انکو یہ مقام نہیں ملتا۔ مخدوم کا معنی ہے جسکی خدمت کی جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کائنات کو اس کی خدمت پہ لگا دیتا ہے۔ کیا کرنا ہے؟ خدمت۔ انسان ایک دوسرے کی خدمت کر سکتا ہے، دے نہیں سکتا۔ جب پاک پیغمبر ﷺ فرمائیں کہ اللہ دینے والا ہے اور میں تقسیم کرنیوالا ہوں تو کوئی بدبخت کیسے کہ سکتا ہے کہ میں دیتا ہوں۔

اب آخری بات، نبی پاک ﷺ نے نذر سے منع فرمایا ہے۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ آقا ﷺ نے فرمایا کہ نذر سے تقدیر نہیں بدلتی۔ دعا کے سوا کوئی چیز تقدیر کو نہیں بدل سکتی۔ فرمایا کہ نذر سے تقدیر تو نہیں بدلتی، بس یہ بخیل کی جیب سے پیسے نکلواتی ہے۔ اب آپ کہیں گے کہ پہلے یہ فرما دیا کہ یہ صرف اللہ کی اطاعت میں

ہو، پھر فرمایا کہ یہ صرف واجب اور فرض کے درجے میں ہو اور آخر میں یہ بھی فرمادیا کہ نذر سے تقدیر نہیں بدلتی۔ اسلام نے اس مقابل میں ایک تصور دیا ہے، یہ ہم نے جو سیکھا اور پچھلی امتوں میں بھی تھا لیکن سرکار ﷺ نے دوٹوک بات فرمادی کہ نذر سے تقدیر نہیں بدلتی۔ یہ تو بخیل کی جیب سے پیسے نکلواتی[1]۔ اب اگر تم نے اللہ سے کوئی بات منوانی ہے تو وسیلہ اختیار کرو۔ وقت ہو گیا، آج صرف اتنا عرض کر دوں، ایک بندہ کہتا ہے کہ مجھے شفاء مل جائے تو میں روزہ رکھونگا اور دوسرا روزہ رکھ کے کہتا کہ مولا مجھے اس روزے کے صدقے شفاء دے دے۔ یہ فرق ہے، اسلام آپ کو یہاں لا کر کھڑا کرتا ہے کہ اللہ سے پہلے شرط نہ باندھ، پہلے بندگی کر، پھر مانگ۔ مشروط نہ کر کہ تُو شفاء دیگا تو روزہ رکھونگا، نہیں، روزہ پہلے رکھ۔ بندگی پہلے کر، صدقہ خیرات پہلے کر۔ تو یہ وسیلہ کا تصور اصل میں سلام نے دیا۔ اسلام آپکو بہت آگے لیکر جانا چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

[1] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نذر انسان کو کوئی ایسی چیز نہیں دیتی جو اس کے مقدر میں نہ ہو، البتہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ بخیل سے اس کا مال نکلواتا ہے اور اس طرح وہ چیزیں صدقہ کر دیتا ہے جس کی اس سے پہلے اس کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ صحیح بخاری:6694

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ نذر کسی چیز کو نہیں لوٹاتی، نذر صرف بخیل کے دل سے پیسہ نکالتی ہے۔ صحیح بخاری:6608

نذر سے بہتر وسیلہ ہے

قرآن: وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ-وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔(سورة بقرة: 270)

ترجمہ: اور تم جو خرچ کرو یا کوئی نذر مانو اللہ اسے جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں۔

خاکہ:

1) کونسی نذر مانی جاسکتی ہے۔

2) اردو اور عربی میں نذر کا مفہوم۔

3) نذر سے بہتر نظریہ۔

4) وسیلہ کس کس چیز کا۔

5) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ۔

6) تابوت سکینہ کا وسیلہ۔

7) نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ۔

8) دینے والی ذات صرف ایک ہی ہے۔

9) شیطان کا سب سے بڑا وسوسہ۔

10) بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا خط۔

11) اللہ کے علاوہ سب وسیلے ہیں۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

جب آپ نے اللہ کی بارگاہ میں نذر ماننی ہے تو صرف ان چیزوں کی مان سکتے ہو جو کبھی واجب یا فرض کے درجے پر رہی ہوں۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ مجھے بیماری سے شفاء مل جائے تو میں سبحان اللہ کی دو تسبیح کرونگا، تو یہ نذر نہیں، کیونکہ سبحان اللہ کی تسبیح کرنا واجب یا فرض نہیں۔ اگر کوئی کہتا کہ میری فلاں نذر پوری ہو جائے تو میں قرآن کی تلاوت کرونگا۔ ویسے تو قرآن پڑھنا سنت ہے لیکن نماز میں یہی قرآن واجب کے درجے میں ہے۔ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا اور ساتھ میں کوئی سورۃ ملانا؛ تو یہ نذر جائز ہے۔ روزہ کی نذر آپ مان سکتے ہو، کیونکہ وہ فرض اور واجب کے درجے میں ہے۔

نذر کی تعریف ہم نے یہ کی تھی، "ایسی عبادت جو آپ پر واجب نہیں تھی لیکن آپ نے کسی کام کے پورا ہونے پر اسے اپنے اوپر واجب کر لیا"۔ اب نذر چونکہ عبادت ہے تو وہ اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔ اب آپ یہ نذر نہیں مان سکتے کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو میں فلاں دربار پر دیگ دوں گا۔ یہ کفر کے درجے کا گناہ ہے۔ نذر عبادت ہے، اس لیے اللہ کے سوا جائز نہیں۔ اور عبادت بھی وہ جو کہ فرض یا واجب کے درجے میں ہو۔ ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو میں فلاں دربار پر بیٹھے مساکین کو کھانا کھلاؤں گا اللہ کے لیے۔ اللہ کے لیے ہی کام کرنا ہے جو بھی کرنا ہے۔ کھانا پکانا بھی اللہ کے لیے اور تقسیم بھی اللہ کے لیے کرنا ہے۔ آپ اسکا ثواب ولیوں کی بارگاہ میں پیش کر سکتے ہیں۔

"نذر" کا اردو زبان میں مطلب ہوتا ہے "تحفہ"۔ عربی میں جب نذر آیگا تو پھر جو تعریف پہلے بیان ہوئی۔ ہر زبان کے اپنے معنی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ "مکر" کا اردو میں ہم معنی لیتے ہیں "دھوکہ"۔ لیکن عربی میں اسکا مطلب کچھ اور ہے۔ قرآن میں ہے کہ واللہ خیر الماکرین [1]، اور اللہ ہی بہتر تدبیر کرنیوالا ہے۔ قرآن میں جب مکر کا لفظ آیا تو اس کا مطلب ہے تدبیر۔ شاعر جب کہتا کہ میں یہ شعر آپ کی نذر کر رہا ہوں تو اسکا مطلب ہوتا ہے کہ تحفہ کر رہا ہوں۔ آپ کوئی سوٹ لیکر آئے اور اپنے ماں یا باپ کو کہا کہ میں آپکی نذر کر رہا ہوں تو اسکا معنی تحفہ ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے استاد کو پیش کیا، پیر و مرشد کو پیش کیا، مہمان کو پیش کیا، تو یہاں نذر کا معنی تحفہ ہے۔ کسی دوست نے پوچھا تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میر افلاں کام ہو جائے تو میں داتا صاحب چادر چڑھاؤنگا۔ تو یہ چادر چڑھانا عبادت نہیں ہے لیکن نذر عبادت ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ نذر سے تقدیر نہیں بدلتی، یہ تو بخیل کے جیب سے پیسے نکلواتی ہے۔ نذر سے کچھ نہیں ہوتا لیکن یہ جائز کہ درجے میں ہے۔

اسلام نے نذر سے بہتر وسیلہ کا تصور دیا ہے۔ ایک بندہ یہ کہتا ہے کہ اگر مجھے بیماری سے شفاء مل جائے تو میں روزہ رکھونگا، اس نے اللہ کیساتھ مشروط بات کر دی کہ اگر میرا یہ کام ہو گا تو میں روزہ رکھونگا۔ یہ بھی جائز ہے۔ دوسرا بندہ ہے وہ پہلے روزہ رکھ لیتا ہے پھر کہتا ہے کہ مولا اگر تجھے میری بندگی پسند ہے تو اسکے وسیلے سے میرا یہ کام کر دے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مشہور واقع ہے جو بندے غار میں پھنس گئے تو انھوں نے اپنی اپنی نیکیوں کا وسیلہ دے کر دعا کی اور غار کا منہ کھل گیا۔

[1] سورۃ آل عمران:54

وسیلہ ذات کا بھی ہوتا ہے، صفات کا بھی اور اسماء کا، اشیاء کا۔ نبی ﷺ نے دعا سکھائی کہ جب اللہ سے دعا کرو تو کہا کرو کہ اللہ تمہیں ان ناموں کا صدقہ دے جو تم نے اپنے نبی پاک کو سکھائے۔ یا اللہ تمہیں ان اسماء کا صدقہ جو تو نے قرآن میں لکھے۔ اللہ کے اسماء کا وسیلہ [1]۔ پھر سب سے بڑا وسیلہ اللہ کے پیارے محبوب حضرت محمد ﷺ۔ یہ قریباً ستر فیصد تاریخ اور سیرت کی کتب میں لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام نے آخر میں یہی کہا تھا کہ یا اللہ وہ نام جو میں نے تیرے نام کیساتھ دیکھا تھا اس محمد ﷺ کا واسطہ، میری توبہ قبول فرمالے [2]۔

ایک شخص نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ بڑی خشک سالی ہے، فصلیں جل گئیں، جانور مر رہے ہیں، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش بھیج دے۔ اب نبی ﷺ کسی کا وسیلہ نہیں دیتے وہ تو اللہ سے "direct" مانگتے ہیں۔ دعا کے لیے آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے، بارش شروع ہوگئی یہاں تک کہ صحابہ فرماتے ہیں کہ مسجد سے گھر تک کے لیے گھٹنوں تک پانی تھا۔ لیکن میں آپ کو ایک اور جگہ لیکر آنا چاہتا ہوں۔ راوی بیان کرتا کہ عجیب منظر تھا، سرکار عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے تھے، جمعہ کا ہی دن تھا، بالکل ویسے ہی ایک بندے نے سوال کر دیا، اے امیر المومنین بڑی خشک سالی ہے، فصلیں جل رہی ہیں، جانور مر رہے ہیں، دعا کریں۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تاریخ الخلفاء" میں لکھا ہے۔ تمام علماء بیان کرتے ہیں چاہے کسی فرقے کا ہو۔ سرکار عمر

---

[1] سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بھی کسی کو کوئی فکر و غم اور رنج و ملال لاحق ہو اور وہ یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ إِنِّی عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ...... وَذَہَابَ ہَمِّی، (اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، میرے بارے میں تیرا حکم جاری ہے اور میرے بارے میں تیرا فیصلہ عدل والا ہے، میں تجھ سے تیرے ہر اس خاص نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تو نے خود اپنا نام رکھا ہے یا اسے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھلایا ہے یا علم الغیب میں اسے اپنے پاس رکھنے کو ترجیح دی ہے کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار اور میرے سینے کا نور اور میرے غم کو دور کرنے والا اور میرے فکر کو لے جانے والا بنا دے)۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے فکر و غم اور رنج و ملال کو دور کر کے اس کے بدلے وسعت اور کشادگی عطا کرے گا۔ کہا گیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم یہ کلمات سیکھ نہ لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں، ہر سننے والے کو یاد کر لینے چاہئیں۔ مسند احمد، فقہی ترتیب، انسان کو پریشان کرنے والی آفات اور عوارض کے وقت کیے جائے والے اذکار کا بیان، پریشانی، رنج اور غم کے وقت کے اذکار کا اور اس آدمی کی دعا کا بیان، جس کو کوئی معاملہ مغلوب کر دے، حدیث:5576

[2] عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ : " لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ ، قَالَ : يَا رَبِّ ، أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَا غَفَرْتَ لِي ، فَقَالَ اللَّهُ : يَا آدَمُ ، وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ أَخْلُقْهُ ؟ قَالَ : يَا رَبِّ ، لأَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِي فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا لا إِلَهَ إِلا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ، فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلَى اسْمِكَ إِلا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ ، فَقَالَ اللَّهُ : صَدَقْتَ يَا آدَمُ ، إِنَّهُ لأُحِبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ ادْعُنِي بِحَقِّهِ ، فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَوْلا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ " المستدرك على الصحيحين، رقم الحديث: 4159

فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک نظر سب کو دیکھا پھر فرمایا کہ نبی ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو لیکر آؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پاس بلایا اور انکا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ یا اللہ میں تیری بارگاہ میں تیرے نبی ﷺ کے چچا کا وسیلہ لیکر آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ میں کونسا چھوٹا ہوں ؟ کیا تربیت کی ہے پاک پیغمبر ﷺ نے۔ آجکل یہ کہتے ہیں کہ میں کونسا چھوٹا مولوی یا پیر ہوں۔ اپنی بڑائی بیان ہی نہیں کی۔ سادہ سے جملے میں کتنی گہرائی ہے، مولا میں تیری بارگاہ میں تیرے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ بنا کر لایا ہوں۔ کسی صحابی نے نہیں کہا کہ عمر نے شرک کیا یا بدعت کی۔

اسلام نے ہمیں وسیلہ کا تصور دیا۔ ایک اللہ کے ولی نے عجیب وسیلے کی دعا سکھائی۔ مجھے بڑا سکون ہوتا ہے۔ ایک بندے نے کہا میں کس کے وسیلے سے دعا کروں تو انہوں نے کہا کہ جب دعا قبول نہ ہو رہی ہو تو پھر اللہ کی بارگاہ میں یہ عرض کرو کہ مولا کریم تجھے اس محبت کا واسطہ جو تجھے مجھ سے ہے۔ اس محبت کے واسطے میرا کام کر دے۔

قرآن میں تابوت سکینہ کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل کو جب کوئی فتح نہ ہو رہی ہوتی تو وہ تابوت سکینہ سامنے رکھ کر اس کے وسیلے سے دعا مانگا کرتے تھے۔ طالوت اور جالوت کا واقعہ قرآن کریم میں ہے۔ طالوت حق پر ہے، کیسے پتہ چلے گا؟ اللہ نے فرمایا وہ صندوق جو تم سے گم ہو گیا ہے اور تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوتیں وہ فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہو گا اور نشانی یہ ہو گی کہ یہ بندہ حق پہ ہو گا۔ جس کے لیے وہ تابوت واپس کر دیا۔ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُؕ-اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۠ ۔[1] "اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا: اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ تابوت آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور معزز موسیٰ اور معزز ہارون کی چھوڑی ہوئی چیزوں کا بقیہ ہے، فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ بیشک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔" اللہ فرماتا ہے اس صندوق میں کیا تھا۔ کس کا وسیلہ دیتے تھے ؟ اس صندوق میں کچھ موسیٰ علیہ السلام اور

[1] سورۃ بقرۃ:248

ہارون علیہ السلام کی چیزیں تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصاء مبارک تھا، انکی قمیص تھی۔ تورات کا نسخہ تھا۔ اب پاکوں کیساتھ جو چیزیں لگ جاتی ہیں وہ بھی وسیلے کا باعث بنتی ہیں۔ جیسے امہات المومنین فرماتی ہیں کہ انکے ہاں جب کوئی بیمار آجاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص پانی میں بھگو کر انکو پانی پلا دیتیں۔ خانہ کعبہ کا کپڑا پکڑ کر لوگ دعائیں کرتے ہیں۔ خانہ کعبہ کا اپنا مقام ہے لیکن جو کپڑا اسکے ساتھ ہے وہ وسیلے کا باعث ہے۔ میں صرف اشارے کر رہا ہوں۔ یعنی اللہ کے اسماء، انبیاء اور انکی اشیاء، اولیاء کا وسیلہ جو ہے یہ دعا کی قبولیت میں سب سے اہم ہے۔ پھر جو چیزیں ہیں حجرِ اسود ہو، مقام ابراہیم ہو۔ پتھر ہی ہیں لیکن صاحب نسبت ہیں تو قبولیت کا باعث ہیں۔

دہلی کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ بارش نہیں ہو رہی تھی، لوگ آئے علماء کے پاس نماز استسقاء کے لیے۔ مسلمان باہر نکلے دعا کیلیے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ دعا کیلیے خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا جائے۔ آپ کو جب لوگ بلانے آئے تو فرمایا کہ تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ اپنے حجرے سے گٹھری اٹھائی اور اسکو ساتھ لیکر آئے۔ لوگ دیکھنے لگے کہ یہ گٹھری اٹھائی ہوئی ہے۔ آپ نے اسکو کھولا اور اس میں سے ایک چادر نکالی اور وہ چادر اپنے سر پر رکھ کر کہا اے مولا یہ چادر میری ماں کی چادر ہے۔ میں تیری بارگاہ میں اپنی ماں کا وسیلہ لیکر آیا ہوں۔

نذر صرف اللہ کے لیے ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔ اس میں ایک عقیدہ سمجھ لیں، دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ جب اس کائنات کی سب سے بڑی ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عطا کرنیوالا اللہ ہے اور میں تو صرف تقسیم کرنیوالا ہوں۔ دینے والی ذات ایک ہی ذات ہے۔ باقی نبی ہو، ولی ہو، والدین ہوں، وہ صرف تقسیم کرنیوالے ہیں۔ یہ بنیادی نظریہ ہے۔ میری ساری حاجات اور ضرریات پوری کرنیوالی ذات اللہ کی ہے۔ انسان کے ذہن میں وسوسہ ابلیس ڈالتا ہے کہ تیری ضروریات تیرے والدین پوری کرتے ہیں۔ تیرے علم کی ضرورت تیرا استاد پوری کرتا ہے۔ تنخواہ تمہیں حکومت سے ملتی ہے یا مالک دیتا ہے۔ تجھے دینے والے تو بہت ہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ اسلام نے وسیلہ کا تصور ہی اس لیے دیا کہ دینے والی ذات ایک ہی ہے۔ اسکے علاوہ کوئی بھی دیگا تو وہ وسیلہ ہو گا، وہ رب نہیں ہو گا۔ جب وسیلہ کا تصور پختہ ہو گا تو شرک نہیں ہو گا۔ مشرک ہو گا ہی وہی جو درمیان سے وسیلہ کو نکالے گا۔ پھر وہ کسی اور کو بھی دینے والا سمجھ لے گا۔

وسوسہ اور الہام میں جو فرق ہے اسکو حکمت کہتے ہیں۔ (یہ علیحدہ موضوع ہے)۔ شیطان کا سب سے بڑا وسوسہ ہی یہی ہے کہ اس دنیا میں اور بھی دینے والے ہیں اللہ کے سوا۔ جب انسان کو یہ لگتا ہے کہ اللہ کے سوا بھی کوئی دینے والا ہے تو وہ پھر حرام کی طرف جاتا ہے، جھوٹ بھی بولتا ہے، بددیانتی بھی کرتا ہے۔ جب اسکو پتہ ہو کہ دینے والی ذات صرف اللہ ہی کی ہے اور باقی تو محض تقسیم کرنیوالے ہیں تو پھر وہ حرام کے کاموں کیطرف نہیں جاتا، وہ اپنے اللہ پر یقین رکھتا ہے۔

بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بندہ آ گیا۔ آ کر کہتا ہے کہ سلطان التمش آپکا پیر بھائی ہے، آپکی عزت کرتا ہے۔ آپ اسے خط لکھیں جو میری بیٹیاں جوان ہیں، میں نے انکی شادی کرنی ہے، کوئی مدد کر دے میری۔ تو باباجی سرکار خط لکھتے ہیں، اے بادشاہ وقت، میں اللہ کے بعد اس بندے کا معاملہ تیرے سامنے رکھ رہا ہوں۔ اسکی بچیوں کی شادی ہے، اسکی کوئی مدد کر دے۔ جب اسکی مدد کر دے تو اللہ کا شکر ادا کرنا کہ تجھے اس نے توفیق دی اور اسکی مخلوق کے کام آیا۔ اگر تو اسکی خدمت نہ کر سکا تو تُو کر بھی کیا سکتا ہے تُو تو خود اللہ کا محتاج ہے۔ یہ ہے اللہ کے ولی کی توحید۔ کیا سفارشی رقعہ لکھا ہے۔

ہمیں جو بھی والدین، اساتذہ، مالک وغیرہ سے مال، علم کچھ بھی ملے تو شکر ادا کریں اللہ کا اور اسکو وسیلہ سمجھے۔ یہاں میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان وسیلوں کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا اللہ کا (بھی) شکر ادا نہیں کرتا"[1]۔ جس نے اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکر نہیں کیا۔ جس نے ماں باپ کا احترام نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی نہیں کیا۔ جس نے استاد کی عزت نہیں کی اس نے اللہ کی بھی نہیں کی۔ ہدایت اللہ نے دی ہے لیکن وسیلہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا۔ اب جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت نہیں کی تو اس نے اللہ کی بھی نہیں کی۔ کتنا صاف ستھرا عقیدہ ہے کہ دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ باقی سب وسیلے ہیں جنکی وجہ سے آپکو ملتا ہے۔ عزت وسیلوں کی بھی کرنی ہے تاکہ آپ اللہ کی بھی عزت کرنے کے قابل ہوں۔ دھیان جب بھی اٹھے تو اللہ کی طرف اٹھے۔

[1] سنن ابو داؤد: 4811

وسیلہ اصل میں آپکو شرک سے دور رکھتا ہے۔ آپکو پتہ ہوتا ہے کہ یہ دینے والا نہیں ہے، درمیان میں وسیلہ ہے۔ آپکی نگاہ کبھی بھی ادھر اُدھر نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور صادقین (سچوں) کیساتھ ہو جاؤ

قرآن: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (سورة توبہ: 119)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

خاکہ:-

(1) رجب کا مہینہ۔

(2) معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سلطان الہند۔

(3) ولایت کا لغوی معنی۔

(4) توحید کے پانچ حصار۔

(5) اقتدار اللہ کی صفت۔

(6) ایمان اور تقویٰ کے بعد صادقین کیساتھ ہو جاؤ۔

(7) صادقین قیامت تک موجود ہیں۔

(8) حسن سنجری کا بچپن۔

(9) محبت کا اظہار ادب ہوتا ہے۔

(10) معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کا حصول علم اور بیعت۔

(11) صدیقین کا آخری مرحلہ۔

(12) برصغیر میں تبلیغ اور کثیر تعداد میں مسلمان کرنا۔

(13) اللہ سے اللہ مانگنا۔

(14) صادقین کا ذکر زندہ رہتا ہے۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

رجب حرمت والے مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے۔ تین مہینے لگاتار آتے ہیں، ذیقعدہ، ذوالحج اور محرم۔ رجب درمیان میں آتا ہے۔ اسلام سے قبل بھی یہ عزت والے مہینوں میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چار مہینوں کو خصوصی عزت عطا فرمائی۔ لیکن اب اسکی پہچان پاک پیغمبر ﷺ کے معراج کے حوالے سے ہے؛ اس ماہ مبارک میں اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کو معراج کے معجزے سے نوازا۔ رجب کا چاند دیکھ کر جو دعا نبی پاک ﷺ فرماتے تھے اس میں تین مہینوں کا ذکر ہوتا تھا۔" اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ، وَشَعْبَانَ، وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ "اے اللہ تو ہمیں رجب اور شعبان میں برکتیں عطا فرما اور ہمیں رمضان سے ملا[1]۔ نبی پاک ﷺ رمضان کی تیاری رجب سے ہی شروع فرمادیتے تھے۔ 13 رجب کو سرکار مولا علی کرم اللہ وجہہ کی ولات کا دن ہے اور 6 رجب کا دن سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیریؒ کے وصال اور عرس کا دن ہے۔ اسی حوالے سے برصغیر پاک و ہند میں 6 رجب کو چھٹی شریف سے بھی پکارا جاتا ہے۔

بڑی بڑی فضیلتیں بیان ہوئیں لیکن معین الدین، دین کا مددگار برصغیر پاک وہند میں وہ ہستی ہیں جس نے نہ صرف خاندانِ چشتیاں کو فیض یاب کیا بلکہ دوسرے سلاسل کو بھی بہت نوازا۔ حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جب آپکی قبر انور پر حاضر ہوا تو سرکار نے باطنی طور پر بہت نوازا۔ شیخ شہاب الدین سہر وردی رحمۃ اللہ علیہ غوث پاک رضی اللہ عنہ کی تربیت میں رہے بعد میں خواجہ غریب نواز کے پاس آکر فیض حاصل کیا۔ اسلیے خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض صرف چشتیوں کیلیے نہیں ہے بلکہ سہر وردیوں، نقشبندیوں اور قادریوں کیلیے بھی ہے۔ اس لیے کہ یہ علاقہ میرے پیغمبر ﷺ نے عطا فرمایا ہے معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کو۔

[1] والطبراني في "معجمه الأوسط":(4/189، رقم الحديث:3939)

"ولایت" کا لفظ آپ سنتے ہیں اور ولی کا مطلب اللہ کا دوست لیتے ہیں۔ ولایت کا لغوی معنی ہے اقتدار۔ انما ولیکم اللہ[1]، یہ اقتدار تو صرف اللہ کا ہے۔ آج یہ میرا موضوع نہیں لیکن یہ فرق سمجھ لیں۔ حمد اور مدح میں کیا فرق ہے؟ معنی تو دونوں کے تعریف کے ہی ہیں لیکن دونوں میں فرق ہے۔ "حمد" اللہ کی ہوتی ہے جسکا اقتدار ذاتی ہے، قدیم ہے، ازل سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ "مدح" اسکی ہوتی ہے جسکو اقتدار عطا کیا جاتا ہے۔

توحید کے پانچ حصار ہیں۔ سب سے پہلا حصر توحیدِ وجودی ہے۔ وجود اس کائنات میں ایک ہی ہے اور وہ اللہ کی ذات ہے۔ وجود کا معنی جسم نہیں ہے۔ عربی والے کہتے ہیں کہ اشیاء انکی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ وجود کا متضاد ہے عدم۔ عدم کا معنی ہے نہ ہونا۔ اب جب وجود کا معنی کرینگے تو اسکا معنی ہوا "ہونا"۔ جب ہم توحید وجودی کی بات کرتے ہیں تو اسکا مطلب ہے "ہے صرف اللہ" باقی سب کچھ جو ہے وہ اسکی وجہ سے ہے۔ توحید کا دوسرا حصر توحیدِ صفاتی ہے۔ جیسے اللہ قدیم ہے اسکی صفات بھی قدیم ہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں اور اپنے کام میں کسی کو مددگار نہیں بناتا۔ میں صرف اجمالی بات عرض کردوں۔ توحید کا تیسرا حصر توحیدِ فعلی ہے۔ نہج البلاغہ میں میرے مولا علی سرکار کرم اللہ وجہ الکریم نے فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور یہ کائنات اللہ کا فعل ہے۔ فاعلِ حقیقی صرف ایک ہی ذات ہے۔ توحید کا چوتھا حصر معبود ہونا ہے۔ عبادت کے لائق صرف ایک ہی ذات ہے وہ اللہ کی ہے۔ پانچواں حصر اطاعت ہے۔ اطاعت بھی اللہ کے سوا کسی کی نہیں۔ یہ پانچ حصر ہیں جن میں اللہ کی توحید کو بیان کیا جاتا ہے۔

صفات میں سے ایک صفت اقتدار، ولایت ہے۔ اصل اقتدار اس کائنات میں اللہ کا ہے۔ آپ کو سننے کو ملیگا سیاسی لوگ یہ گفتگو کرتے ہیں کہ اقتدار کا سرچشمہ عوام ہے۔ جمہوریت میں یہی بات ہوتی ہے کہ عوام سے اقتدار لیا جاتا ہے۔ ذاتی اقتدار صرف اللہ کا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا، باقی دنیا میں اگر کوئی اقتدار میں آتا ہے تو وہ اللہ کے حکم سے۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ٘-وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ[2]- جب ہم اللہ کے اقتدار کی بات کرینگے تو اسے حمد کہیں گے اور اگر کہیں گے کہ برصغیر پاک وہند

---

[1] سورۃ مائدہ:55

[2] سورۃ آل عمران:26

کا اقتدار معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کو عطا کیا تو اسکو مدح کہتے ہیں۔ آٹھ سو سال سے اوپر گزر گئے وصال کو، آج بھی بر صغیر کے لوگوں کے دلوں پر جو حکومت ہے وہ کیوں قائم ہے۔ اسلیے کہ جنکو عوام اقتدار دیتی ہے وہ چھن جاتا ہے اور جنکو اللہ اقتدار دیتا ہے انکا چھنتا نہیں۔

یہ جو آیت ہمارا آجکا موضوع ہے، اللہ فرما رہا کہ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو۔ ایمان اور ہے اور تقویٰ اور ہے۔ دونوں علیحدہ ہیں۔ اس پر پھر تفصیلاً گفتگو ہو گی۔ ایمان والوں کو قرآن میں بہت جگہوں پر جھڑکیاں پڑیں لیکن تقویٰ والوں کو اللہ نے کبھی نہیں جھڑکا۔ بلکہ تقویٰ والوں کے لیے فرمایا: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ[1]، اللہ کی بارگاہ میں جو عزت والے ہیں وہ متقی ہیں۔ ایمان والوں کو یہاں تک جھڑکی دے دی یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ[2]۔ "اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم لے آئے گا جن سے اللہ محبت فرماتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں"۔ ایمان والوں کو یہاں بھی جھڑکی دے دی، یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ[3]، خبردار تمہاری آواز میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ ہو۔ لیکن پورے قرآن میں متقی کو کبھی جھڑکی نہیں پڑی۔ لیکن کیا عجیب مقام ہے کہ ایمان بھی ہے اور تقویٰ بھی لیکن اللہ چاہتا ہے کہ کونو مع الصادقین، تقویٰ کے بعد تمہیں عزت تو مل گئی ہے، اب کوئی سچا تلاش کرو جسکے ساتھ ہو جاؤ۔

مفسرین کرام نے چاہے وہ کسی بھی مکتبہ فکر سے ہوں اس بات پر متفق ہیں کہ اگر اللہ نے حکم دیا ہے کہ سچوں کیساتھ ہو جاؤ تو اسکا مطلب ہے کہ جب تک یہ دنیا موجود ہے، سچے موجود ہیں۔ اگر سچے موجود نہ ہوتے تو اللہ حکم ہی نہ دیتا کہ سچوں کیساتھ ہو جاؤ۔ سچا کون ہوتا ہے؟ ایک معنی میں عرض کر دوں، سچا وہ ہوتا ہے جسکی طلب میں صرف اللہ ہوتا ہے۔ جسکی طلب میں اللہ نہ ہو وہ سچا نہیں ہوتا۔

---

[1] سورۃ حجرات:13

[2] سورۃ مائدہ:54

[3] سورۃ الحجرات:2

حسن سنجری کی چودہ سال کی عمر میں والدہ فوت ہو گئیں، پندرہ سال کی عمر میں والد بھی انتقال کر گئے۔ انگوروں کا ایک باغ ہے ایک پن چکی ہے اور پندرہ سال کا حسن محنت مزدوری کرتا ہے۔ بس کیا ہوا کہ ایک دن اللہ کے ولی ابراہیم قندوزیؒ باغ میں آ گئے۔ یہ ویسے بڑی عجیب بات ہے کہ اتنی بڑی ہستی کے سامنے جو اللہ کا ولی کھڑا ہے وہ مجذوب کھڑا ہے۔ جونہی باغ میں آئے اس بچے نے دیکھا کہ اللہ کا ولی ہے، صادق آگیا، اللہ کا طالب آگیا ہے۔ بچے نے ہاتھ باندھ کر سلام عرض کی، حسنی حسینی سید ہیں، سیدوں کو تو ادب کا پتہ ہوتا ہے۔ جن کو ادب کا پتہ نہ ہو وہ سردار نہیں ہوتے۔ انگوروں کے خوشے توڑے، انکو پانی سے دھویا اور اس ادب واحترام سے اللہ کے ولی کے سامنے پیش کیے کہ اللہ کا ولی عالم لاحوت سے عالم ناصوت میں آ گیا۔

کئی دفعہ یہ جملہ سننے کو ملتا ہے کہ ادب تو دل میں ہوتا ہے۔ نہیں۔ یہ بکواس ہے۔ دل میں محبت ہوتی ہے، اس محبت کا اظہار ادب ہوتا ہے۔ ادب دل میں نہیں ہوتا، جنہوں نے نہیں کرنا ہوتا وہ یہ بکواس کرتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دل میں محبت ہو اور پھر ادب کی صورت میں اسکا اظہار نہ ہو۔ اللہ کی شان میں کوئی جملہ ہو، کوئی آیت تلاوت ہو یا پاک پیغمبرؐ کی شان میں کوئی جملہ ہو، تو کسی کی زبان سے بے تحاشا سبحان اللہ، واہ واہ، کیا بات ہے نکلتا ہے اور کچھ میں کوئی کیفیت پیدا ہی نہیں ہوتی۔ میں تو نہیں کہتا کسی کو کہ درود پڑھو، یہ کوئی چھوٹی بات ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ-یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۔[1] اللہ مدح بیان کرتا ہے، اللہ نعت پڑھتا ہے، اللہ ستائش کرتا ہے۔ اس کے بعد بھی کسی کی روح جذباتی نہیں ہوتی تو مجھے کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ درود پڑھو۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ دل میں محبت ہو اور زبان سے اسکا اظہار نہ ہو۔ دل جھوم اٹھتا ہے اپنے نبی کی تعریف سن کے۔ اللہ کی شان سن کے کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

دل میں محبت تھی اللہ کی تو اللہ کے ولی کو دیکھا تو معین الدین حسن رحمۃ اللہ علیہ ادب پر اتر آئے۔ ادب سے انگور پیش کیے۔ یہ ادب دیکھا ابراہیم قندوزی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ایک سوکھا روٹی کا ٹکڑا لیا۔ اسکو اپنے دہانے مبارک میں چبایا اور معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے منہ میں ڈال دیا۔ بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جونہی وہ روٹی کا ٹکڑا اندر

---

[1] سورۃ احزاب:56

گیا عرش تک سارے پردے معین الدین رحمۃ اللہ علیہ پر کھل گئے۔ پھر میں نے عرض کیا تھا ناں کہ صادق ہوتا کون ہے جسکی طلب میں صرف اللہ ہو۔ اگلے ہی دن باغ بک گیا، پن چکی بک گئی۔ علم حاصل کرنے کبھی سمرقند، کبھی بخارا، کبھی بغداد، کبھی نیشاپور اور کبھی اسفہان، جہاں کہی سے پتہ چلتا کہ وہاں کوئی عالم دین ہے، قرآن اور حدیث کا عالم ہے، علم حاصل کیا۔ اصول تفسیر، اصول فقہ، اصول حدیث، غرض تمام ظاہری علوم حاصل کیے۔ علم میراث پر دسترس تھی آپکو۔ پھر نیشاپور میں خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی؛ شیخ سے بیعت کی۔ میں صادق پر آپکو لیکر آنا چاہتا ہوں۔ بیس سال شیخ کی خدمت میں گزارے۔ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اقتدار اللہ نبیوں کو عطا کرتا ہے پہلے۔ نبوت علم اور حکمت کی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ اسلیے نبی جسکو علاقہ عطا کرتے ہیں بغیر علم کے نہیں کرتے۔ اگر کسی نے ظاہری علوم مدارس، کالجوں، یونیورسٹیوں سے نہ بھی حاصل کیے ہوں تو پہلے نگاہ سے علم ملتا ہے پھر ولایت ملتی ہے۔ بیس سال شیخ کیساتھ گزارے، شیخ نے ساتھ لیا اور حج کیلیے لے گئے۔ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑا، بیت اللہ کے قریب جاکر کہا مولا میں اپنا یہ مرید تیرے سپرد کر رہا ہوں۔ آواز آئی عثمان ہم نے تو پہلے ہی اسے اپنی محبت میں پالیا۔ اللہ کے سپرد کیا۔ اللہ نے قبول فرمالیا۔ روزہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری ہوئی، سلام عرض کیا۔ جواب آیا، لوگوں نے سنا۔ معین الدین، قطب المشائخ کا لقب میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔

طلب حق میں، اللہ کی طلب میں انسان اور کچھ نہیں مانگتا۔ صادقین کا آخری مرحلہ عرض کردوں۔ یہ سب کے فہم کی بات نہیں۔ پتہ ہے ناں کہ نبیوں کے بعد صدیقین کا مقام ہے۔وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ١ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓىِٕكَ رَفِيْقًاؕ [1]۔ صادق اس وقت بنتا ہے جب یہ بھی نہیں کہتا کہ مجھے اللہ سے محبت ہے، اسلیے کہ محبت اور اللہ دو الگ چیزیں ہیں۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ میں صرف اللہ کا طالب ہوں، محبت کے شرک کو بھی وہ برداشت نہیں کرتا۔ پھر وہ صدیقین کی فہرست میں آتا ہے۔

[1] سورۃ النساء:69

معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں سے اجازت مل گئی۔ بر صغیر میں کفار کی تعداد زیادہ ہے تو وہاں کا رخ کیا۔ کوئی مولوی ہوتا تو کہتا کہ مسجد میں بیٹھ کر تبلیغ کرتے ہیں۔ اللہ کے ولیوں نے جہاں شرک کے گڑھ تھے وہاں جا کر تبلیغ کی۔ مسجد میں تبلیغ بہت آسان کام ہے۔ پرتھوی راج کے سامنے جہاں بڑے بڑے مندر اور شرک کے مراکز تھے وہاں آکر تبلیغ کی۔ ایک جملہ آپکو سننے کو ملتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نوے لاکھ لوگوں کو کلمہ پڑھایا۔ کیا اس وقت کوئی کاپی پنسل لیکر لکھ رہا تھا؟ کیسے پتہ چلا تھا کہ نوے لاکھ لوگوں نے کلمہ پڑھا؟ آپ سورۃ قدر پڑھتے ہیں، لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ہزار سے آگے کا ہندسہ جو تھا وہ بتا دیتا اللہ۔ ہزار مہینوں کے برابر نہیں، بہتر ہے۔ قرآن نے خیر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اصل میں ہزار کا مطلب کثرت تھا۔ رحمتیں کتنی نازل ہوتی ہیں، لاکھوں کروڑوں، کسی کو پتہ نہیں۔ چونکہ عربوں میں اصطلاح چلتی تھی ہزار کی۔ انکی یہ آخری figure ہوتی تھی۔ اسی طرح قرآن اور احادیث میں ستر کا ہندسہ ملتا ہے۔ ستر ماؤں سے زیادہ۔۔۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس منافق کے لیے ستر مرتبہ بھی دعا کریں۔۔۔ ستر کا ہندسہ کثرت کو ظاہر کرتا ہے۔ نہیں تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اکہتر مرتبہ دعا کر لیتے۔ اسی طرح بر صغیر میں 90 کا لفظ کثرت کیلیے استعمال ہوتا ہے۔ اب جو جاہل ہے وہ کہتا ہے کہ کون گن رہا تھا 90 لاکھ، بیوقوف 90 کا لفظ کثرت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

اتنے لوگوں کو کلمہ پڑھایا آپ نے، لیکن میں آپکو کوئی اور حوالہ دینے لگا ہوں۔ میں آپکو لفظ صادق اگر سمجھانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ معین الدین، دین کا مددگار، ہر کام اللہ کی رضا کیلیے کرنیوالا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ (معین الدین) کا وصال ہوا۔ پیشانی مبارک پر لکھا گیا۔ "ھذا حبیب اللہ" یہ اللہ کا دوست۔ یہ کوئی مولوی نہیں بیان کر رہا بلکہ ایک بہت بڑا محدث بیان کر رہا ہے۔ یہ جن کی پیشانی پر لکھا جاتا ہے ناں اللہ کا محبوب، یہی صدیقین ہیں۔ وہ صادق جس نے ساری زندگی مولا کو طلب کیا۔ لوگ تو خانہ کعبہ جا کر بھی دنیا ہی مانگتے پھرتے ہیں۔ ساری زندگی لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتے رہے لیکن کبھی اللہ کو طلب ہی نہ کیا۔ ساری زندگی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے رہے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی طلب ہی نہ کیا۔ اللہ کے گھر جا کر بھی دنیا مانگی، کبھی کہا ہی نہیں کہ مولا تو مل جا۔ ہمارے اللہ والے کہتے ہیں کہ

سب کچھ مانگ لیا تجھ سے مگر تجھ کو نہ مانگا،

حد ہے توہینِ دعا ہوئی ہم سے

ہمیں تو دعا کا سلیقہ نہ آیا، سب کچھ مانگ لیا لیکن کبھی اللہ کی طلب ہی نہ کی۔ کبھی سحری کے وقت اٹھ کے یہ کیفیت ہی نہیں پیدا ہوئی کہ مولا اپنی پہچان کا کوئی ذرہ عطا فرمادے۔ کبھی دعا میں مانگا ہی نہیں کہ مولا اپنی محبت کا کوئی قطرہ عطا فرمادے، اپنے رسول ؐ کی محبت کا کوئی قطرہ عطا فرمادے۔ ایک موقع پر غوث پاک اپنی کتاب فتوح الغیب میں فرماتے کہ محبوب سے محبوب کے سوا مانگنا ہی تو شرک ہے۔

یہی وہ طالب صادق ہیں جنھوں نے ساری زندگی مولا کی طلب میں گزاری، پھر ان کی پیشانیوں پر لکھا جاتا ہے کہ یہ اللہ کا محبوب اللہ کی محبت میں فوت ہو گیا۔ جس کے ذکر سے آج مردہ دل زندہ ہو رہے ہیں، اسکی صحبت کا کیا عالم ہو گا، اسکی نگاہ کی کیا کیفیت ہو گی۔ اس آیت میں اللہ یہ کہہ رہا کہ سچوں کیساتھ ہو جاؤ۔ تم سچے بن نہیں سکتے تو کسی سچے کیساتھ ہی لگ جاؤ۔ "مع" کا مطلب ہے ساتھ۔ ایمان بھی آگیا، تقویٰ بھی آگیا، لیکن اگر اس منزل (صادق) تک نہیں پہنچ سکتے تو کسی سچے کا ذکر ہی کر لیا کرو۔ اس لیے میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ نبی اور شہید تو نہیں ہونگے لیکن قیامت والے دن نور کے منبروں پر بیٹھے ہونگے، انکی آپس میں کوئی رشتہ داری نہیں ہو گی، وہ محبت کرینگے تو اللہ کیلیے کرینگے اور بغض رکھیں گے تو وہ بھی اللہ کیلیے۔ اللہ ان کا ذکر باقی رکھتا ہے جنہوں نے ساری زندگی اللہ کی طلب میں گزاری[1]۔

---

[1] سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! سنو، سمجھو اور جان لو کہ اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں، جو انبیا ہیں نہ شہدائ، لیکن شہداء و انبیاء اُن پر رشک کریں گے، اس کی وجہ ان کا اللہ تعالیٰ سے قرب اور اس کے ساتھ مجلس ہو گی۔ دور والے لوگوں سے ایک بدّو آیا اور اپنا ہاتھ نبی کریم ﷺ کی طرف ڈالا اور کہا: اے اللہ کے رسول! ایسے لوگ ہیں، جو انبیاء ہیں نہ شہداء، لیکن انبیاء و شہداء ان کی بیٹھکوں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے قرب پر رشک کریں گے، ہمارے لیے ان کی صفات بیان کرو اور ان کو واضح کرو۔ بدّو کے سوال سے رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: یہ غیر معروف قبائل کے نامعلوم النسب لوگ ہیں، ان کی آپس میں رشتہ داریاں نہیں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور آپس میں خالص تعلق رکھتے ہیں، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اُن کے لیے نور کے منبر بنائے گا، ان پر ان کو بٹھائے گا، ان کے چہروں اور کپڑوں کو نور بنائے گا، لوگ قیامت کے دن گھبرائیں گے، لیکن وہ نہیں گھبرائیں گے، یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں کہ (فرمانِ الٰہی کے مطابق) جن پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ مسند امام احمد: 9459

اقوال:-

- صادق وہ ہوتا ہے جسکی طلب میں صرف اللہ ہو۔
- محبت دل میں ہوتی ہے اور اس کا اظہار ادب کی صورت میں ہوتا ہے۔
- نبوت علم اور حکمت کی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔
- محبوب سے محبوب کے سوا مانگنا شرک ہے۔

دین اصل میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا ہے

قرآن: وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ‌ؕ-وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ(3) ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُؕ-وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (4) سورۃ جمعہ

آیت: اور ان سے (بعد والے) دوسرے لوگوں کو (بھی یہ رسول، پاک کرتے اور علم دیتے ہیں) جو ان (موجودہ لوگوں) سے ابھی نہیں ملے اور وہی بہت عزت والا، بڑا حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے اسے دے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

خاکہ:-

1) نبی ﷺ کے ذمہ چار کام
2) آخرین اور ان کو فیض سینہ بہ سینہ
3) بچپن میں عمل کرنا
4) پیر کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ
5) عجمی لوگوں کا دین کیلیے کام
6) یوسف رفاعی کا جملہ
7) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ
8) حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ
9) خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ
10) اصلِ دین میں کوئی اختلاف نہیں

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کو مبعوث فرمایا اور چار کام ذمہ لگائے: قرآن کی آیات کی تلاوت کرنی، لوگوں کو پاک کرنا، پاک ہونے کے بعد علم اور حکمت عطا کرنا۔هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۗ-وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ[1]۔ "وہی ہے جس نے امیّوں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔"

اب بعد میں آنیوالے جو آپ ﷺ سے نہیں ملے، جنھوں نے نبی پاک ﷺ سے فیض حاصل کیا انکے بعد جو لوگ آنیوالے ہیں، انہوں نے صحابہ کرام سے اور نبی پاک ﷺ کے غلاموں سے ملاقات نہیں کی۔ انکے لیے اللہ فرمارہا ہے کہ انکے لیے بھی وہی اجر جو صحابہ اور نبی ﷺ کے غلاموں کیلیے ہے۔ یہ فیض انکے لیے بھی جاری کریگا۔ اور آیت (3) کے اگلے حصے میں بات فرمائی کہ اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ اسکے لیے کچھ مشکل نہیں ہے کہ بعد میں آنیوالوں کو فیض دے، وہ غالب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی پاک ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو ایک شخص نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ آخرین کون لوگ ہیں جن کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ بعد میں آنیوالے ہیں۔ نبی پاک ﷺ اس پر خاموش رہے، اس نے دوسری مرتبہ پوچھا پھر آپ ﷺ خاموش رہے۔ اتنے میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انکی ٹانگ پر ہاتھ رکھ کر نبی

[1] سورۃ جمعہ: 2

پاک ﷺ نے فرمایا یہ فرزندانِ فارس، اگر دین ثریا پر بھی چلا جائے گا تو وہاں سے بھی لے آئیں گے[1]۔ نبی پاک ﷺ کے اس ارشاد سے بعد میں دنیا حیران ہوئی کہ صحابہ نے کوئی کتاب نہیں لکھی، ہاں یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کوئی کتاب نہیں لکھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث کی کوئی کتاب نہیں لکھی۔ اس وقت یہی تھا کہ جو دین نبی پاک ﷺ نے دیا وہ سینہ بہ سینہ آگے منتقل ہو رہا تھا۔ اسلیے جب آپ حدیث کی سند دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں اس نے فلاں سے سُنا اور اُس نے آگے فلاں سے سُنا، پھر آخر میں صحابی یا تابعی تک پہنچ جائیں۔

اگلے دن ایک بندہ مجھے کہہ رہا تھا کہ علم تو وہ ہے جو کتابی ہوتا ہے۔ سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ اب میں نے دو یا تین سال کی عمر میں لفظ "اللہ" بولا تھا تو میں نے کیا کسی کتاب سے پڑھ کر بولا تھا؟ نہیں بلکہ مجھے کسی نے سکھایا تھا۔ میں نے جب پہلی دفعہ سات سال کی عمر میں نماز پڑھی تھی تو کسی کتاب سے دیکھ کر نہیں پڑھی تھی۔ روزہ کوئی کتاب سے دیکھ کر نہیں رکھا تھا۔ یہ کتابیں تو بہت بعد میں لکھی اور پڑھی گئیں۔ یہ دین صحابہ نے محفوظ کیا اور سینہ بہ سینہ ہمارے تک پہنچا۔ 90 فیصد مسلمان آج بھی جس دین پر عمل پیرا ہیں وہ سینہ بہ سینہ ہی آرہا ہے۔ اسلیے اَصل دین جو نبی پاک ﷺ دیکر گئے ہیں اس پر کوئی اختلاف نہیں کر سکا۔ سب نے نماز قبلہ رخ ہو کر ہی پڑھنی ہے۔ نمازیں پانچ فرض ہیں، روزے رمضان کے ہی فرض ہیں۔ ان میں آج تک کوئی اختلاف نہیں کر سکا کیونکہ یہ علم کتابوں کے ذریعے سے نہیں پہنچا۔

کتابوں میں تو لوگوں نے اپنے اپنے فرقے کا کام کیا ہے اور انتشار پیدا کر دیا ہے۔ پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب ضیاء القرآن (قرآن کی تفسیر) لکھی، اسکی رونمائی کی تقریب منعقد ہوئی اور بہت سے علماء اور مشائخ اس تقریب میں اکٹھے ہوئے۔ پیر کرم شاہؒ نے جب آخر میں خطبہ دیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے قرآن کی تفسیر لکھ دی ہے لیکن یہ وہ علم نہیں جو نبیوں کا وارث بنا تھا۔ چونکہ سارے علماء یہ حدیث پیش کر رہے تھے ناں، "العلماء

[1] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے کہا: اللہ کے رسول! یہ کون لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ نے کیا ہے کہ اگر ہم پلٹ جائیں گے تو وہ ہماری جگہ لے آئے جائیں گے، اور وہ ہم جیسے نہ ہوں گے، سلمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے سلمان رضی اللہ عنہ کی ران پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: "یہ اور ان کے اصحاب، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ایمان ثریا کے ساتھ بھی معلق ہو گا تو بھی فارس کے کچھ لوگ اسے پالیں گے۔ سنن ترمذی: 3261

وارثۃ الانبیاء" علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء درہم و دینار چھوڑ کر نہیں جاتے، انکی وراثت علم ہوتا ہے [1]۔ یہ تو اب دین کی ہدایت دینے والوں نے سمجھ لیا کہ دنیا کا مال ہی وراثت ہوتی ہے۔ اس حدیث پر گفتگو ہو رہی تھی تو پیر کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ میں نے قرآن کی تفسیر لکھ دی ہے لیکن یہ وہ علم نہیں جو نبیوں کا وارث بناتا تھا۔ بڑی حیران کن بات تھی کہ قرآن کی تفسیر کے متعلق یہ بات کہہ رہے ہیں۔ پھر آپؒ نے فرمایا کہ مجھے پتہ ہے کہ بڑی حیرانگی ہوئی ہے میرے اس جملے سے۔ عرب، عجمیوں کو مانتے ہی نہیں لیکن یہ پیر کرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ الازہر کے گولڈ میڈلسٹ ہیں۔ یہ انہی میں سے ہیں کہ انکے متعلق میرے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دین اگر ثریا پر بھی پہنچ جائیگا تو یہ لے آئینگے۔ لیکن وہ شخص یہ جملہ کہہ رہا ہے کہ یہ علم انبیاء کا وارث نہیں بناتا۔ مفسر قرآن کہہ رہا ہے، جسکے سامنے عرب بھی گھٹنے ٹیک گئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جو علم انبیاء کا وارث بناتا ہے وہ سینہ بہ سینہ آتا ہے اور کسی کی نگاہ سے ملتا ہے، وہ علم کتابوں سے نہیں ملتا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ یہ فرزندان فارس دین کو ثریا سے بھی لے آئینگے تو آپ دیکھیں کہ تابعین کے بعد امام بخاری عربی نہیں ہیں، امام مسلم عربی نہیں، حاکم نیشاپوری بہت بڑے محدث ہیں وہ بھی عربوں میں سے نہیں۔ یہ سارے فرزندان فارس ہیں۔ یہ عجمی ہیں۔ شاہ ولی اللہ عربی نہیں ہیں۔ پیر کرم شاہ، مفسر قرآن عربی نہیں ہیں۔ لوگوں کو اب شک ہوتا ہے کہ میرے پیغمبر کو علم غیب نہیں تھا۔ میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وہاں فرما رہے تھے جہاں صحابہ نے بھی کتابیں نہیں لکھیں، تابعین نے بھی نہیں، 200 سال کے بعد یہ کام شروع ہوا۔ سرکار انکو 200 سال پہلے بتا رہے ہیں کہ آخرین دین کو ثریا سے بھی واپس لے آئینگے اور وہ عربی نہیں ہونگے۔

1994ء میں یوسف بن سید ہاشم رفاعی دورے پر پاکستان آئے، اس وقت وہ کویت کے وزیر تعلیم تھے۔ بہت بڑی علمی شخصیت ہیں۔ یہاں وہ دورے پر آئے تو انہوں نے ایک جملہ کہا کہ ہم عرب ضرور ہیں لیکن جتنی

[1] ابو الدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "جو شخص طلب علم کے لیے راستہ طے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اسے جنت کی راہ چلاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی بخشش کی دعا کرتے ہیں یہاں تک کہ مچھلیاں پانی میں دعائیں کرتی ہیں، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے چودھویں رات کی تمام ستاروں پر، اور علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور نبیوں نے اپنا وارث درہم و دینار کا نہیں بنایا بلکہ علم کا وارث بنایا تو جس نے علم حاصل کیا اس نے ایک وافر حصہ لیا"۔ سنن ابو داؤد: 3641

عربی عجمیوں کو آتی ہے، ہمیں بھی نہیں آتی۔ یہ اعتراف عربی بھی کرتے ہیں کہ جتنا دین کا کام عجمیوں نے کیا ہے وہ عربوں نے نہیں کیا۔

یہ جو آخرین ہیں، (موضوعِ آیت میں جنکی بات ہے) قیامت تک آنیوالے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جنکو تمام مسالک کے لوگ مانتے ہیں اور انکی تفسیر جلالین کو باقاعدہ نصاب میں پڑھاتے ہیں۔ انکا ایک خط تفسیر، تبیان القرآن میں دیکھا۔ ایک شخص نے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ بادشاہ کے دربار میں میری سفارش کر دیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں بادشاہ کے دربار میں نہیں جاسکتا۔ اگر میں بادشاہ کے دربار میں جاتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ کا در چھوٹ جایئگا۔ بادشاہ کے در پر جانے سے دوجہاں کا بادشاہ ناراض ہو جایئگا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ جاگتے ہوئے آپ کو نبی پاک ﷺ کی 75 مرتبہ زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ قرآن کی آیت کیا کہہ رہی ہے کہ نبی پاکؐ بعد میں آنیوالوں کو بھی علم عطا فرماتے رہینگے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کو فرماتے ہیں کہ دیکھو میرا بادشاہ کے پاس نہ جانا امت کے فائدے میں ہے، جب کبھی مجھے کسی رائے میں اختلاف ہو اور روایت کے ضعف ہونے میں شک ہو تو میں نبی پاک ﷺ سے پوچھ لیتا ہوں کہ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ نہیں۔ کیا یہ چھوٹا فائدہ ہے امت کا؟ لیکن یہ مشاہدہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اب دیکھیے امام کیا فرمارہے ہیں کہ میری توجہ تھوڑی دیر کیلیے بھی دنیا کے بادشاہ کی طرف ہوگئی تو وہ کائنات کا بادشاہ مجھ سے ناراض ہو جایئگا۔ ہمارے بزرگانِ دین نے لوگوں کو یہی تعلیم دی ہے کہ تمہاری نظر جب بھی اٹھے تو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی طرف اٹھے۔

دنیا میں سلام دعا نہ بناتے پھرو، نہیں تو یہی کہو گے کہ بے وفائی ہوگئی۔ گلے شکوے کرتے پھروگے۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ بادشاہِ وقت آپکی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب جانے لگا تو کہنے لگا کہ حضور آپ بھی کبھی میرے غریب خانے پر تشریف لائیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ مجھے یہاں مخلوق خدا کی خدمت سے فرصت ہی نہی ملتی، اسلیے میں نہیں آسکتا۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا پھر مجھے کوئی کام بتائیں، میں وقت کا بادشاہ ہوں آپکا کوئی کام کر دوں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایاہاں تیرے لیے بھی ایک کام ہے۔ بادشاہ خوش ہوگیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

کہ آج آیا ہے پھر نہ آنا۔ اس نے کہا حضور وہ کیوں؟ آپ نے فرمایا یہاں لوگ دین سیکھنے آتے ہیں، اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلیے آتے ہیں، رسول اللہ کے ارشادات سیکھنے آتے ہیں۔ لوگوں کی یہ کتنی خالص نیت ہے کہ ہمیں اللہ کا قرب مل جائے۔ اگر یہاں بادشاہ آنے لگ گیا تو انکی نیتیں خراب ہونے لگ جائینگی۔ شیطان انکے ذہن میں وسوسے ڈالنے لگ جایئگا کہ بادشاہ کا میاں میر کے ہاں آنا جانا ہے تو کوئی سفارش کروالیں۔ اسلیے یہ جو لوگ خالص اللہ کیلیے یہاں آتے ہیں ان پر احسان کرو اور آئندہ یہاں نہ آنا۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جب خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر حاضر ہوئے تو وہاں انہوں نے نظم لکھی۔ کافی لمبی نظم ہے، چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا

بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا

ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم

نظامِ مہر کی صورت نظام ہے تیرا

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی

مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

لیکن یہ مشاہدہ تو اقبال کو ہی نصیب ہوا، وہاں اور لوگ بھی تو قبر پر جاتے ہیں۔ یہ تو اپنے اپنے ظرف کی بات ہے۔ اب آپ اُلو کے سامنے لاکھ دلیلیں دیں کہ سورج بڑا روشن ہے، اسکو نظر ہی نہیں آتا تو وہ کب مانے گا۔ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو جب بادشاہِ وقت نے پیغام بھجوایا آنے کا، لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ تو ایک دن بادشاہ نے کہا کہ میں ہی چلا جاتا ہوں ملنے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ چونکہ وزیر تھے، آکر بتا دیا کہ بادشاہ خود ملنے آرہا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "نگاہ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے۔ فقیر کیا سمجھتا ہے بادشاہوں کو، وہ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر بیٹھا ہے۔ اس کی نگاہ میں دنیا کی چیزیں کیا معنی رکھتی ہیں"۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بادشاہ سے جا کر کہنا کہ میں نے اپنے حجرے کے دو دروازے رکھے ہیں، بادشاہ ایک سے آئیگا تو میں دوسرے دروازے سے نکل جاؤنگا۔ یہ دو

دروازے اصل میں تمثیل ہے، ایک دروازہ دنیا کا ہے اور دوسرا دین کا ہے۔ اگر دنیا ایک درازے سے داخل ہو گی تو میں حجرہ ہی چھوڑ دونگا۔ بادشاہ دنیا کی علامت ہے۔ لیکن بادشاہ آگیا اپنے لشکر لیکر، خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے غلاموں کو کہا کہ آگے کھڑے ہو جاؤ در گاہ کے، بادشاہ کو اندر نہ آنے دینا۔ بادشاہ نے جب غلاموں کے تیور دیکھے کہ یہ تو جان بھی دید نگے اپنے شیخ کے حکم پر تو اس نے رقعہ لکھا۔ اس نے کہا کہ یہ کیسی درویشی ہے کہ جہاں سائلوں کیلیے دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔ کیا فرق رہ گیا بادشاہ اور درویش میں؟ بادشاہ کے محل کے باہر بھی دربان ہیں اور درویش کی در گاہ کے باہر بھی۔ کیا فرق رہ گیا؟ غلام رقعہ لیکر اندر آیا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی رقعہ کی پشت پر جواب دیا۔ آپ نے لکھا کہ بڑا فرق ہے بادشاہ کے دربانوں میں اور درویش کے دربانوں میں، بادشاہ نے دربان کھڑے کیے ہیں غریب کا رستہ روکنے کیلیے اور درویش نے دربان کھڑے کیے ہیں بادشاہ کا رستہ روکنے کیلیے۔ اسلیے پھر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ تیری قبر کی زیارت ہے زندگی دل کی اور تیرا مقام مسیح اور خضر سے اونچا ہے۔

مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ ہمیں نبی پاک ﷺ سے محبت بھی ہے اور ہم انکی زندگی کو اختیار بھی نہیں کرنا چاہتے۔ مجھے ایسی محبت کی سمجھ نہیں آئی۔ کتنے لوگ ہیں جو محبتِ رسول ﷺ کا دعویٰ کرتے ہیں اور زندگی ابلیس والی گزارتے ہیں۔ تو یہ ان خوش نصیبوں کیلیے آیت ہے، وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۗ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ[1]۔ تو یہ آیت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کیلیے ہے، یہ امام بخاری کے لیے ہے، محدثین کیلیے ہے۔۔ کہ جیسے حضور ﷺ نے فیض صحابہ کرام کو دیا ہے، ویسے ہی انکے بعد میں آنیوالوں کو بھی دیتے رہیں گے۔ اسلیے یہ دین قیامت تک کیلیے محفوظ ہے اور سینہ بہ سینہ چلتا رہیگا۔ اصلِ دین جو ہے وہ ویسا ہی ہے۔ یہ جتنے اختلافات ہیں یہ فروع پر ہیں، اصول پر کوئی اختلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

[1] سورۃ جمعہ: 3

اگر مسلمان اللہ کو الٰہ مان لیں تو انکے مسائل حل ہو سکتے ہیں

قرآن: وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ۔
(سورۃ انفال: 46)

آیت: اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں بے اتفاقی نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا (قوت) اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

خاکہ:

1) فلسطین کے ساتھ اظہار یکجہتی۔

2) آپس میں جھگڑا کرو گے تو تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی۔

3) الہ کا معنی۔

4) جس کو تو حاصل کرنا چاہتا ہے وہی تیرا معبود ہے۔

5) کلمہ کا اثر مکہ میں

6) جب تم بزدل ہو جاؤ تو سمجھ لینا کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت نہیں کر رہے۔

7) محراب وہ جگہ ہے جہاں اقامت دین ہوتی ہے۔

8) مسلمان تھوڑے بھی کافروں پر غالب آجاتے ہیں۔

9) کتنے جسم ہیں جن پر اللہ کا حکم چلتا ہے؟

(10) حاکمیت اعلیٰ اللہ کی۔

(11) اولوالامر کی اطاعت کہاں نہیں کرنی۔

(12) اللہ کے سامنے جھکنا، اور جو آجائے اسکو بھی اللہ کے سامنے جھکانا۔

اللہ تعالی کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

اسلام علیکم!

آج کا جمعۃ المبارک امت مسلمہ نے فلسطینیوں کیساتھ اظہارِ یکجہتی کے اظہار کیلیے منانے کا اعلان کیا ہے۔ دس دن سے لگاتار ان پر حملے ہو رہے ہیں، نہ بجلی ہے، نہ پانی ہے، نہ بچے محفوظ ہیں اور نہ عورتیں محفوظ ہیں۔ جب یہ اعلان کیا جارہا تھا کہ آج 21 مئی کا جمعہ جو ہے وہ فلسطین کے مسلمانوں کیلیے اظہار یکجہتی کے طور پر منائیں۔ تو میں ان سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ آج کوئی 90 کے قریب مساجد میرے شہر میں ہیں جہاں جمعہ کی نماز ادا ہوتی ہے، چھوٹا سا شہر ہے پسرور۔ آس پاس گاؤں ہیں وہاں بھی مساجد ہیں۔ اسطرح ملکی سطح پر لاکھوں کی تعداد میں اور پوری امت مسلمہ، ظاہر ہے 57 اسلامی ممالک ہیں۔ ان سے یہ پوچھ رہا ہوں جب یہ کروڑوں مسلمان اکٹھے ہو کر آواز بلند کرینگے تو کیا اسرائیل شام سے معافی مانگ لیگا؟ آج رات اعلان ہو گا کہ امریکہ نے بھی معافی مانگ لی ہے اور مسلمانوں کا رعب و دبدبہ کافروں پر دوبارہ چھا گیا ہے۔ سارے کافروں نے توبہ کرلی ہے کہ وہ آئندہ کسی مسلمان کو تنگ نہیں کرینگے اور ہم پھر ان سب کو گرفتار کرکے فلسطینیوں کے سامنے پیش کردینگے۔ کیا ایسا ہی ہو گا؟ 1967ء میں جب مسجد اقصیٰ کو آگ لگائی گئی، یہ کام تو میں ہر سال دیکھتا ہوں کہ جلوس نکلتے ہیں، رمضان المبارک کا آخری جمعہ (یوم القدس) ہم مسجد اقصیٰ کیلیے پڑھتے ہیں۔ یہ کام تو کئی سالوں سے ہو رہا ہے لیکن کافروں پر کبھی ہمارا رعب طاری نہیں ہوا۔ کسی کافر ملک نے مسلمانوں سے معافی نہیں مانگی۔ رعب تو میرے اللہ نے طاری کرنا ہے۔ تو پتہ ہے کیسے طاری کرتا ہے؟ غزوۃ بدر کے موقعہ پر آپ سنتے ہیں کہ ہزار فرشتے آئے لیکن ایک بات میں بتاؤں آپکو کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ فرمایا کہ اے محبوب میں تیرا رعب ان کافروں پر طاری کردونگا۔ اور انکو 313 ڈبل نظر آینگے۔ اب اِدھر 313 تھے اور اُدھر 1000 تھے لیکن انکو یہ 313 کی بجائے 2000 نظر آتا تھے۔ قرآن میں تفصیلاً ذکر ہے۔ اب ہمارا رعب ان کافروں پر طاری کیوں نہیں ہوتا؟ ہمارے 57 ممالک ہیں، مسلمانوں کی تعداد ایک ارب 70 کروڑ ہے؛ لیکن، ہمارا رعب نہیں کافروں پر طاری۔

سورۃ الانفال کی جو آیت تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری کا ذکر کیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ، وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ، اللہ کی اطاعت کرو اور اسکے حکم کو نافذ کرو، وَ رَسُوۡلَہٗ، اور اسکے رسول کی اطاعت کرو، وَ لَا تَنَازَعُوۡا، اور آپس کے جھگڑے ختم کر دو، اگر آپس میں جھگڑو گے تو کیا ہو گا؟ فَتَفۡشَلُوۡا، تم بزدل ہو جاؤ گے، نامرد ہو جاؤ گے، وَ تَذۡہَبَ رِیۡحُکُمۡ، تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی، ہر کسی سے ڈرتے پھرو گے کہ کہیں امریکہ ناراض نہ ہو جائے، اسرائیل نہ ناراض ہو جائے۔ وَ اصۡبِرُوۡا، ثابت قدم رہو، صبر کا معنی ہوتا ہے کہ اپنے قدموں پر کھڑے رہنا، اپنے نظریے سے بغاوت نہ کرنا۔ کیوں؟ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ، اللہ انہی کیساتھ ہے جو ثابت قدم رہتے ہیں۔ بتاؤ اپنی قوم کو کہ اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا (وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِينَ[1])، اللہ تکبر کرنیوالوں سے محبت نہیں کرتا (إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ[2])، اللہ جھوٹ بولنے والوں سے محبت نہیں کرتا (لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ[3])۔ قرآن بھرا پڑا ہے ان آیتوں سے۔ اللہ فرماتا ہے کہ جب اللہ ہی تمہارے ساتھ نہ ہو تو پھر کافروں پر تمہارا رعب کیسے طاری ہو گا۔ اب اگر اللہ ہی تمہارے ساتھ نہیں تو کافروں پر تمہارا رعب کیسے پڑے گا۔

اگر ہمارا کلمہ صحیح ہو جائے تو تمام مسائل مسلمانوں کے حل ہو جائیں۔ بھائی مکے میں نمازیں نہیں تھیں، روزے نہیں تھے، عبادتیں نہیں تھیں۔ لیکن کلمہ کا رعب کافروں پر کیوں طاری ہو گیا؟ اتنا اشتعال کیوں پیدا ہوا۔ ایک ہی جملہ تھا ناں "لا الہ اللہ"۔ انکو اصل میں پتہ تھا کہ اس جملہ کا معنی کیا ہے اور ہم پڑھتے تو ہیں لیکن اصل معنی سے دور ہیں۔ لفظ "الہ" کا معنی ہم معبود کرتے ہیں۔ اسکا معنی صرف پرستش نہیں ہے، صرف پوجا پاٹ کر لینا کافی نہیں ہے۔ صرف پرستش کرنا ہوتی تو پہلے وہ 360 بتوں کی پوجا کرتے تھے تو ایک کی اور وہ کر لیتے۔ مکے کے مشرک ایک خدا کے سامنے اور جھک جاتے تو انکو کیا تکلیف تھی؟ لیکن چیلنج یہ تھا کہ "الہ" وہ ہوتا ہے، جسکا حکم میرے جسم پر چلے۔ اب ابو جہل کا حکم نہیں چلے گا بلکہ اللہ کا حکم چلے گا۔ تو وہ جو منکرین تھے غلاموں پر، غریبوں پر، مسکینوں پر اپنا حکم چلاتے تھے۔ تڑپ اٹھے کہ یہ "الہ" ہمیں قبول نہیں۔ لا الہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ حاکمیت اعلیٰ صرف

[1] سورۃ آل عمران:57

[2] سورۃ نحل:23

[3] سورۃ آل عمران:61

میرے اللہ ہی کی ہے۔ اس سے ڈرتے تھے کافر۔ معبود وہ ہوتا ہے کہ جس کا حکم میرے جسم پر چلتا ہے۔ کسی اور کا حکم نہیں چلے گا بلکہ میرا اپنا حکم بھی میرے جسم پر نہیں چلے گا۔اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ[1] اے محبوب، کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ لوگوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا الہ بنالیا ہے۔ لفظ الہ استعمال کیا قرآن نے۔ اگر کسی کے جسم پر اسکی خواہش کا حکم چلتا ہے تو اللہ کہتا ہے کہ اس نے مجھے الہ نہیں مانا۔ جتنی مرضی نمازیں پڑھتا رہے، پوجا پاٹ کرتا رہے۔ میرے غوث پاک سرکار رضی اللہ عنہ نے اس کو آسان کر کے بتا دیا کہ جس کو تو حاصل کرنا چاہتا ہے وہی تیرا معبود ہے۔ کبھی اکیلا بیٹھ کر سوچا کر کہ تو اپنی زندگی میں حاصل کیا کرنا چاہتا ہے؟ کس کو پانا چاہتا ہے؟ جسکو تو پانا چاہتا ہے وہی ہے تیرا الہ۔

یہ تھی مکے کی سرزمین پر پہلی بغاوت جس نے سردارانِ قریش کو ہلا کر رکھ دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ ابو جہل کے غلام تھے۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور انکی بیوی سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابو جہل نے شہید کیا۔ دردناک واقعات پڑھے بھی نہیں جاتے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ابھی بچے تھے، درخت کیساتھ باندھ دیا، پھر باپ کو سامنے لا کر کھڑا کیا اور ایک اونٹ کا منہ ایک طرف اور دوسرے اونٹ کا منہ دوسری طرف۔ ایک ٹانگ ایک اونٹ کے ساتھ باندھ دی اور دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ کے ساتھ۔ پھر اونٹ دوڑا دیے گئے۔ جسم پھاڑا گیا لیکن اس جسم سے آواز آئی کہ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ یہ تھا وہ کلمہ کا اثر جس نے سرداران قریش کو ہلا کر رکھ دیا تھا کہ جسم تو ٹکڑے ہو سکتا ہے لیکن اس پر حکم اللہ کا چلے گا۔ اس پر کسی اور کا حکم نہیں چلے گا۔ پھر یہ رعب اور دبدبہ کلمے کا۔ اس سے پہلے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو تیر مار کر شہید کیا گیا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ اسلام کا پہلا شہید جو ہے وہ ایک عورت ہے۔ یہ بھی اعزاز عورتوں کو حاصل ہے۔ ایک دن ابو جہل حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کو کوڑے مار رہا تھا کہ امیہ بن خلف بھی پاس تھا۔ جب مار مار کے تھک گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ چونکہ امیہ بن خلف کے غلام تھے تو اس نے غلام سمجھ کر حضرت بلال کو آواز دی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے تو کوڑا آپکو پکڑا کر کہا کہ تو مار اب یاسر کو۔ یہ مکے کی سرزمین پر کلمے کا پہلا اثر دیکھا گیا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کوڑا پھینک دیا اور فرمایا کہ میرے

[1] سورۃ فرقان:43

پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں اپنے کسی مسلمان بھائی پر ظلم نہیں کر سکتا۔ اب مکے والے یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی غلام اتنی جرات کر سکتا ہے۔ اب یہ مکہ والے سوچتے تھے کہ یہ محمدؐ غلاموں کو پڑھاتے کیا ہیں؟ یہ کلمہ کا اثر تھا کہ یہ جسم بھوکا پیاسا رہ سکتا ہے، تکالیف برداشت کر سکتا ہے لیکن اس پر حکم صرف اللہ کا چلے گا۔ تو جب تک آپ الہ کا معنی حاکمیت اعلیٰ نہیں کرینگے تو آپ کو کلمہ کی سمجھ نہیں آ سکتی۔

میرا اللہ کیا فرما رہا ہے فَتَفْشَلُوْا، بزدل ہو جاؤ گے، جب بزدل ہو جاؤ تو سمجھ لینا کہ تم اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کر رہے۔ جب تم کافروں سے ڈرنا شروع ہو جاؤ تو جان لینا کہ تم اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے احکامات کو نافذ نہیں کر رہے۔وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی۔ میں نے ایک دفعہ آپکو عرض کیا تھا کہ ہم جس اللہ کو مانتے ہیں وہ اللہ عادل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کوئی صفت ایسی نہیں ہے، صفتِ قہار کی امامت بھی صفتِ رحمت کرتی ہے۔

جب تک یہ دین عادل لوگ بیان نہیں کریں گے تب تک لوگوں کو کلمہ کی سمجھ نہیں آئیگی۔ یہ محراب کوئی معمولی نہ سمجھنا، محراب اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں امام کھڑے ہو کر اللہ کے دین کو قائم کرتا ہے۔ محراب اس جگہ کا نام ہے جہاں اقامت دین کیلیے کوئی شخص کھڑا ہوتا ہے۔ پتہ ہے یہ لفظ نکلا کہاں سے ہے، حرب سے نکلا ہے یہ جسکا مطلب ہے جنگ۔ ایک امام اقامت دین کیلیے کھڑا ہوتا ہے تو اسکے پیچھے جو مقتدی کھڑے ہوتے ہیں وہ بھی محراب میں ہی کھڑے ہیں کیونکہ وہ بھی اقامت دین کیلیے ہی کھڑے ہیں ۔جب تک اس منبر و محراب پر ظالم بیٹھے رہیں گے، وہ کلمے کی سمجھ نہیں آنے دینگے۔ انکو بھی مسئلہ یہ ہے کہ حکم ہمارا چلے۔ یہ فرقے کیوں بنے ہیں؟ یہ اسلیے نہیں بنے ہیں کہ اللہ کا حکم چلے بلکہ اگر اللہ کے حکم کی بات ہوتی تو یہ فرقے بنتے ہی نہ اور محراب و منبر سے آواز اٹھتی کہ تیرے جسم پر حکم اللہ کا چلے گا۔ فرقوں کی کیا ضرورت تھی۔ یہ فرقے بنے ہی اس وقت جب محراب و منبر سے یہ آواز اٹھی کہ حکم ہمارا چلے گا۔ یہی تو ابو جہل کہتا تھا، یہی عتبہ اور شیبہ کہتے تھے۔ یہی امریکہ و اسرائیل کہتے ہیں کہ حکم ہمارا چلے گا۔ جہاں جہاں یہ سوچ موجود ہے کہ حکم میرا چلے، وہ کلمے کی مخالفت میں کھڑا ہے۔ اس امت کا کیسے رعب کافروں پر طاری ہو؟ تم تو آج ایک ارب 70 کروڑ اکٹھے ہو کر آواز بلند کر رہے ہو اور تمہارے کلمے کی کوئی وقعت

نہیں ہے۔ اور میرا غریب نواز اکیلا پر تھوی راج کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔ اکیلا معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ آیا تھا لیکن کلمے کا سہارا لیکر آیا تھا۔ اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ میرا حکم مانو، اسلیے آیا تھا کہ میرے اللہ کا حکم مانو۔ تو پھر رعب پر تھوی راج کا نہیں پڑا تھا بلکہ خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کا رعب پر تھوی راج پر پڑا تھا۔

یہ میرے اللہ کا وعدہ ہے۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ[1] یہ اصول یاد رکھنا قرآن کا، اللہ فرماتا ہے کہ ابتداء تم نے کرنی ہے، یہ اصول یاد رکھنا۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے، ہاں ابتداء تم کرو گے تو کامیابی تک اللہ لے جائیگا۔ اسکا وعدہ ہے کہ تمہاری مدد کریگا لیکن اس میں تفصیل پھر عرض کرونگا۔ اب میرے لیے option ہے " اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ " کہ میں اللہ کی مدد کروں یا نہ کروں، اللہ کے راستے پر چلوں یا نہ چلوں لیکن جب اللہ کی باری آئی تو پھر فرمایا "یَنْصُرْكُمْ" کہ اللہ کیلیے option نہیں ہے تم مدد کرو یا نہ کرو، وہ مدد ضرور کریگا۔ تمہارے لیے تو ہے نہ کہ تم کرو یا نہ کرو لیکن جب تم اللہ کے راستے پر کھڑے ہو جاؤ تو پھر وہ مدد ضرور کریگا، وہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اس لیے میں آستانے والوں اور محراب و منبر والوں سے کہتا ہوں کہ خدا کیلیے اب یہ باتیں چھوڑ دو کہ میرے ماننے والے ایک لاکھ ہیں یا دو لاکھ ہیں، اس میں سے دیکھو کہ اللہ کو ماننے والے کتنے ہیں۔ یہ بات چھوڑ دو کہ میرے فرقے کو ماننے والے اتنے ہیں یا میری تنظیم کو ماننے والے اتنے ہیں۔ یہ اصل میں وہی فرعونیت ہے اور یزیدیت ہے کہ حکم ہمارا چلے چاہے کوئی دین کے نام پر، سیاست کے نام پر یہ چیز آجاتی ہے۔

میرا اللہ فرماتا ہے، یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ[2]، ابھی مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے، دہائیوں میں ہے، سینکڑوں میں نہیں پہنچی اور اللہ کے دشمنوں کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ تو میرا اللہ فرماتا ہے کہ میرے نبی ان کو جہاد کی ترغیب دو۔ اللہ کے دشمنوں کے سامنے کھڑے ہونا ہے اور قتال کرنا ہے۔ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ[1]، اگر تم بیس ہو گے۔ لیکن ہوں ثابت قدم، تو دو سو پر غالب آجاؤ گے۔ میرے اللہ کے وعدے سچے ہیں، میرے بابا فرید دس بندے بھی لیکر آجائیں تو کامیاب ہو جائے۔ وَ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا

---

[1] سورۃ محمد:38

[2] سورۃ انفال:65

اَلْفًا [1]، اور اگر تم سو ہو گے تو ایک ہزار پر غالب آجاؤ گے۔ اب یہودیوں کی ٹوٹل تعداد 70 لاکھ ہے اور مسلمانوں کی ایک ارب ستر کروڑ۔ کام ہی الٹ ہو گیا۔ ایک کروڑ کو اڑھائی لاکھ آرہا۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ [1] یہ چھوٹے گروہ بڑے گروہ پر غالب آتے ہیں یہ اللہ کے حکم کی وجہ سے ہے۔ اب اگر بیس، سو پر غالب آجائیں اور سو ہو جاؤ گے، ہزار پر غالب آجائیں۔ ایک بات جو اس آیت کے اختتام پر ہے، مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ [2]۔ فرمایا یہ کافر بھی سوچ نہیں سکتے کہ بیس، سو پر غالب آجائیں اور سو، ہزار پر غالب آجائیں کیونکہ جو ادھر کھڑے ہیں بیس وہ اللہ کی رضا کیلیے کھڑے ہیں، غازی ہیں یا شہید ہیں۔ دنیا بھی بہتر اور آخرت بھی۔ یہ سمجھ کافروں کو نہیں آسکتی۔ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ [3] اب اللہ نے تم پر سے تخفیف فرمادی، آسانی فرمادی، وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ- اور اسے علم ہے کہ تم کمزور ہو، فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ- تو اگر تم میں سو صبر کرنے والے ہوں تو دو سو پر غالب آئیں گے، شرط یہاں بھی یہی ہے کہ ثابت قدم ہوں۔ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ- اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب ہوں گے، وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ [2] اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کیساتھ نہیں ہوتا جو جھوٹ بولتے ہیں، بے حیائی کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں۔

میرے چھوٹے سے بچے سے لیکر، ماں، بہن، بیٹی تک جوانوں اور بوڑھوں تک کتنے جسم ہیں جن پر اللہ کا حکم چلتا ہے؟ میں کبھی علامہ اقبالؒ کو پڑھتا تھا اور سوچتا تھا کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کیلیے یہ جملہ کیوں کہتے ہیں کہ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ اللہ

[1] سورۃ بقرۃ:249

[2] سورۃ انفال:65

[3] سورۃ انفال:66

جب تک آپ الہ کا معنی حاکمیت اعلیٰ نہیں کرینگے اس وقت تک آپکو اس دین کی سمجھ نہیں آسکتی۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ قیامت والے دن بھی، پتہ کیا اعلان ہو گا؟ لمن الملک الیوم[1]، بتاؤ آج کس کی بادشاہی ہے؟ اصل معاملہ تو بادشاہی کا ہے۔ یہاں ہمیں اختیار ہے اس کو بادشاہ مانیں یا نہ مانیں لیکن حکم یہی ہے کہ جو مان لے گا تو اچھا رہے گا اور جو نہ مانے گا وہ خسارے میں رہے گا۔ میں اس قرآن کے سہارے سے بات کرتا ہوں کہ آج ہی اگر ہم اللہ کو حاکم اعلیٰ مان لیں تو ہمارا رعب اللہ کافروں پر ڈال دیگا۔ یہ نہیں ہو گا کہ جمعہ فلسطین والوں کیلیے پڑھا لیں، کشمیر کیلیے پڑھا لیں اور برما والوں کیلیے پڑھا لیں اور پھر باہر جا کر جھوٹ بولیں، بد دیانتی کریں، کسی کا مال ناحق کھا لیں، اللہ کی نافرمانی کریں۔ اگر اللہ ہی تمہارے ساتھ نہیں تو تمہارا کیا رعب پڑے گا کافروں پر۔ اسلیے اللہ نے فرمایا کہ جہاں کہیں تمہیں بزدلی محسوس ہو تو واپس پلٹ آنا، یہ بزدل تم اس لیے ہو رہے ہو کہ تم نے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت چھوڑ دی ہے۔ اگر کہیں تمہاری ہوا اکھڑ جائے، ثابت قدم نہ رہو رتو سمجھ لینا کہ تم نے اللہ اور اسکے رسولؐ کا در چھوڑ دیا ہے۔ میرا مسئلہ ایٹم بم نہیں ہے، ہم نے تو کہا تھا کہ ہم ایٹم بنائیں گے تو محفوظ ہو جائینگے لیکن ہمارا ایٹم بم ہمیں بچا ہی نہیں رہا۔ جب تک میرے اللہ کی تائید اور نصرت ہمیں حاصل نہیں ہو گی تب تک ہم غالب نہیں آسکتے۔ اسلیے جب بھی کلمہ پڑھنا ہے الہ کا معنی حاکمیت اعلیٰ کا کرنا ہے۔

اللہ فرمارہا، یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ[2] اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اسکے رسولؐ کی اور جو تم میں سے اولو الامر (جنکا حکم تم پر چلتا ہے) ہیں۔ آج کل یقین جانیے پیروں نے بھی خلیفے چھوڑے ہوئے ہیں کہ آستانے کے بندے زیادہ کرو۔ پیر کو مانا، مولوی کو مانا، سیاست دان کو مانا، مانا نہیں تو اللہ کو نہیں مانا اور حکم کیا تھا، فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ[1] اگر اولو الامر کیساتھ کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو چھوڑ دینا اس پیر کو، مولوی کو اور اپنے اللہ اور رسول ﷺ کیطرف پلٹ آنا۔ اسلیے میں جو جملہ کہا کرتا ہوں میں نے کلمہ اللہ رسولؐ کا پڑھا ہے کسی مولوی اور پیر کا نہیں پڑھا۔ یہ محراب میں ہم کھڑے ہیں، تو جب تک

---

[1] سورۃ مومنون:16

[2] سورۃ نساء:59

عادل لوگ یہاں نہیں آئینگے۔ بھائی اگر ظالم دین بتائیگا تو کیا بتائے گا۔ جسکے ذہن میں پہلے سے یہ ہو کہ میرے مقتدی بڑھ جائیں تو وہ کیا دین بتائیگا۔ تو کیا وہ شان تھی کہ جب عرفات میں میرے پیغمبر ﷺ پوچھ رہے تھے لوگوں سے کہ کیا میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا تو جب سب نے کہا کہ ہاں جی پہنچا دیا۔ پھر اللہ کیطرف چہرہ کر کے فرمایا کہ مولا گواہ رہنا یہ تیرے بندے کیا کہ رہے ہیں[1]۔

میں تو سجدہ شکر ادا کرتا ہوں کہ ہم کتنے خوش قسمت ہیں، میرے پیر صوفی یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہی جملہ فرمایا تھا کہ بیٹا خود بھی اللہ کے سامنے جھکنا اور جو آجائے اسکو بھی اللہ کے سامنے جھکانا ہے۔ ہمیں تو سبق ہی یہی دیا گیا۔ ہمیں تو یہ سبق ہی نہیں دیا گیا کہ مجھے مانو، جو آیا اسے بھی یہی کہنا کہ اللہ کو مانو۔ مجھے ماننا تو شرک ہے۔ ماننا اللہ کو ہے، حاکمیت اعلیٰ میرے اللہ کی ہے۔ اللہ کو مانوں گے تو پھر قرآن کی آیتیں آپ کی سامنے ہیں، آپکی تعداد کم بھی ہو گی تو تمہارا ہی رعب ہو گا، تم ہی غالب آؤ گے۔ آخری بات، کربلا بھی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ جسم تو کٹ سکتے ہیں لیکن حاکمیت اعلیٰ اللہ کی ہے۔ اکثر آپ کو یہ جملہ سننے کو ملتا ہے کہ مسلمان ذلیل ہو گئے۔ نہیں، کربلا والے کہتے ہیں کہ جسم کٹ بھی جائے تو اللہ ذلیل نہیں ہونے دیتا۔ قیدی بھی ہو جائیں، گھر بار لُٹ بھی جائیں تو اللہ ذلیل نہیں ہونے دیتا۔ اسلیے میرے خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ " حقا کہ بنائے لا الہ است حسین"۔ ہم کسی کی حاکمیت نہیں مانتے، حاکمیت اعلیٰ تو میرے اللہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[1] عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو حجۃ الوداع میں فرماتے سنا: لوگو! سنو، کون سا دن زیادہ مقدس ہے؟ آپ نے تین بار یہ فرمایا، لوگوں نے کہا: حج اکبر کا دن، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزت و آبرو ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی، اور تمہارے اس مہینے کی، اور تمہارے اس شہر کی حرمت ہے، جو کوئی جرم کرے گا، تو اس کا مواخذہ اسی سے ہو گا، باپ کے جرم کا مواخذہ بیٹے سے، اور بیٹے کے جرم کا مواخذہ باپ سے نہ ہو گا، سن لو! شیطان اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ اب تمہارے اس شہر میں کبھی اس کی عبادت کی جائے گی، لیکن عنقریب بعض کاموں میں جن کو تم معمولی جانتے ہو، اس کی اطاعت ہو گی، وہ اسی سے خوش رہے گا، سن لو! جاہلیت کے سارے خون معاف کر دیئے گئے اور میں حارث بن عبدالمطلب کا خون سب سے پہلے زمانہ جاہلیت کے خون میں معاف کرتا ہوں، سن لو! جاہلیت کے تمام سود معاف کر دیئے گئے، تم صرف اپنا اصل مال لے لو، نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم ہو، آگاہ رہو، اے میری امت کے لوگو! کیا میں نے اللہ کا حکم تمہیں پہنچا دیا ہے؟ آپ ﷺ نے یہ تین بار فرمایا، لوگوں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ نے پہنچا دیا، آپ نے فرمایا: اے اللہ! تو گواہ رہ، اور اسے آپ نے تین بار دہرایا۔ سنن ابن ماجہ: 3055

مقصد تخلیق جن و انس "اللہ کا عبد" بن کر رہنا ہے

قرآن: وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الزاریات: 56)

ترجمہ: اور میں نے جن اور انسان تخلیق کیے مگر یہ کہ وہ میرے عبد بن کر رہیں۔

خاکہ:

1) الہ کی تعریف۔

2) آخرت کی کامیابی۔

3) نیت بنیاد ہے۔

4) معبود اس وقت ہو گا جب اس کا کوئی عبد ہو گا۔

5) بسم اللہ سے پہلے ایک لفظ۔

6) عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ترجمہ۔

7) شیطانی وسوسے۔

8) اپنے عیب کسی کو مت بتاؤ۔

9) اللہ کی شکایت لوگوں کے سامنے نہ کرنا۔

10) مسئلہ پوچھنا ہو تو کسی عبد کے پاس جانا۔

11) اللہ کی معرفت حاصل کرو۔

12) کلمہ کو سمجھو۔

13) امام مہدی رضی اللہ عنہ کی آمد۔

14) امام زید رضی اللہ عنہ کا واقعہ۔

15) فرقہ واریت والے عادل ہی نہیں۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام

معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

مسلمانوں کو اگر لفظ الہ کی سمجھ آ جائے تو ان کے تمام انفرادی اور اجتماعی مسائل کا حل اللہ کو معبود ماننے میں ہے۔ اس کے لیے ہم نے ایک تعریف آپ کو بتائی تھی کہ معبود وہ نہیں ہوتا جس کی صرف پوجا پاٹ کی جائے، جس کی پرستش کی جائے یا جس کی عبادت کی جائے بلکہ معبود تو وہ ہوتا ہے جس کا حکم جسم پر چلتا ہے، تو اگر اللہ کا حکم چل رہا ہے تو اللہ میرا معبود ہے اگر حکم کسی اور کا چلتا ہے تو وہی میرا معبود ہے۔

کئی دفعہ لوگ پوچھتے ہیں کہ ہمیں کیسے یقین ہو جائے کہ ہم آخرت میں کامیاب ہو جائیں گے یا نہیں؟ تو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ صبح سے لے کر شام تک کتنے کام ہے جو تم نے اپنی آخرت کے لیے ہیں؟؟ اگر تم اس دنیا میں آخرت کو اہمیت دو گے تو تمہاری آخرت کامیاب ہو گی اگر تم نے آخرت کے لیے کوئی کام کیا ہی نہیں تو یہ سوال پوچھنے کا کیا مطلب ہے۔ اگر تمہارے جسم پر حکم اللہ کا چل رہا ہے تو پھر تو کامیاب ہو جاؤ گے لیکن اگر سارا دن تیری سوچ میں اللہ آیا ہی نہیں تو پھر یہ باتیں کرنے کا کیا مقصد ہے؟

ہمارے دین میں جتنی بھی عبادات ہیں ان میں نیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ہمارے دین میں اگر عبادت بھی کسی کے دکھاوے کیلیے کرتے ہیں تو آپ عابد تو بن سکتے ہیں لیکن عبد نہیں بن سکتے۔ عابد اور ہوتا ہے اور عبد اور ہوتا ہے۔ قرآن مجید فرشتوں اور ابلیس کی عبادت کا فرق یہی بیان کرتا ہے فرشتوں کی بات آئی تو فرمایا بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ[1] وہ اللہ کے مقرب (قرب والے) عبد ہیں اور ابلیس عابد تو بن گیا لیکن عبد نہ بن سکا۔ بننا عبد ہے۔ اللہ تولم یلد ولم یولد ہے اسکی تو کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ جب رشتہ داری ہی نہیں تو پھر تعلق کیا ہے؟ فرمایا تعلق صرف عبد کا ہے جو عبد ہو گا، اسکا تعلق ہو گا، جو عبد نہیں اسکا تعلق بھی نہیں۔ اسلیے، جس ہستی کا سب سے زیادہ تعلق ہے اسکے لیے بھی یہی حکم ہے، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

[1] سورۃ انبیاء:26

معبود اسی وقت بنے گا جب اسکا کوئی عبد ہو گا۔ خالق اس وقت بنے گا جب اسکی کوئی مخلوق ہو گی ورنہ صفت خالق بے معنی ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر وہ الہ ہے، معبود ہے تو عبد بھی ہو گا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر تو نے عبد خاص کو دیکھنا ہے تو وہ محمد رسول اللہ ہیں۔وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون، اللہ فرماتا ہے کہ میں نے نہیں خلق کیا جن وانس کو مگر یہ کہ وہ میرے عبد بن کر رہیں۔ کئی لوگ اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ اللہ نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ عبادت تو ابلیس نے بہت کی لیکن عبد نہ بن سکا۔ تو اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے تم کو پیدا ہی اسلیے کیا ہے کہ تم عبد بن کر رہو۔

آپ یہ جو پڑھتے ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ب حرف جر ہے۔ "ب" "اسم اللہ"، یہ اصل میں لفظ یہ تھا اور اسکا معنی ہے ساتھ نام اللہ کے۔ ب کا معنی ساتھ اور اسم کا معنی نام۔ اب آپ "ب اسم اللہ" تو نہیں پڑھتے، بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ اب اللہ نام ہے، ذاتی نام ہے اللہ کا۔ الرحمٰن الرحیم، یہ بھی دونوں اللہ کے صفاتی نام ہیں۔ ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن ورحیم ہے۔ تو اسکا تو کوئی معنی نہ ہوا، کوئی مفہوم نہیں بنتا۔ تو تفسیر بیضاوی[1] میں اسکی یہ شرح لکھی ہے کہ اس سے پہلے ایک لفظ تھا۔ ب اسم اللہ میں حمزہ وصلی جو تھا اسکو ہٹا کے ساتھ ملا کر بن گیا بسم اللہ، ساتھ نام اللہ کے۔ اس سے پہلے ایک لفظ نستعینُ۔ میں مدد چاہتا ہوں ساتھ نام اللہ کے جو رحمن ورحیم ہے۔ تو وہ جو فعل تھا وہ چھپا ہوا ہے، بسم اللہ کبھی بھی ایسے نہیں پڑھنی کہ ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن ورحیم ہے۔ نہیں بلکہ میں اس اللہ سے مدد چاہتا ہوں جو رحمٰن ورحیم ہے۔ اس طریقے سے یہ بات ذہن میں رکھنا۔ 114 سورتیں ہیں قرآن کی اور ہر سورت سے پہلے بسم اللہ آتی ہے۔ ہر ایک میں بسم اللہ کا معنی علیحدہ ہے۔ سورت کا جو مرکزی خیال ہو گا وہی فعل بسم اللہ سے پہلے لگے گا۔ جو بسم اللہ سورت فاتحہ سے پہلے ہے اس سے پہلے نستعینُ لگے گا اور جو بسم اللہ سورت بقرۃ سے پہلے ہے اس کیساتھ یہ فعل نہیں لگے گا۔ کیونکہ جو سورۃ فاتحہ کا مرکزی نقطہ تھا وہ تھا ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ اب سورۃ

---

1 قاضی بیضاوی: مفسر قرآن۔ عبد اللہ بن عمر نام۔ بیضا میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والد اتابک ابو بکر بن سعید زنگی کے زمانے میں فارس کے قاضی القضاۃ تھے۔ آپ نے قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی اور شیراز کے قاضی مقرر ہوئے۔ پھر تبریز میں مقیم ہو گئے اور وہیں انتقال کیا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن مجید کی تفسیر، انوار التنزیل واسرار التاویل، ہے اسے عموماً تفسیر بیضاوی کہتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک یہ بڑے پائے کی تفسیر ہے۔ اور درس نظامی میں شامل ہے۔ قاضی-بیضاوی/ur.wikipedia.org/wiki

فاتحہ سے پہلے جب بھی بسم اللہ پڑھی جائیگی اسکا مفہوم ذہن میں رکھنا کہ میں مدد چاہتا ہوں اللہ کے نام کی جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اب ظاہر ہے ان چیزوں کا علم سے تعلق ہے، کسی کے پاس سیکھنے سے تعلق ہے۔ میں صرف ایک لفظ کی تشریح کے لیے یہاں تک آپکو پہنچایا ہے۔

اسلیے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بعد پہلے مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وہ مفسر قرآن ہے جس نے کسی ادارے سے ڈگری نہیں لی۔ اسکو قرآن میرے پیغمبر نے سکھایا ہے۔ یہ جو آپکے پاس ڈگریاں ہیں ناں کہ میں نے ایم۔ اے کر لیا اور پی ایچ ڈی کر لی۔ یہ جو چند ٹکڑے اسناد کے آپکے پاس ہیں اسکو علم نہیں کہتے۔ میرے مولا علی سرکار کا ایک جملہ ذہن میں رکھنا، علم وہ ہوتا ہے جسکی تصدیق تیرا عمل کرے۔ اگر میرے پاس اس قرآن سے علم آگیا کہ جھوٹ پر اللہ کی لعنت ہے تو اگر میرا عمل اسکی تصدیق نہیں کرتا تو میرے پاس علم نہیں ہے۔ تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، سرکار اس آیت کا مفہوم، فرمایا اللہ نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے اس کے عبد بن کر رہیں۔ عابد نہیں، یہ فرق ذہن میں رکھنا کہ عبد بن کر رہیں۔ عبد کون ہوگا جسکے جسم پر حکم اللہ کا چلتا ہوگا، اگر حکم اللہ کا نہیں چلتا تو عبادت رسم بن جاتی ہے، ابلیس نے سجدے تو بہت کیے، عابد بن گیا لیکن اسکے جسم پر اللہ کا حکم نہ چلا تو عبد نہ بن سکا۔ حکم تھا کہ آدم کو سجدہ کرو، اگر جسم پر حکم نہ چلے تو عابد تو ہو سکتا ہے لیکن عبد نہیں ہو سکتا۔ فرشتے کیا ہیں؟ اللہ کے عزت والے عبد ہیں۔ اب یہاں عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ لیعبدون اصل میں لیعرفون ہے۔ اب آپ کہیں گے کہ قرآن میں تو لیعبدون آیا ہے۔ جیسے بسم اللہ سورۃ فاتحہ سے پہلے آیئگی تو پہلے فعل کیا ہے، نستعین۔ اسی طرح لیعبدون کے اندر ہے لیعرفون۔ جسکو اللہ کی معرفت ہی نہ ہو وہ اللہ کا عبد کیسے بنے گا۔

اسلیے میں نے آپکو لفظ الہ کا معنی بتایا تھا کہ اس امت کے تمام مسائل کا حل اللہ کو الہ ماننے میں ہے۔ لیکن ابلیس تو نہیں چھوڑے گا۔ شیطانی وسوسے تو آئیں گے اور نفسانی بھی۔ نفس بھی تو وسوسے ڈالتا۔ لیکن اگر آپکو یاد ہو تو، الہ وہ ہوتا ہے کہ کسی کا حکم میرے جسم پر نہ چلے بلکہ میرا اپنا حکم بھی میرے جسم پر نہ چلے۔ میرے دل میں ایک خواہش پیدا ہوئی اور خواہش میرے جسم میں حکم کی صورت اختیار کر گئی۔ تو قرآن کیا کہتا ہے کہ اس نے تو اپنی

خواہش کو الہ بنایا ہے، اللہ کو الہ نہیں بنایا۔ میرا اپنا حکم بھی میرے جسم پر نہیں چلنا چاہیے۔ تو اللہ فرمارہا کہ وسوسے تو آئیں گے الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔ صحابہ کرام بھی آکر کہتے تھے کہ یارسول اللہ ﷺ نماز میں خیال آتے ہیں، ایسے ایسے خیال آتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ کہیں ایمان ہی نہ ضائع ہو جائے۔ عقیدہ کے متعلق وسوسے آئینگے، اعمال کے متعلق آئینگے، چھوڑے گا نہیں ابلیس۔ لیکن میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ ان وسوسوں کو زبان پر نہ لانا[1]، جب تک وسوسہ ہے تمہیں پکڑ نہیں ہو گی چاہے جتنا مرضی برا وسوسہ ہو، لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[2] وسوسے پر پکڑ نہیں ہے۔ پکڑ تب ہو گی جب اسکو زبان پر لاؤ گے۔ زبان پر جب لاؤ گے تو ان دونوں فرشتوں کو گواہ بنالو گے، جسکے سامنے ذکر کرو گے تو اسکو گواہ بنالو گے۔

اگر آپ کو یاد ہو پہلے اسکا ذکر گزر چکا ہے، اللہ کسی فخر کرنیوالے سے محبت نہیں کرتا، کسی شیخی کرنے والے سے محبت نہیں کرتا۔ اب شیخی یا شوخی زبان پر لے آئے کہ میں نے تو فلاں دعوت کی اس میں شراب کا بھی اہتمام کیا، گواہ بنالیا لوگوں کو۔ میرا فلاں عورت سے ناجائز تعلق ہے، لوگوں کو گواہ بنالیا اور فرشتوں کو بھی۔ فرمایا اپنی برائیوں کے اتنے گواہ نہ بناؤ کہ اللہ کو بخشنے میں دقت ہو جائے۔ اس حد تک نہ جانا کہ جب اس نے پردے ڈالے ہیں تو تُو گناہوں کو شیخی میں لوگوں کے سامنے کیوں پھیلا رہا ہے میں نے جب یہ روایت پڑھی تھی، میرے پاک پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں کہ تو گناہ کرتا ہے اور اللہ تیرے گناہ پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ واقعہ اصل میں یہ تھا کہ ایک صحابی نے آکر کہا کہ یارسول اللہ ﷺ، میری دکان پر ایک عورت آئی سودا لینے۔ میرے ذہن میں شیطانی وسوسہ آگیا کہ میں اسکو ہاتھ لگاؤں۔ تو میں نے اس عورت سے کہا کہ یہ سودا میری دکان کے پیچھے سٹور میں پڑا ہے، بہانے سے میں اسکو سٹور میں بلوایا اور ہاتھ لگالیا۔ صحابہ کی یہ نیت ہوتی تھی کہ جو غلطی ہو گئی ہے، اسکی سزا ہمیں اسی دنیا میں مل جائے۔ میرے آقا سرکار مدینہ ؐ نے فرمایا کہ تیرے گناہ پر اللہ نے پردہ ڈالا تھا اور تو مجھے بتا کر کیوں گواہ بنا رہا ہے۔ جب اللہ پردہ ڈالتا ہے تو تم لوگوں کو بتا کر کیوں گواہ بناتے ہو۔ تو آقا ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے کہ میں تیرا

---

[1] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو معاف کر دیا ہے جب تک وہ انہیں عمل یا زبان پر نہ لائیں۔" صحیح بخاری:2528

[2] سورۃ بقرۃ:286

رب ہوں، پیدا کرنیوالا ہوں، میں تیرے عیبوں پر پردے ڈال رہا ہوں اور تو شیخی بگھارتے ہوئے اپنے عیب لوگوں کو بتا رہا ہے اور گواہ بنا رہا ہے [1]۔ اللہ فرماتا کہ میں تیرا کیسا رب ہوں؟؟ اور تو میرا کیسا بندہ ہے؟؟ کبھی اپنے گناہوں کا کسی کو گواہ نہ بنانا۔

کبھی اللہ کی شکایت لوگوں کے سامنے نہ کرنا۔ اگر اسکی شدت کا اندازہ آپکو ہو تو کبھی ایسا نہ کریں۔ مولا علی سرکار کرم اللہ وجہ الکریم اللہ سے مناجات کر رہے ہیں، صحیفہ سجادیہ میں یہ دعا ہے۔ کیا وہ دعا کہ جملے ہیں۔ اپنے اللہ سے کہہ رہے ہیں کہ مولا جو عزت میری معاشرے میں ہے، لوگ میرا احترام کرتے ہیں، وہ صرف اسلیے ہے کہ تو نے میرے گناہوں پر پردے ڈالے ہوئے ہیں، اگر تو میرے عیب ظاہر کر دے تو میری اولاد بھی مجھے سلام نہ کرے۔

وسوسے تو آئیں گے لیکن انکو زبان پر نہ لانا۔ اگر کبھی مسئلہ در پیش ہو تو فرمایا، فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ پھر پوچھ لینا ان سے جو جانتے ہوں۔اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ[2]۔ اگر تم نہیں جانتے تو کسی جاننے والے سے پوچھ لینا۔ اسلیے میں نے کہا تھا کہ جب تک عادل لوگ ان محرابوں میں نہیں بیٹھیں گے، لوگوں کو اس دین کی سمجھ نہیں آئیگی۔ اگر ایک جاہل دوسرے جاہل کے پاس جائیگا تو جہالت میں ہی اضافہ ہو گا، اس سے علم میں تو اضافہ نہیں ہو گا۔ اسی طرح ایک بندہ دعا کر رہا تھا کہ یا اللہ مجھے کسی کا محتاج نہ کرنا۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، پوچھا کہ کیا دعا کر رہے ہو؟ کہنے لگا کہ یہی کہ یا اللہ مجھے کسی کا محتاج نہ کرنا۔ فرمایا یہاں تو ہر کوئی ایک دوسرے کا محتاج ہے۔ اس دنیا میں آنے کے لیے ماں باپ کا محتاج ہے۔ بھوک لگ جائے تو روٹی کا محتاج ہے۔ پیاس لگ جائے تو پانی کا محتاج ہے۔ جہالت ہو گی تو علم کا محتاج ہے۔ تیرا جنازہ اٹھنا ہے تو چار لوگ تیری چارپائی اٹھا کر قبرستان تک لے جائیں گے۔ اس نے کہا کہ میں سمجھ رہا

---

[1] سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "میری تمام امت کے گناہ بخشے جائیں گے مگر ان لوگوں کے جو اپنے گناہوں کو فاش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آدمی رات کو ایک گناہ کا کام کرے، پھر صبح ہو اور پروردگار نے اس کا گناہ پوشیدہ رکھا ہو وہ دوسرے سے کہے: اے فلانے! میں نے گزشتہ رات کو ایسا ایسا کام کیا، رات کو تو پروردگار نے اس کو چھپایا اور رات بھر چھپاتا رہا، صبح کو اس نے پردہ کھول دیا۔" صحیح مسلم:7485

[2] سورۃ النحل:43

تھا کہ میں بڑی دعا کر رہا ہوں۔ فرمایا کہ نہیں۔ اللہ نے یہ کائنات عالم اسباب بنائی ہے، یہاں ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے۔ اس نے کہا کہ حضور پھر کیا دعا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ دعا کرنی ہے تو کہہ کہ مولا مجھے کسی کمینے کا محتاج نہ کرنا۔ ایسے کا محتاج کرنا جسکے دل میں خدا کا خوف ہو۔ اسکا محتاج کرنا جسکو اللہ نے علم سے نوازا ہو۔ اسکا محتاج کرنا جو اسکا عبد بن کر رہنا چاہتا ہو۔

جب تک آپکے دل کی زمین اللہ کی معرفت سے زرخیز نہیں ہوتی اس میں آپ نماز کا بیج بھی بوئیں گے تو برباد ہو جائے گا۔ آپ نمازی تو بن جائے گے لیکن عبد نہیں بنیں گے۔ روزے کا بیج بھی بوئیں گے تو برباد ہو جائے گا۔ بنجر زمین میں کبھی فصلیں نہیں اگتیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصل میں یہ معرفت ہے اللہ کی۔ اس معرفت سے جب زمین زرخیز ہوتی ہے تو ایمان کا بیج اگر کمزور بھی ہو گا تو اسکو پھل ضرور لگتا ہے۔ وہ کھڑکی جو تیرے دل کی اللہ کیطرف کھلتی ہے، اسے کبھی بند نہ ہونے دینا۔ اللہ کے انوار و تجلیات اپنے دل میں اترنے دینا۔ یہ تکبر، حسد، جہالت، حرام کے مال سے اس دل کو پاک رکھنا۔ اور یہ کیفیت اللہ کی معرفت کی کہ جب تو ہر طرف سے بے بس ہو جاتا ہے اور اپنے بھی تیرا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں تو اس وقت یہ جو جملہ کہنا کہ مولا! اب تو ہی صرف بچا سکتا ہے۔ اس یقین کی کشتی میں کبھی سوراخ نہ ہونے دینا۔ جب درمیان سمندر کشتی ٹوٹ جائے، لہریں آ گھیریں تو پھر بھی یہی کہنا کہ مولا اب بھی کوئی بچا سکتا ہے تو وہ صرف تیری ذات ہے۔ اس معرفت کو اپنے دل میں رکھنا۔ یہ یقین کی معرفت جب دل میں رہے گی تو پھر آپ عابد نہیں بلکہ عبد بنیں گے۔ آج آپکو عابد بہت نظر آئینگے لیکن عبد نظر نہیں آئیں گے۔

بنیادی بات یہی ہے کہ اگر آپ کو کلمہ کی سمجھ آجائے کہ اللہ میرا معبود ہے اور میں اسکا عبد ہوں اور معبود وہ ہوتا ہے جسکا حکم میرے جسم پر چلے۔ عبادت رسم پوری کرنے کیلئے نہیں کرونگا، بلکہ اسکا عبد بن کے رہنے کیلیے۔ یہ میری زندگی کا مقصد ہے، اسلیے اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے کہ میں جو کچھ بھی کروں، معرفت الٰہی کے لیے کروں۔ اور اگر کبھی ضرورت پڑ جائے تو جاہل سے نہیں پوچھنا، اہل فن سے پوچھنا، اس سے پوچھنا جس کے دل میں اللہ کا خوف ہے۔ ورنہ پھر یہ بتانے والے جب دولت اور شہرت کیلئے زندگی گزارتے ہیں وہ کبھی بھی تمہیں قرآن کی سمجھ نہیں آنے دینگے۔

ایک دفعہ لاہور میں ،ڈاکٹر اسرار صاحب اس وقت حیات تھے، بات چل نکلی کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ کی آمد کی۔ تو بات ہو رہی تھی کہ جب یہ دنیا ظلم سے بھر جائیگی تو امام مہدی رضی اللہ عنہ تشریف لائینگے اور زمین پر عدل قائم کر دیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تشریف لائینگے اور امام مہدی کی اقتدا میں نماز ادا کرینگے۔ سنی بھی کہتے کہ امام مہدی تشریف لائینگے اور عدل قائم کرینگے، اہل تشیع بھی یہی کہنے لگے کہ امام مہدی آئینگے اور عدل قائم ہو گا۔ میں نے ان سے ایک بات کہی کہ بڑی عجیب بات ہے امام مہدی رضی اللہ عنہ تشریف لائینگے تو تم سب شیعہ اور سنی انکی مخالفت میں کھڑے ہو گے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو انتظار کر رہے ہیں۔ شیعہ کہتے کہ وہ شیعوں میں آئینگے، سنی کہنے لگے کہ وہ سنیوں میں آئینگے۔ امام مہدی رضی اللہ عنہ تو اللہ کا بندہ بن کر آئیگا، وہ فرقوں کو توڑنے والا ہو گا اور تم فرقے بنا کر انکے خلاف کھڑے ہو۔ تمہارا کیا لینا دینا انکی آمد سے۔ انتظار تو ہم کر رہے ہیں جو کہتے ہیں کہ سارے کلمہ پڑھنے والے ہمارے بھائی ہیں۔ جنھوں نے امت کو توڑا ہے اور نفرتیں پھیلائی ہیں، انکا کیا کام امام مہدی کیساتھ۔

امام زید رضی اللہ عنہ کیساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، امام باقر رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ اتنا بڑا لشکر تھا ساتھ لیکن انہوں نے فرقہ واریت شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ابو بکر اور عمر کو بُرا کہو۔ امام زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو برا کہنے کا مطلب پتہ کیا ہے کہ میں اپنے باپ علی کرم اللہ وجہ الکریم کو برا کہوں۔ جس علی نے ابو بکر اور عمر کی بیعت کی ہے۔ اسّی ہزار کا لشکر چھوڑ گیا اور امام زید کو شہید کر دیا گیا لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے نے یہ نہیں دیکھا کہ مجھے لشکر چھوڑ کر جا رہا ہے بلکہ اللہ کے عبد بن کر رہے، عادل بن کر رہے، اور دین کے محافظ بن کر رہے۔

یہ جو تم کرتے ہو کہ کوئی جھوٹ بولتا ہے تو بولے لیکن ہمارے فرقے میں آجائے، تم تو عادل ہی نہیں۔

امام مہدی رضی اللہ عنہ کی صفت کیا بیان کی پاک پیغمبرؐ نے کہ وہ اس دنیا میں آکر عدل قائم کرینگے [1]۔ تمہارے اندر جرات ہی نہیں کہ تم عدل کی بات کرو۔ اسلیے اگر امام مہدی کا کوئی صحیح انتظار کر رہا ہے تو وہ ہم کر رہے ہیں۔ یہ ساری تگ و

[1] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہو گی۔ یہاں تک کہ زمین ظلم و جور اور سرکشی سے بھر جائے گی، بعد ازاں میرے اہل بیت سے ایک شخص (مہدی) پیدا ہو گا جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ حاکم، المستدرک، 600:4، رقم: 8670

دو اس قرآن فہمی کی اسلیے ہے کہ اگر ہمارے دور میں آجائیں تو اللہ ہمیں توفیق دے ورنہ آگے ہماری نسلوں تک پیغام پہنچے کہ اس محراب و منبر پر جب تک عادل لوگ نہیں آئینگے تب تک اس دین کی لوگوں کو سمجھ نہیں آنے دینگے۔ اسلیے اللہ فرماتا ہے کہ اگر کسی سے پوچھنا ہو تو اس سے پوچھنا جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں کے حصول کیلئے استغفار کرو

قرآن: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْؕ-اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًاۙ (۱۰) یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًاۙ (۱۱) وَّ یُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ یَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًاؕ (۱۲) - سورة نوح

ترجمہ: پھر میں نے کہا کہ تم اپنے رب سے بخشش طلب کرو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہےo وہ تم پر بڑی زوردار بارش بھیجے گاo اور تمہاری مدد اَموال اور بیٹوں کے ذریعے فرمائے گا اور تمہارے لئے باغات اُگائے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کردے گاo

خاکہ:

1) پریشانی کس وقت آتی ہے؟

2) استغفار کا حکم کیوں؟

3) امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کا تعارف۔

4) امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کا واقعہ۔

5) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کا واقعہ۔

6) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دن میں 70 مرتبہ استغفار کرنا۔

7) نماز کے بعد استغفار کیوں؟

8) سید ہاشم الرفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت۔

9) بیت الخلاء سے نکلنے پر استغفار۔

10) استغفار زندگی کا حصہ۔

11) تنہائی میں بیٹھ کر استغفار کرنا۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

آج ہم نے سورۃ نوح کی چند آیات سرنامہ کلام کیلئے منتخب کی ہیں جسکی وجہ یہ بنی کہ آجکل پریشان حال لوگ مختلف مسائل لیکر آتے ہیں تو میں پھر ان سے کہتا ہوں کہ ہم اللہ کے کلام سے انکا حل آپکی بارگاہ میں پیش کرنے کی کوشش کرینگے۔ کسی کو روزگار کا مسئلہ ہے، کسی کو اولاد کا مسئلہ ہے، تو کسی کو ذہنی پریشانی ہے اور کسی کے گھریلو معاملات خراب ہیں۔ یہ common مسائل ہیں اکثر لوگ ان پریشانیوں کا شکار ہیں۔ یہ پریشانیاں انسان اس وقت محسوس کرتا ہے جب وہ اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔ میں اکثر اپنے شاگردوں سے کہا کرتا ہوں کہ مسئلہ جتنا جی چاہے بڑا ہو، تکلیف یا آزمائش جتنی مرضی بڑی ہو؛ اگر آپکا اللہ آپکے ساتھ ہے تو آپ آسانی سے اس آزمائش اور تکلیف سے گزر جاتے ہیں۔ اگر آپ اپنے سارے معاملات اپنے اللہ کے سپرد کر دیں تو پھر میرے باباجی فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب تو یہ کہے کہ میں اپنے سارے معاملات اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور اسکے بعد بھی تو کہے کہ میں پریشان ہوں تو اسی کو منافقت کہتے ہیں۔ کیا تجھے اپنے اللہ کی طاقت پر یقین نہیں؟

نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ ایک بات اپنے اصحاب کو ارشاد فرمائی؛ فرمایا کہ اللہ نے تمہیں پتہ ہے کہ استغفار کا حکم کیوں دیا؟ استغفراللہ و اتوب الیہ۔ فرمایا، اسلیے کہ اللہ تمہیں بخشنا چاہتا ہے۔ تو اس نے تمہاری بخشش کا ذریعہ استغفار بنایا ہے[1]۔ تو اگر اللہ تمہیں بخشنا چاہتا ہے تو تم بھی اس اسے معافی مانگ لیا کرو۔ جس کے نامہ اعمال میں

---

[1] سیدنا فضالہ بن عبید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امن میں رہتا ہے، جب تک اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہتا ہے۔ مسند احمد، ذکر کے مخصوص کلمات کی فضیلت کے ابواب، استغفار اور اس کی فضیلت کا بیان، حدیث: 5483

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کوئی استغفار کا التزام کرلے تو اللہ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے اور ہر رنج سے نجات پانے کی راہ ہموار کر دے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا، جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا“۔ سنن ابوداؤد: 1518

استغفار کثرت سے ہو گا، اسکا نامہ اعمال کبھی سیاہ نہیں ہو سکتا[1]۔ غلطیاں کوتاہیاں ہر انسان کیساتھ ہیں۔ چھوٹے بڑے گناہ، انجانے میں اور جان بوجھ کر بھی، لیکن استغفار انسان کی زندگی کا حصہ ہونا چاہیے۔

امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کا کئی مرتبہ تعارف کروایا۔ آپ مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم کے شاگرد تھے۔ باب العلم سے آپ نے فیض پایا اور دوسرا یہ کہ انکی پرورش نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوئی۔ آپکی والدہ، ام المومنین سیدہ سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھی۔ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ اپنے علم کیوجہ بیان کرتے تھے کہ میری والدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کام کاج میں لگی رہتی تھیں تو میں جب کبھی پانی مانگتا تو سیدہ سلمہ رضی اللہ عنہا مجھے اس پیالے میں پانی دیتی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے تھے۔ یہ نہیں کہا کہ میں نے فلاح یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی، میں نے دورہ حدیث کیا ہے یا میں نے کوئی specialization کی ہے۔ بلکہ وہ کہا کرتے تھے کہ یہ جو بھی علم اللہ نے مجھے دیا ہے وہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے کا صدقہ ہے۔

آپکے شاگردوں نے ایک بڑا عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص آگیا اور کہتا ہے کہ امام قحط سالی ہے بارش نہیں ہو رہی تو کیا کریں۔ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ استغفار کرو۔ کچھ دیر بعد ایک اور بندہ آگیا، وہ کہتا کہ امام میری اولاد نہیں۔ آپ نے اسے بھی یہی کہا کہ استغفار کرو۔ تیسرا بندہ آیا کہ میرے مالی معاملات خراب ہیں۔ آپ نے اسے بھی یہی فرمایا کہ استغفار کرو۔ ایک شخص نے کہا کہ میرے باغات جل رہے ہیں۔ تو آپ نے اسے بھی یہی کہا کہ استغفار کرو۔ اب سمجھ آئی بات کہ اس آیت کا انتخاب میں نے کیوں کیا؟ کیونکہ جتنے بھی لوگ آئے آپ نے انکو یہی حل بتایا۔ تو آپ کے شاگردوں نے کہا کہ امام بڑی عجیب بات ہے کہ سب لوگوں کے مسئلے مختلف تھے لیکن آپ نے سب کو ایک ہی حل بتایا۔

اگر آپکو یاد ہو کہ میں نے ایک جملہ آپکو کہا تھا کہ ہمارا درس قرآن سے ہی شروع ہوتا ہے اور قرآن پر ہی ختم ہوتا ہے۔ تو جو تعلیم قرآن سے ہی شروع ہو اور قرآن پر ہی ختم ہو۔ وہ گمراہی کی تعلیم نہیں ہوتی۔ وہاں انسان گمراہ نہیں ہو سکتا۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ حل میں نے اپنی طرف سے نہیں بتایا بلکہ یہ حل تو اللہ تعالیٰ نے

[1] عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص جیسا ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔ سنن ابن ماجہ: 4250

قرآن حکیم میں لکھا ہوا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں۔ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ۔ حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں اپنی قوم سے کہ اللہ سے معافی مانگ لو اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا اللہ بڑا ہی معاف کرنیوالا ہے يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وہ آسمان سے تیز بارش نازل کریگا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ اور تمہاری مدد کرے گا مال سے بھی اور بیٹوں سے بھی وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا اور تمہارے لیے باغات بھی اگائے گا اور نہریں بھی جاری کر دے گا۔ تو فرمایا کہ یہ جتنے بھی لوگ آئے تھے، انہوں نے یہی مسئلے بیان کیے تھے ناں۔ تو ان سارے مسائل کا حل قرآن حکیم نے استغفار میں رکھا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی قحط آ گیا۔ ایک واقعہ تو تاریخ الخلفاء سے میں نے آپ کے سامنے رکھا تھا کہ بارش کیلئے دعا کرنی تھی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ جو پیش کیا تھا۔ آج میں اور روایت پیش کرنے لگا ہوں۔ سرکار عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے، استغفار کیا، اللہ سے معافی مانگی، دوستوں کو بھی کہا کہ استغفار کرو اور پھر آپ جانے لگے۔ تو لوگوں نے کہا کہ حضور ہم نے آپکو دعا کیلیے بلوایا تھا کہ بارش کیلیے دعا کرنی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے کیا سمجھا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ حضور آپ نے تو بارش کا ذکر ہی نہیں کیا کہ اللہ بارش نازل فرما۔ فرمایا کہ میں نے وہ ذریعہ استعمال کیا ہے جس سے بارش نازل ہونی ہے۔ فرمایا کہ نماز استسقاء تو شرعی حکم ہے وہ ادا کرو لیکن اگر بارش چاہتے ہو تو استغفار کرو۔

شاید یہ استغفار ہم سے چھوٹتا جا رہا ہے۔ بندہ استغفار کب کرتا ہے؟ جب پہلے اعتراف کرتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ غلطی کا اعتراف کریگا تو معافی طلب کریگا؛ تو جب تک وہ غلطی کا اعتراف ہی نہ کرے تو وہ استغفار کیا کریگا۔ یہ روایت تو ہلا کر رکھ دیتی ہے کہ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو کائنات کو پاک کرنے آئے ہیں، اللہ کے محبوب، رحمت اللعالمین فرماتے ہیں کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں دن میں 70 مرتبہ استغفار کرتا ہوں[1]۔ اس روایت پر جو ہمارے محققین نے جملہ لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ استغفار صرف اسلیے نہیں ہوتی کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگنی ہے۔ کیونکہ اگر گناہوں کی معافی مانگنی ہوتی تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم استغفار نہ کرتے۔ اسلیے ہمارے محققین نے کہا کہ

[1] ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تو ہر روز اللہ تعالیٰ سے ستر بار استغفار اور توبہ کرتا ہوں" سنن ابن ماجہ: 3816

تمہارے ذہن میں کبھی یہ بات بھی آجائے کہ ہم نے کونسا کوئی گناہ کیا ہے جو استغفار کریں۔ شیطان یہ وسوسہ بھی تو ڈال دیتا ہے۔ تو جب سرکار ﷺ نے فرمادیا کہ میں دن میں 70 مرتبہ استغفار کرتا ہوں تو اسکا مطلب ہے کہ یہ استغفار صرف گناہوں کی معافی نہیں بلکہ یہ باقاعدہ عبادت کا درجہ ہے۔ یہ مستقل عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

کبھی شاید آپ نے غور نہیں کیا، یہ کوئی اٹھارہ سے بیس وضائف ہیں جو آپ ﷺ نماز کے بعد پڑھتے۔ کچھ روایات میں ہے کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز میں اللہ اکبر کہتے پھر تین مرتبہ استغفر اللہ پڑھتے۔ کچھ روایات میں ہے کہ دوسرا کلمہ پڑھتے۔ ایک دعا جو ہم پڑھتے ہیں، اللہم انت السلام و منک السلام۔ اس کا ذکر ہے۔ اسی طرح آیت الکرسی کا ذکر ہے۔ یہ کوئی اٹھارہ سے بیس وضائف ہیں جو آپ ﷺ نماز کے بعد پڑھتے۔ یہاں پر بھی جو کثرت ہے راویوں کی وہ یہی ہے کہ آپ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد استغفر اللہ پڑھتے تھے[1]۔ بھائی نماز کوئی گناہ کا کام کیا ہے، جسکے بعد آپ استغفر اللہ کر رہے ہیں۔ پہلی بات کی تشریح کیلئے میں آپکو یہاں تک لیکر آیا ہوں۔ نیکی کے کام پر استغفار کیوں؟ اب وہ جملہ آپکے ذہن میں رہے کہ استغفار بھی ایک عبادت ہے اور دوسری وجہ اسکی یہ لکھی ہے۔۔ جس طرح رکوع میں ہم کہتے ہیں سبحان ربی العظیم، پاک ہے وہ ذات، عظیم ہے وہ ذات۔ تو سجدے میں جاکر کہتے ہیں، سبحان ربی الاعلیٰ۔ تو ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ رکوع میں کہا کہ وہ اللہ بڑا عظیم ہے، بہت بڑا ہے، پاک ہے۔ اب سجدے میں، میں نے کہا کہ مولا وہ جو میں نے کہا تھا ناں کہ تو بڑا عظیم ہے، میرے اس کہنے سے بھی تو کہیں بلند و برتر ہے۔ وہ جو میں نے تیری تسبیح کی تھی، وہ تیری شایان شان تو نہیں تھی۔ میری تسبیح بیان کرنے سے تو کہیں بلند ہے۔ رکوع والی سبحان ربی العظیم اور سجدے والی سبحان ربی الاعلیٰ میں یہ فرق ہے۔ اور پھر سلام پھیر کر یہ کہنا کہ مالک یہ قیام، رکوع، سجود اور قعدہ، تیری شایان شان تو نماز نہیں پڑھ سکا۔

ہمارے بزرگوں سے لوگ پوچھتے تھے کہ جب ہم کوئی وظیفہ پڑھتے ہیں تو اس وظیفہ کا اثر کیوں نہیں ہوتا؟ مثلاً نماز بھی پڑھتے ہیں تو نماز کے اثرات ہمارے اوپر نہیں ہوتے۔ تسبیحات بھی کرتے ہیں، درود بھی پڑھتے

---

[1] سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار کرتے اور کہتے: « اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ » سے اخیر تک۔ ولید نے کہا: میں نے اوزاعی سے پوچھا استغفار کیسے ہے؟ کہا: « أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ » کہتے یعنی "میں اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں" صحیح مسلم:1334

ہیں لیکن اثر نہیں۔ اسکا بھی حل میں آپکو عرض کرنے لگا ہوں۔ ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ تو زبان سے کہتا ہے سبحان اللہ، جب تو زبان سے کہے تو اس وقت تیرا ذہن بھی زبان کا ساتھ دے، تیری سوچ اسی لائن میں کھڑی ہو اور پھر تیرے دل کی محبت بھی اس لائن میں کھڑی ہو جائے تو پھر سبحان اللہ اثر کریگا۔ اگر تو زبان سے سبحان اللہ کہہ رہا ہے اور ذہن تیرا کہیں باہر گھوم رہا ہے تو پھر اس سبحان اللہ پر بھی اللہ سے معافی مانگ کہ تو نے بغیر توجہ کے ہی اسکی تسبیح بیان کر دی۔

سید احمد الرفاعی رحمۃ اللہ علیہ ، انکا مزار اقدس مصر میں ہے۔ انکا واقعہ شیخ عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں انہوں نے روایت کیا ہے۔ سید احمد رحمۃ اللہ علیہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر حاضر ہوئے تو عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے شہر میں بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا تھا؛ آج تو آپکی قبر انور پر حاضر ہوا ہوں، دست اقدس باہر نکالیے، میں مصافحہ کرنا چاہتا۔ یہ ساتویں صدی ہجری کی بات ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا دست اقدس باہر نکلتا دیکھا اور پھر سید احمد الرفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے بوسا دیا۔ انکی آل کے تھے سید ہاشم الرفاعی، یہ رفاعی خاندان عراق سے ہجرت کرکے کویت چلا گیا تھا۔ سید ہاشم الرفاعی 1994 میں پاکستان آئے، اس وقت وہ کویت کے وزیر تعلیم تھے۔ ادھر جب لاہور آئے تو ہم بھی ان سے ملنے گئے۔ مجھے آج بھی انکا وہ جملہ یاد ہے؛ لوگوں نے کہا کہ ہمیں کوئی نصیحت کریں۔ تو وہ ایک جملہ کہہ کر چلے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے استغفار پر بھی استغفار کرو۔ لوگوں کو شاید اس وقت سمجھ نہیں آئی تھی۔ یہ جو تُو توجہ کے بغیر استغفر اللہ کہتا ہے اس سے بھی اللہ سے معافی مانگ؛ مولا میرا دھیان کسی اور طرف تھا اور میں تسبیح میں استغفر اللہ، استغفر اللہ کہہ رہا تھا۔ اس وقت انہوں نے یہ بات فرمائی تھی کہ ہمارے استغفار کو بھی استغفار کی ضرورت ہے۔

یہ جو ہم نماز کے بعد استغفار کرتے ہیں ناں یہ اسلیے ہے کہ یا اللہ تیری شایانِ شان تو میں کچھ نہ کر سکا، اسلیے مجھے معاف کر دے۔ اسلیے سلام پھیرتے ہی استغفار پڑھا۔ جب آپ بیت الخلاء سے نکلتے ہیں، تو بیت الخلاء کی دعا کیا ہے، غفرانک۔ اندر داخل ہونے کی دعا ہے اللہم انی اعوذبک من الخبث وا لخبائث، یا اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں جتنے بھی خبیث (جن، شیطان) ہیں نر یا مادہ۔ اور باہر نکلتے وقت غفرانک، یا اللہ مجھے بخش دے۔ اس وقت بھی مغفرت کی دعا مانگی ہے۔ مولا، تو نے مجھے نعمتیں دیں، میں نے کھائیں، وہ انرجی میرے جسم کا حصہ بنی؛ باقی جو فاسد

مادے تھے، ان سے تو نے مجھے نجات دی۔ جو اچھائی تھی وہ مجھے مل گئی اور جو میرے جسم کیلئے بہتر نہیں تھا اس کو تو نے میرے جسم سے خارج کر دیا۔ مولا یہ تیری جتنی نعمتیں ہیں، میرا تو اس طرف دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ اب اگر کوئی کمی بیشی رہ گئی ہے تو میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ استغفار کرتا ہوں۔ اب دیکھئے نماز سب سے بڑی عبادت ہے، اسکے بعد بھی استغفار ہے اور واش روم سے نکلنا ہے تو اسکے بعد بھی استغفار ہے۔ یعنی تیری زندگی کا یہ کتنا اہم حصہ ہے۔

استغفار ہماری زندگی میں اتنا کیوں اہم ہے؟ اسکا جواب بھی میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے۔ فرمایا کہ جب ابلیس نے کہا، قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ[1]، کہنے لگا تیری عزت کی قسم میں ان سب (انسانوں) کو ضرور گمراہ کر دونگا۔ انکے راستے میں بیٹھونگا اور انکو تباہ و برباد کر دونگا۔ میرے سرکار ﷺ نے فرمایا کہ جب ابلیس نے یہ جملہ کہا تو آگے سے اللہ نے فرمایا کہ ابلیس جب تک یہ انسان استغفار کرتے رہینگے میں انہیں معاف کرتا رہونگا[2]۔ اسلیے نبی پاک ﷺ فرماتے تھے کہ مجھے اس جملے سے بڑی محبت ہے۔

ہم نے تو وہ ہتھیار استعمال ہی نہیں کیا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ایک خوبصورت بحث ہے دعا کے حوالے سے۔ 500 علماء اس دور کے اکٹھے ہوئے، اورنگزیب عالمگیر کا دور ہے۔ فتاویٰ عالمگیری اس وقت لکھا گیا۔ اس میں ایک بحث ہے کہ ایک بندہ جنگل میں جاتا ہے شکار کیلئے اور ہتھیار نہیں لیکر جاتا۔ تیر، تلوار، نیزہ وغیرہ جو بھی ہتھیار ہوتے ہیں؛ اب اسکا سامنا کسی درندے سے ہو جاتا ہے اور وہ آگے سے مدافعت نہیں کرتا۔ تو وہ بندہ مر جاتا ہے تو وہ حرام کی موت مرتا ہے۔ اس نے خودکشی کی ہے۔ اسکو اللہ نے جتنی طاقت دی تھی اسکو استعمال کرنا چاہیے تھا۔ اپنے ہتھیار استعمال کرتا، اپنی طاقت کے مطابق بچاؤ کرتا اسکے بعد بھی اگر مر جاتا تو شہید تھا۔ اب اس بحث کے بعد لکھا

---

[1] سورۃ ص: 82

[2] سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابلیس نے اپنے ربّ سے کہا: تیری عزت اور جلال کی قسم! جب تک بنو آدم میں روحیں موجود رہیں گی، میں ہمیشہ ان کو گمراہ کرتا رہوں گا، اللہ تعالیٰ نے کہا: مجھے میری عزت اور میرے جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے بخشش طلب کرتے رہیں گے، میں ان کو بخشتا رہوں گا۔ مسند احمد، فقہی ترتیب، ذکر کے مخصوص کلمات کی فضیلت کے ابواب، استغفار اور اس کی فضیلت کا بیان، حدیث: 5479

ہے کہ دعا تیر اہتھیار ہے۔ اگر تو دعا کرتا ہوا مریگا تو شہید ہے اور اگر تو نے دعا کا ہتھیار استعمال نہیں کیا، تو کیوں حرام کی موت مرتا ہے۔ جب تجھے اللہ نے استغفار کا حکم دیا ہے تو تُو کیوں نہیں کرتا؟

استغفار کے متعلق تو ہمارے ہاں بہت سختی ہے۔ جب میں کہتا ہوں ناں کہ مولوی کو کیا پتہ ہو توحید کا، یہ تو اللہ کا فقیر جانتا ہے کہ توحید کیا ہوتی ہے۔ آپ کہتے ہیں ناں،اللہم اسالک بحق محمد الاغفرت لی۔ یا اللہ مجھے محمد ﷺ کے وسیلے سے بخش دے۔ اپنے والدین کا وسیلہ دیتے ہیں۔ اپنے پیر و مرشد کا وسیلہ دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ میں آپکو عرض کر دوں، یہ تصوف کا مسئلہ ہے۔ آپ نبی پاکؐ کا وسیلہ دے سکتے ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کا وسیلہ دے سکتے ہیں، اپنے نیک اعمال کا وسیلہ دے سکتے ہیں۔ لیکن آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یا رسول اللہ ﷺ ، اللہ کے واسطے میرا یہ کام کر دیں۔ یہ ہے فقر کی توحید کہ وسیلہ بڑے کے سامنے چھوٹے کا ہو گا۔ نبیوں، ولیوں کا وسیلہ تو اللہ کی بارگاہ میں ہو سکتا ہے لیکن اللہ کا وسیلہ کسی کی بارگاہ میں نہیں ہو سکتا۔ اور ہمارے فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی سائل آپ سے یہ کہے کہ اللہ کے واسطے مجھے دو، یعنی وہ سمجھتا ہے کہ دے آپ رہے ہیں اور میں اللہ کے وسیلے سے مانگ رہا ہوں تو اس کو دینا حرام ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ دے آپ رہے ہیں اور اللہ درمیان میں وسیلہ ہے۔ نہیں۔ نہیں۔ دینے والی اللہ کی ذات ہے، تُو وسیلہ ہو سکتا ہے۔ یہ عقیدہ توحید مولوی کو کیا پتہ۔

اللہ کے جلال و اکرام اور اسکی عزت کی یہ ساری باتیں میں نے اسلیے عرض کی ہیں کہ ایک بندے نے آکر کہا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ کی بارگاہ میں آپکو شفیع بناتا ہوں اور آپکی بارگاہ میں اللہ کو شفیع بناتا ہوں۔ نبی پاک ﷺ غصے میں آگئے، بڑی دیر تک آپ سبحان اللہ کا ورد فرماتے رہے۔ میں تو اللہ کی بارگاہ میں شفیع ہو سکتا ہوں؛ یہ تو نے کیا کہہ دیا کہ اللہ میری بارگاہ میں شفیع ہو گا(حوالہ)۔ ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ کے واسطے تُو مجھے دے، اسکو نہیں دینا۔ کیونکہ دینے والی ذات اللہ کی ہے۔ باقی سب وسیلہ بن سکتے ہیں، لیکن اللہ کو کسی کے سامنے وسیلہ نہیں بنایا جاسکتا۔ یہ ہے عقیدہ توحید۔ اسلیے میرے پاک پیغمبرؐ فرماتے تھے کہ جب میں دن میں 70 مرتبہ استغفار کرتا ہوں تو تمہیں کیا ہو گیا ہے۔

استغفار کو زندگی کا حصہ بنائیں۔ استغفر اللہ و اتوب الیہ۔ یہ میں نے آپکو بتا دیا کہ بڑی سے بڑی عبادت کے بعد بھی استغفار ہے اور بیت الخلاء سے نکل کر بھی استغفار ہے۔ یعنی تیری زندگی کا احاطہ جو ہے وہ استغفار میں ہے اور تیرے تمام مسائل کا حل بھی اسی میں ہی ہے۔ یہ آیات حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتائیں۔ اسکے شان نزول میں یہ روایت میں نے پڑھی۔ یہ تو پتہ ہے آپکو کہ حضرت نوح علیہ السلام نے 950 سال تبلیغ کی۔ اسی رکوع میں انکی قوم کی بے ادبیاں ہیں اور جو انہوں نے اللہ کے نبی کی توہین کی۔ تو اللہ نے انکی عورتوں کو 40 سال کیلئے بانجھ کر دیا۔ تو پھر جب وہ اللہ کے نبی کے پاس آئے تو پھر آپؑ نے فرمایا کہ استغفار کرو۔ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ، وہ اللہ تمہاری مدد کریگا، مال سے بھی اور بیٹوں سے بھی۔ اور امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے بھی تمام مسائل کا حل استغفار ہی بتایا۔

بات اتنی سی ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر استغفار کرنا ہے کہ زبان، ذہن اور دل ایک لائن میں کھڑے ہوں۔ بے توجہی کیساتھ نہیں۔ پھر جب معافی مانگ لینی ہے تو یہ حدیث بھی ذہن میں رکھنی ہے کہ میرے اللہ نے ابلیس سے کہہ دیا ہے کہ تو جو جی چاہے کر لے جب تک انسان معافی مانگتے رہینگے، میں معاف کرتا رہونگا۔ پھر یقین ہو کہ اللہ نے مجھے معاف فرما دیا ہے۔ اللہ عمل کی توفیق فرمائے۔ آمین

مکافات عمل

قرآن: وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعفُوا عَن كَثِيرٍ ط(سورة الشوریٰ: 30)

ترجمہ: "اور جو تمہیں مصیبت پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کے کمائے ہوئے مال کیوجہ سے ہے اور بہت کچھ تو وہ معاف فرمادیتا ہے"

خاکہ:

1) جو بویا ہے وہی کاٹنا ہے۔

2) توبہ مکافات عمل سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

3) والدین کو ایصال ثواب کا بہترین طریقہ انکے واجبات ادا کرنے میں ہے۔

4) حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کا بدبخت بیٹا جو یزید کی فوج کا سپہ سالار تھا۔

5) مختار ثقفی کا قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ سے بدلہ لینے کا اعلان۔

6) دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

7) عمرو بن سعد اور اسکے بیٹے کا مختار ثقفی کے ہاتھوں قتل۔

8) حرمل کی پیاس پھر مرنے تک نہ بجھی۔

9) حکیم صاحب کیساتھ مکافات کا معاملہ۔

10) بدکاری ادھار ہے۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

یہ جو دنیا اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے اس میں مکافات عمل کا نظام چل رہا ہے۔ آپ جو بھی کام کر رہے ہیں، اسکا نتیجہ آپکو ملنا ہے اور وہی ملنا ہے جو آپ کام کر رہے ہیں۔ اب قرآن کریم نے جو سوال اٹھایا ہے اسکو آج سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سادہ زبان میں علماء نے اسکی مثال دی ہے کہ آپ ایک فصل بوتے ہیں، مثلاً آپ نے گندم کی فصل بوئی، پھر اسکے اوپر محنت کی۔ اب اگر کوئی دنیا کا بڑا فلسفی یا دانشور یا مجھ سے آپکی بڑی محبت ہے، میں اگر آپکو کہوں کہ ہو سکتا ہے کہ یہاں پر چاول اُگ آئیں۔ تو میری آپ عزت تو کرتے ہیں لیکن میری یہ بات نہیں مانیں گے۔ آپ یہ نہیں مانیں گے کہ گندم کی جگہ چاول اُگ آئیں اور یہ بھی نہیں مان سکتے گندم کی جو بھی قسم بوئی ہے اسکے علاوہ ہی کوئی اُگ آئے۔ ہمیں مکافات عمل پر یقین ہے کہ جو میں نے بویا ہے وہی کاٹنا ہے۔ جو میں نے عمل کیا ہے اسکا مجھے وہی نتیجہ ملنا ہے۔ اب اس stage پہ اللہ تعالیٰ نے سوال رکھا ہے آپ کے سامنے کہ جب جھوٹ پر اللہ کی لعنت ہے؛ جھوٹ بولوں گا تو اسکی رحمت سے دور ہو جاؤنگا تو پھر تجھے اس بات پہ یقین کیوں نہیں آتا؟ رزق حرام سے تُو کیوں پیچھے نہیں ہٹتا؟ پھر تُو چوری، ڈکیتی کیوں نہیں چھوڑ تا؟ دو عمل اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ ایک طرف تو تجھے اتنا یقین ہے کہ جو میں نے بویا ہے وہی کاٹنا ہے اور دوسری طرف جب اللہ کے احکامات کی بات ہو تو پھر تُو کہے کہ دیکھی جائیگی۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، جو تم نے بویا ہے وہی کاٹنا ہے۔

اس میں اللہ کی رحمت کا ایک عنصر ہے۔ یہ آج کا موضوع نہیں لیکن آپکے ایمان کیلئے میں عرض کر دوں ۔جب کوئی بندہ آکر مسلمان ہوتا تھا تو وہ یہ سوال کرتا تھا کہ اس سے پیچھے جو میں نے اللہ کی نافرمانیاں کی ہیں، کیا ان نافرمانیوں پر مجھے ویسے ہی سزا ملے گی؟ یہ تو ایک سوال بنتا تھا کہ اگر قانون یہی ہے تو اسلام قبول کرنے کا مجھے کیا فائدہ؟ اس دین میں آنے کا مجھے کیا فائدہ؟ تو یہ جو لفظ مغفرت اور بخشش آپ استعمال کرتے ہیں کہ اگر تُو نے اپنے اِن بُرے کاموں سے توبہ کر لی ہے تو اب وہ غفور و رحیم ہے۔ اب وہ مکافات عمل تیرے اوپر نہیں لگے گا۔ اسکو

سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اسکو ایسے سمجھنا ہے،اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ [1]۔ قرآن کریم جو غفران کی بات کرتا ہے ناں، وہ یہ کرتا ہے کہ نیکیاں، گناہوں کو کھا جاتی ہیں۔ جس جس جگہ تُو نے نافرمانی کی تھی اب اُس اُس جگہ پہ فرمانبرداری کر۔ تو اب یہ مکافات عمل نہیں ہو گا۔

میں لوگوں کو کہتا ہوں کہ اپنے والدین کے ایصال ثواب کیلئے تم ختم دلاتے ہو، دیگیں پکا کے بانٹتے ہو اور صدقہ خیرات کرتے ہو تو یہ نفلی عبادات ہیں۔ لیکن اگر آپ نیت کریں وہی پیسہ جو آپ نے خرچ کیا کہ میری ماں یا باپ کے ذمہ کوئی زکوٰۃ رہتی تھی تو میں وہ ادا کر دوں۔ تو پیسہ تو خرچ کرنا ہی ہے لیکن جو فرض رہ گیا تھا میرے ماں باپ کا میں وہ ادا کر دوں۔ چونکہ نوافل سے فرائض ادا نہیں ہوتے۔ اگر آپ اپنے والدین کیلئے نفلی صدقات کرتے رہیں لیکن اگر انکے ذمے کوئی زکوٰۃ کا معاملہ تھا تو وہ تو بچارے پھنس گئے قبر میں اور اگر انھوں نے زکوٰۃ اپنی زندگی میں ساری ادا کر دی تھی تو اسکا ثواب پھر بھی انکو مل جایئگا۔ انکے ذمے جو روزے تھے انکا فدیہ دیں۔ وہ نیکیاں کریں جو برائیوں کو مٹا دیں۔

اگر آپ توبہ بھی کرتے ہیں اور برائی نہیں چھوڑتے تو پھر قرآن کا اصول وہی ہے کہ پھر اس مکافات عمل سے آپ کو گزرنا پڑے گا۔ اسکے لئے قرآن میں جو جملہ ارشاد فرمایا، وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ [2]، "اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا" اور ارشاد فرمایا،ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ [3]، " خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا ان برائیوں کی وجہ سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمائیں تا کہ اللہ انہیں ان کے بعض کاموں کا مزہ چکھائے تا کہ وہ باز آجائیں "۔ یہ جتنی مصیبتوں میں تم پھنسے ہوئے ہو یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ یہ تمہارا ہی مکافات عمل ہے جو تمہارے سامنے ہے۔ یہ تمہاری ہی بغاوت ہے اللہ کیساتھ جو تمہارے سامنے آئی ہے۔ اگر تم نے جھوٹ بول کر کسی کو نقصان پہنچایا ہے تو کل کو کوئی تمہیں بھی نقصان پہنچانے والا آجایئگا۔ اس

---

[1] سورۃ ہود:114

[2] سورۃ الشوریٰ:30

[3] سورۃ الروم:41

process میں سے پھر آپکو گزرنا پڑیگا۔ آپ نے کسی کو دھوکا دیا ہے تو آپکو دھوکا دینے والا آجائیگا۔ جبتک آپ توبہ نہیں کرتے اور توبہ پر قائم نہیں رہتے۔

مکافات عمل کے حوالے سے اگر ہم واقعہ کربلا کو دیکھیں۔ یزیدی فوجیوں کا جو سربراہ تھا وہ عمرو بن سعد تھا۔ کئی لوگ اسکو عُمر پڑھتے ہیں لیکن عربی زبان میں اگر "ر" کے آگے "و" آجائے تو اسکو "امر" پڑھتے ہیں۔ اب یہاں یہ بات سمجھنے والی ہے کہ اسلام صاحبزادگی کے اصول کو نہیں مانتا۔ صاحبزادہ تو نبی کا بھی ہے تو اگر وہ بدبخت ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ غرق ہو جائے۔ ہمیں اس سے کیا غرض ہے، نبی کی بیوی بھی اگر نبی کے حکم پہ نہیں چلتی تو نوحؑ کی بیوی غرق ہو گئی۔ لوطؑ کی بیوی غرق ہو گئی۔ اب یہ بیٹا ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا۔ آجکل تو آپ کہہ دیتے ہیں ناں کہ ہمارے مولوی یا پیر کا صاحبزادہ ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ وہ ہستی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں؛ وہ دس خوش نصیب جنکو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی، اسی دنیا میں۔ قریباً سوا لاکھ صحابہ کی تعداد لکھی ہے تاریخ میں؛ اتنی تعداد میں یہ سعد رضی اللہ عنہ واحد صحابی ہیں جن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر جب صحابہ اچانک حملے سے تتر بتر ہو گئے تھے تو وہ کمان جو سعد رضی اللہ عنہ کے پاس تھی وہ اب مدینہ کے میوزیم میں پڑی ہوئی ہے۔ نبی پاکؐ آپ کو تیر پکڑاتے تھے اور یہ اکیلے ہی اسکا جواب دے رہے تھے، سرکارؐ کے چاروں طرف ہی۔ ایک جملہ، اگر آپ کسی بھی تاریخ کی کتاب کا مطالعہ کریں تو صحابہ کرام کا ایک طریقہ تھا کہ جب بھی کوئی بات نبی پاکؐ سے پوچھتے تو کہتے کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں، اللہ اور اسکا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہ صحابہ کا گفتگو کا طریقہ تھا۔ لیکن سوا لاکھ صحابہ میں یہ واحد صحابی ہیں، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، غزوہ احد والے دن جب آپ کافروں پر تیر چلا رہے تھے تو میرے پاک پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہو جائیں۔ یہ ہیں وہ ہستی سعد رضی اللہ عنہ لیکن بیٹا کتنا بدبخت نکلا کہ کربلا میں یزیدی فوجیوں کا سپہ سالار تھا۔ اسلیے ایسے ہی کسی کو صاحبزادہ نہیں کہہ دینا، جو بخت اللہ اور اسکے رسولؐ کے حکم سے نکل گیا ہے وہ چاہے کسی کا بھی صاحبزادہ ہو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ گئی ہے یہ بات۔ اس وقت "رے" ایک ذرخیز اور قیمتی علاقہ تھا، اسکی گورنری کا لالچ عمرو بن سعد کو دیا گیا کہ تجھے رے کا گورنر بنا دیا جائیگا اگر تُو اس لشکر کی قیادت کریگا جو امام عالی مقام کے خلاف لڑے گا۔

میں مکافات عمل آپکے سامنے رکھنے لگا ہوں۔ واقعہ کربلا کے بعد مختار ثقفی کوفہ کا گورنر بنا۔ اس نے اعلان کیا کہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ لینا چاہتا ہوں، فوج تیار کی اور اس نے کہا کہ جس کسی نے بھی جس طریقے سے حصہ لیا اسکو چھوڑنا نہیں۔ کوئی کربلا نہیں بھی گیا لیکن اس نے کسی کو سواری دی ہے کہ جاؤ جا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑو، کسی نے مالی مدد کی ہے، یعنی جس کسی نے بھی کسی بھی طریقہ سے حصہ لیا ہے ہم نے اُسے بخشنا نہیں، مار دینا ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے کسی قاتل کو نہیں چھوڑنا۔ اور میرے اللہ کی شان دیکھئے، اُس وقت جو گورنر تھا عبید اللہ ابن زیاد، اسکے پاس دس ہزار کا لشکر تھا اور یہ فرات کے کنارے بیٹھا ہوا تھا تو مختار ثقفی نے مالک اشتر کو اسکے خلاف بھیجا اور اسی دریا کے کنارے دس محرم والے دن ہی جنگ ہوئی اور ابن زیاد مارا گیا اشتر کے ہاتھوں۔ پھر اُسی طرح ابن زیاد کا سر لا کر مختار کے سامنے رکھا گیا۔ اب اس سے پہلے امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا تھا، مکافات عمل دیکھئے، اب اُسی ابن زیاد کا سر لا کر مختار کے سامنے رکھا گیا۔ حسین کا سر تو کوفہ کے بازاروں میں قرآن کی تلاوت کر رہا تھا اور ابن زیاد کا سر جب رکھا گیا تو ایک سانپ نمودار ہوا جو اسکی ناک میں گھستا تھا اور منہ کے راستے نکلتا تھا۔ اللہ والوں کی شہادت اور اللہ کے دشمنوں کی موت میں یہ فرق ہوتا ہے۔ اس وقت تو ابن زیاد سمجھتا تھا کہ ہم نے تو حسین کو قتل کر دیا؛ اجاڑ، بیابان میں، طاقت ہمارے پاس ہے، بادشاہت ہمارے پاس ہے، لیکن دو سال کے اندر اندر مکافات عمل ہو گیا۔

یہ باتیں اس لیے کر رہا ہوں کہ اللہ کے وعدے پر یقین ہونا چاہیئے کہ اگر میں نے برائی نہ چھوڑی تو وہ برائی میرے ساتھ ہو کر رہے گی۔ میں بچ نہیں سکتا۔ جو تکلیف میں کسی کو پہنچا رہا ہوں، اس تکلیف میں سے میں نے بھی گزرنا ہے۔ یہ قانون ہے، تمہیں پتہ ہے کہ جو تم نے بویا ہے وہی کاٹنا ہے۔ اسلیے میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، الدنیا مزراعۃ الاخرۃ[1]۔ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں تم نے جو بویا ہے وہی آخرت میں کاٹنا ہے۔ اب اپنا محاسبہ کر لو کہ یہاں تم نے کیا بویا ہے۔ یہ نہیں کہ یہاں اللہ کی بغاوت بوئی اور بعد میں دعا کرتے پھریں کہ اللہ اسکو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرما۔ ایسے نہیں ہوتا۔

[1] امام غزالی نے اسے احیاء علوم الدین میں حدیث کے طور پہ بیان کیا ہے۔

یہ عمرو ابن سعد کسی علاقے میں غار میں جا کر چھپ گیا۔ اب جب قاتلانِ حسین مارے جانے لگے تو یہ نہیں مل رہا تھا۔ یہ جو سپہ سالار تھا، یہ غائب تھا؛ اسکے بیٹے کو پکڑا اور مختار کے سامنے لے آئے تو اس نے کہا کہ ابا جی تو واقعہ کربلا کے بعد گوشہ نشین ہو گئے ہیں، ہر وقت نفل پڑھتے رہتے ہیں اور قرآن کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ مختار نے کہا اچھا، کربلا والے دن اسکو نوافل یاد نہیں آئے تھے، اس دن اسے قرآن کی تلاوت یاد نہیں آئی تھی۔ آج بھی کئی لوگ آپکو ملیں گے، ساری زندگی یتیموں کا مال کھاتے رہتے ہیں بعد میں نیک بن جاتے ہیں، ہم نے یتیم خانہ بنوا دیا۔ لیکن انکے دل کو سکون نہیں ملتا، جبتک وہ یتیموں کا مال واپس نہیں کرتے۔ حرام کمایا مسجد میں ٹائلیں لگوا دیں، لیکن سکون نہیں ملتا۔ حرام کمایا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی نیاز بانٹ دی، لیکن سکون نہیں ملتا۔ یہ لوگوں نے طریقہ اپنایا ہوا ہے کہ حرام اچھی طرح کما لو، پھر نیک بن جائینگے؛ جیسے سورۃ یوسف میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا کہ یوسفؑ کو کنویں میں پھینک دیتے تھے پھر نیک بن جائینگے۔ یہ انسانی سوچ بڑی پرانی ہے کہ اپنی خباثت کر لو، بعد میں نیک بن جائینگے۔ تو بیٹے نے پکڑوا دیا عمرو بن سعد کو اس غار میں سے۔ مختار کے سپاہی کھینچ کر لے آئے۔ اب مختار نے باپ بیٹے کو سامنے کھڑا کر دیا۔ میں مکافات عمل آپ کو بتانے لگا ہوں۔ قرآن کا اصول آپکے سامنے رکھنے لگا ہوں۔ اللہ کی کتاب کی روشنی آپکو بتا رہا ہوں۔ عمرو ابن سعد نے کہا کہ مختار پہلے مجھے قتل کر، میرے بیٹے کو میرے سامنے قتل نہ کر۔ مختار غصے میں آ گیا، تخت پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا کہ بے حیاء انسان، تو نے بھی تو حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے شہید کیے تھے۔ آج تجھے پتہ چلا ہے کہ باپ کے سامنے بیٹے کو قتل کرنے کی کیا اذیت ہوتی ہے۔ آج تو منتیں سماجتیں کر رہا ہے کہ میرا بیٹا میرے سامنے قتل نہ کر، مجھے قتل کر دے۔ جب تو نے علی اکبر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا تجھے نہیں پتہ تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے۔ اب مختار نے حکم دیا کہ اس کے بیٹے کو پہلے قتل کرو۔ پھر عمرو بن سعد کو قتل کیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کو دفنا دیں؟ اس نے کہا، نہیں، نہیں، انکو کتوں کے آگے پھینک دو۔

دو سال کے اندر، اندر مکافات عمل ہو گیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے کوئی نہیں بچا۔ آپ تاریخ کا مطالعہ کریں، آپ حیران رہ جائینگے۔ جس جس شخص نے جو جو عمل کیا تھا وہ اُسی مکافات عمل میں سے گزرا۔ کچھ لوگ مختار سے بچ گئے تھے، ان میں حرملا بھی تھا، اس نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بیٹے علی اصغر رضی اللہ عنہ کے گلے میں تیر مارا تھا۔ یہ مختار سے بچ گیا تھا، لیکن تاریخ کہتی ہے کہ یہ ہر وقت پانی پیتا رہتا تھا لیکن ساری زندگی اسکی پیاس

نہیں بجھی۔ جس تکلیف میں سے اس نے امام عالی مقام کے بیٹے کو گزارا تھا پھر مرنے تک اسی تکلیف میں مبتلا رہا۔ آخری وقت میں پھر نالیوں کا گندا پانی پیا کرتا تھا۔

یہ عقیدہ ذہن نشین کرلیں کہ میں نے جو بھی عمل کرنا ہے، مجھے اس عمل کا ہی نتیجہ ملنا ہے۔ اگر میں قرآن کی روشنی میں، اللہ کے رسولؐ کی روشنی میں زندگی گزاروں گا تو مجھے وہی اجر ملے گا۔ ایک دن پہلے بھی یہ مثال میں نے دی تھی آپکو کہ اللہ کے بہت بڑے ولی ہیں، حکیم تھے، وہ اپنا واقعہ لکھتے ہیں۔ ایک دن مطب میں ایک عورت کی نبض دیکھنے لگے، شیطانی وسوسہ آگیا کہ بازو بڑا خوبصورت ہے تو ہاتھ میں پکڑے رکھا۔ یہ شیطانی وسوسہ کسی وقت بھی آسکتا، کوئی انسان بھی اس میں پھنس سکتا ہے۔ لیکن پھر خدا کا خوف پیدا ہوا، جھٹک دیا۔ دکان بند کی اور گھر آگئے۔ پریشان بیٹھے ہوئے تھے، بیوی نے پوچھا، کیا بات ہے، اتنے پریشان؟ کہنے لگے کہ آج یہ واقعہ میرے ساتھ پیش آیا ہے کہ میں نے ایک عورت کا بازو پکڑا اور مجھے یہ وسوسہ پیدا ہوا اور میں نے نبض دیکھنے کے بہانے اسکا بازو پکڑے رکھا۔ بیوی رو پڑی، اس نے پوچھا کہ کتنی دیر ہو گئی۔ کہنے لگے یہی کوئی آدھ پون گھنٹا پہلے۔ بیوی نے کہا، وہی وقت آیا تھا کہ ایک فقیر ہمارے دروازے پر مانگنے کیلئے آیا، تو میں اسکو آٹا دینے گئی تھی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ یہ مکافات عمل تو یہاں تک انسان پہ عمل کرتا۔

اسلیے میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب بھی تم بُری نگاہ کسی عورت پر ڈالتے ہو، بدکاری کا ارتکاب کرتے ہو، تو سمجھ لینا کہ یہ ادھار ہے، تیری ماں، بہن، بیٹی کیساتھ بھی ہونا ہے۔ اسلیے نبی پاک ﷺ جب بھی کسی بدکار کی اصلاح فرماتے تو اسکو یہی سوال کرتے کہ کیاتُو یہ چاہتا ہے کہ کوئی تیری ماں کے ساتھ بھی ایسا کرے؟، تیری بیٹی کے ساتھ، تیری بہن، پھوپھی، خالہ کے ساتھ بھی ایسا کرے؟[1] تو یہ مکافات عمل کا قانون قرآن نے ہمیں بتایا، اس سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ توبہ کرو، اللہ سے مغفرت طلب کرو، اس سے معافی مانگ لو اور اسکی رحمت میں آجاؤ۔ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

[1] سیدنا ابو امامہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نوجوان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے زنا کی اجازت دیں، لوگ اس پر پل پڑے اور کہا: خاموش ہو جا، خاموش ہو جا تو، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نوجوان سے فرمایا: قریب ہو جا۔ پس وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہو کر بیٹھ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اپنی ماں کیلئے اس چیز کو پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! ہر گز نہیں، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اپنی ماؤں کیلئے اس برائی کو پسند نہیں کرتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا کیا تو اپنی بیٹی کے لئے اس چیز کو پسند کرے گا؟ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کر دے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگ بھی اس برائی کو اپنی بیٹیوں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا کیا تو زنا کو اپنی بہن کے لئے پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے، میں اپنی بہن کے لیے اس کو کبھی بھی پسند نہیں کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگ بھی اپنی بہنوں کے لئے اس برائی کو پسند نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اس کو اپنی پھوپھی کے لئے پسند کرے گا؟ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم میں اس کو پسند نہیں کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو پھر لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ کیا تو اس برائی کو اپنی خالہ کے لیے پسند کرے گا؟ اس نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں اس کو پسند نہیں کروں گا، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو پھر لوگ بھی اپنی خالاؤں کے لئے اس برائی کو پسند نہیں کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اور اس کے حق میں یہ دعا فرمائی: اے میرے اللہ! اس کے گناہ بخش دے، اس کے دل کو پاک کر دے اور اس کی شرمگاہ کو محفوظ کر دے۔ اس کے بعد وہ نوجوان کسی چیز کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ مسند احمد، زنا کی حد کے ابواب، زنا سے نفرت دلانے کا اور زانی کی وعید کا بیان، بالخصوص جب وہ اپنے پڑوسی کی بیوی اور اس عورت سے زنا کرے، جس کا خاوند غائب ہو، حدیث: 6648

انعام یافتہ لوگوں کی صحبت

قرآن: وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓىٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَۚ-وَ حَسُنَ اُولٰٓىٕكَ رَفِيْقًاؕ (سورة النساء: 69)

ترجمہ: اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔

خاکہ:

1) شعبان المبارک ایک بابرکت مہینہ ہے۔

2) اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کا نتیجہ انعام یافتہ لوگوں کی صحبت ہے۔

3) انعام یافتہ بننے کیلئے رسول ﷺ کی اتباع کرو۔

4) اطاعت اور اتباع میں فرق ہے۔

5) اتباع کی مثالوں سے وضاحت۔

6) حضرت مائی رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام۔

7) انسان کے ہر مسئلے کا حل توحید میں ہے۔

8) فقیر کے پاس آپ علم کو عمل میں تبدیل کرنے آتے ہیں۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

شعبان المبارک کا یہ بابرکت مہینہ، جسکو نبی پاک ﷺ نے فرمایا،شعبان شہری و رمضان شہراللہ، شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے[1]۔ نبی پاک ﷺ رمضان المبارک کے علاوہ سب سے زیادہ روزے شعبان میں رکھتے تھے اور رمضان کی ساری تیاری جو تھی وہ شعبان میں کرتے تھے[2]۔ اسکی عظمت کا بھی آپکو پتہ ہو کہ یہ جن لمحات میں آپ یہاں بیٹھے ہیں، یہ بڑے بابرکت ہیں، یہ وقت بڑا بابرکت ہے۔

یہ معروف آیت ہے سورۃ النساء کی؛ اس آیت کا انداز بڑا عجیب ہے کہ جس کسی نے بھی اللہ کی اطاعت اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کی۔ اب ظاہر ہے کہ اصل مقصد تو یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت کرنی اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کرنی ہے۔ کوئی بندہ تھوڑی کرے یا زیادہ کرے لیکن کہتا تو ہے کہ میں اللہ کی فرمانبرداری، اسکی بندگی کرتا ہوں اور اسکے رسول ﷺ کی غلامی کا بھی دم بھرتا ہے۔ لیکن اس آیت میں ایک خاص چیز جو اللہ نے بیان فرمائی، اگر کوئی بندہ جاننا چاہتا ہے کہ وہ اللہ کا بھی فرمانبردار اور اسکے رسول ﷺ کا بھی فرمانبردار ہے، تو اسکو پھر ہم عطا کیا کرتے ہیں؟ دیتے کیا ہیں؟ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ، ان لوگوں کا ساتھ نصیب کرتے جن پہ اللہ کا انعام ہوا۔ یعنی کسی نیک کے پاس بیٹھنا، یہ ہر کسی کیلئے نہیں ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ جس نے اللہ کی اطاعت کی اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کی، انکو ہم رکھیں گے ان لوگوں کیساتھ جن سے اللہ راضی ہے، جن پہ اللہ نے انعام کیا۔ اور وہ کون لوگ ہیں؟ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ۔ وہ نبی ہیں، سچے لوگ، شہداء اور صالحین۔ آگے فرمایا کہ اگر تم انعام یافتہ نہیں بن سکتے تو یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے کہ اس نے تمہیں اپنے انعام یافتہ

---

[1] جامع صغیر، حرف الشین، ص:۳۰۱، حدیث:۴۸۸۹

[2] ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لگاتار دو مہینوں کے روزے رکھتے نہیں دیکھا سوائے شعبان اور رمضان کے۔ سنن ترمذی:736

کیساتھ رکھاہے۔وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا، اور یہ جو رفاقت ہم نے دی ہے کوئی معمولی رفاقت دی ہے؟ تو یہ اطاعت کا اجر ہے۔ اللہ کی فرمانبر اداری کا اجر ہے کہ اسکو کسی نیک کی صحبت مل گئی، کسی انعام یافتہ کی صحبت مل گئی۔

ویسے کبھی انسان کے ذہن میں یہ بھی آجاتا ہے یااللہ ساری زندگی تیری اور تیرے نبی ﷺ کی اطاعت کر کے بھی کسی کی غلامی ہی کرنی ہے تو ہمیں پھر اطاعت کا کیا فائدہ ہوا؟ کئی لوگ کہتے ہیں ناں کہ اگر کسی کے پیچھے پیچھے ہی پھرنا تھاتو ہمیں اطاعت کا کیا فائدہ ہوا؟ کئی لوگ کہتے ہیں کہ داتا صاحب جا کر دعا کرتے ہیں کہ یااللہ مجھے بھی داتا صاحب بنادے۔ اللہ فرماتا ہے ہاں اگر تمہاری یہ خواہش ہے، اب یہ چار گروہ ہیں، نبوت تو اب ختم ہو گئی، نبی تو تم بن نہیں سکتے، باقی رہ گئے صدیقین، شہداء اور صالحین، یہ اللہ کے ولی، اللہ کے محبوب، جن سے اللہ محبت کرتا ہے۔ تو اگر تم بھی یہ چاہتے ہو کہ میں بھی انعام یافتہ بنوں تو اسکے لئے اطاعت نہیں، اسکے لئے پھر میرے نبی ﷺ کی اتباع ہے۔قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1] "آپ (محمد ﷺ) فرمادیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اگر تم انعام یافتہ بننا چاہتے ہو ناں تو پھر رسول ﷺ کی اتباع ہے، اطاعت نہیں پھر اتباع ہے۔

ہم ساری زندگی یہی سمجھتے رہے کہ اطاعت اور اتباع ایک ہی چیز ہوتی ہے۔ عربی والے اس کا فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اطاعت تو کئی دفعہ بندہ ڈر کی وجہ سے بھی کرتا ہے۔ جیسے بادشاہ کا حکم خوف کی وجہ سے ماننا، کئی دفعہ بندہ صحیح ڈرائیونگ اسلیے بھی کرتا ہے کہ میرا چالان نہ ہو جائے، یعنی خوف کی وجہ سے اطاعت۔ کبھی انسان لالچ کی وجہ سے بھی کرتا ہے اور کبھی انعام حاصل کرنے کیلئے بھی کرتا ہے۔ اطاعت کبھی محبت میں بھی ہوتی ہے۔ عربی والے کہتے کہ کبھی تم نے بھیڑ یا بکری کا بچہ دیکھا۔ جب اسکی ماں اٹھ کے کسی جگہ جانے لگتی ہے تو وہ بچہ اسکے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ تم اسکو روکتے ہو لیکن وہ پھر بھی اسکے پیچھے چلتا، تم بڑی کوشش کرتے ہو کہ یہ رُک جائے لیکن وہ اسکو چھوڑتا نہیں، تم اسکو ماروگے بھی ناں کہ اس کے پیچھے نہ جا، لالچ بھی دوگے تو وہ نہیں چھوڑے گا۔ تو جب تمہاری محبت اس درجہ میں چلی جائے کہ نہ خوف روک سکے، نہ لالچ روک سکے، نہ سازش روک سکے، نہ تہمتیں روک سکیں تو

[1] سورۃ آل عمران:31

اسکو اطاعت نہیں، اتباع کہتے ہیں۔ تو اگر تمہیں شوق ہے محبوب بننے کا تو پھر بھی در تو میرے نبی ﷺ کا ہی ہے۔ اتباع کیلئے میں ایک اور مثال عرض کروں، ابھی عشاء کی اذان ہوئی، آپ نے نماز ادا کی، یہ اطاعت ہے۔ فرائض کی ادائیگی جو ہے ناں یہ اطاعت ہے۔ سو میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ، یعنی اڑھائی فیصد جو ہے یہ اطاعت ہے۔ جب آپ عشاء کی نماز پڑھ کے سو جاتے ہیں اور میرا اللہ فرماتا ہے، تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا [1] " ان کی کروٹیں ان کی خواب گاہوں سے جدا رہتی ہیں اور وہ ڈرتے اور امید کرتے اپنے رب کو پکارتے ہیں "۔ سوئے تو سارے ہی تھے لیکن کچھ کروٹیں بدل رہے ہیں انکی یہ پشتیں بستروں سے شناسا ہی نہیں ہوتیں، لیٹتے ہیں لیکن پشتیں بستر سے محبت ہی نہیں کرتیں، کیوں؟ بس وہ شوق ہے کہ میرے محبوب تہجد کے وقت اٹھا کرتے تھے۔ کب تہجد کا وقت آئے اور میں اٹھوں۔

آجکل تو یہ بھی اعتراض ہوتا ہے کہ سارے لوگ تنخواہ لیکر کام کرتے ہیں، بھائی کوئی استاد ہے تو وہ بھی تنخواہ لیتا ہے اور کوئی فوجی ہے تو وہ بھی تنخواہ لیتا، پولیس والا، واپڈا والا۔ سارے تنخواہ لیتے ہیں۔ تو جو تنخواہ لیکر کیا جائے ناں وہ خدمت نہیں ہوتی بلکہ وہ فرض کی ادائیگی ہوتی ہے۔ آپ نے ایک فرض ادا کیا اور اسکی قیمت لے لی۔ انعام جو ہوتا ہے، وہ فرائض سے کچھ بڑھ کر کرنے کا نام ہے۔ تو قرآن کہتا ہے کہ ہاں اگر تمہیں شوق ہے انعام یافتہ بننے کا تو پھر اطاعت نہیں، میرے رسولؐ کی اتباع کرو۔ پھر اتباع کے درجے میں آؤ۔ کیسے کھانا کھاتے تھے، کیسا لباس پہنا کرتے تھے، کیسے گھر کی زندگی گزارتے تھے، کیسے عطا کرتے تھے، کیسے درگزر فرماتے تھے۔ حضور قبلہ عالم یوسف چشتی صابریؒ فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا لوگ تو سمجھتے ہیں کہ گدا اچھا ہوا ہے اور اس پہ تکیہ لگا ہوا ہے اور بڑے سکون سے یہ فقیر بیٹھا ہے لیکن انکو کیا پتہ کہ جس طرف کو بھی ہونا ہے سوئیاں آپکے جسم پہ چلتی ہیں، درد میں سے گزرنا پڑتا، تکالیف سہنی پڑتی ہیں۔

جے کوئی دیوے طعنہ میناتے یار دے پاروں سہیے
جے کوئی سٹے روڑھا کوڑھا تے وانگ اروڑھی رہیے

---

[1] سورۃ السجدۃ:16

بھائی اطاعت اور اتباع کا فرق میں اسلیے عرض کر رہا ہوں کہ فقیر کی صحبت جو اللہ فرما رہا ہے کہ اگر تم اطاعت کروگے یعنی نمازیں پڑھوگے، روزے رکھوگے، زکوٰۃ دوگے، فرائض کی ادائیگی کروگے تو اسکا تمہیں انعام جو اللہ دیگا کہ اللہ جن سے محبت کرتا ہے تمہیں انکی صحبت عطا کر دے گا۔ انکے ساتھ رکھے گا تمہیں، جنت میں بھی انکے ساتھ رکھے گا۔ یہاں یہ بھی نہیں کہا کہ جنت انعام ہے بلکہ جنت میں ان نیکوں کیساتھ رکھے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہے۔

شیخ کے پاس آپ کیا لینے آتے ہیں؟ یہاں آپ علم حاصل کرنے نہیں آتے، علم جو ہے وہ تو آپ سکول سے بھی حاصل کرتے ہیں، کالج اور یونیورسٹی سے بھی حاصل کرتے ہیں، مدرسے سے بھی علم حاصل کرتے ہیں۔ اب یہ جو اللہ فرماتا ہے کہ اطاعت کے بعد تمہیں صالحین کی صحبت دوں گا، جب تم اللہ اور اسکے رسولؐ کی اطاعت کر وگے ناں تو اسکے انعام کے طور پر تمہیں اپنے نیکوں کے پاس بٹھاؤں گا۔

حضرت مائی رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ کا دور بڑا قریب کا دور ہے، امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کا دور ہے اور امام حسن بصری کا تعارف آپکو پتہ ہے۔ آپ مولا علی سرکار کرم اللہ وجہ الکریم کے شاگرد ہیں، انہیں کے خلیفہ ہیں اور ہمارا سلسلہ انہی کے ذریعے سے مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم تک پہنچتا ہے۔ مائی رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ کا صرف یہ تعارف میں آپکو کروادوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم کے دور میں صرف امام حسن بصری تھے جنکو اجازت تھی درس قرآن دینے کی۔ یہ اس پایہ کا بندہ ہے کہ جس کو مولا علی نے اجازت دی تھی درس قرآن کی۔ تو لاکھوں کا مجمع ہوتا تھا جب آپ درس قرآن کیلئے بیٹھتے لیکن آپ پوچھتے رہتے کہ مائی صاحبہ نہیں تشریف لائیں درس میں۔ تو جب تک مائی صاحبہ تشریف نہیں لاتی تھیں آپ درس شروع نہیں کرتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور یہاں لاکھوں لوگ بیٹھے ہوتے ہیں تو آپ ایک بڑھیا کا انتظار کرتے رہتے ہیں تو بڑا جملہ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ میں ہاتھی کے سینے کا بوجھ ان چیونٹیوں کے سینوں پہ کیسے رکھ دوں؟ مائی صاحبہ کا یہ مقام تھا۔ یہ جو قرآن کے اسرار و رموز ہیں ناں یہ ہاتھیوں کے سینے کا بوجھ ہے جو صرف رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہے۔ باقی تم تو یہ چیونٹیوں کے برابر ہو، تمہارے اوپر میں یہ بوجھ کیسے لاد دوں۔ ایک دفعہ ایک بندے نے آکر کہا کہ مائی صاحبہ، آپ عورت ہیں، آپ نے فرمایا، نہیں، قرآن تو مجھے مرد کہتا۔ وہ بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا کہ آپکی وضع قطع تو ساری عورتوں والی ہے۔

تو آپ نے اٹھارہویں پارے کی آیت پڑھی۔ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيۡتَآءِ الزَّكٰوةِ ، "وہ مرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی"، یعنی قرآن پہ دسترس اتنی تھی مائی صاحبہ کی۔ آپ نے فرمایا کہ مرد وہ ہوتا ہے، اب آپ بھی سن لیں کہ مرد کون ہوتا ہے، مائی صاحبہ فرمانے لگیں کہ مرد وہ ہوتا ہے جو تجارت کریں، خرید و فروخت کریں لیکن کبھی ان کاموں کے دوران اللہ سے غافل نہ ہوں۔ وہ مرد ہوتا ہے۔ اسی لیے حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ جو اس دنیا کا طالب ہے وہ عورت ہے، جو آخرت کا طالب ہے وہ ہجڑا ہے اور جو مولا کا طالب ہے وہ مرد ہے۔ میں نے پہلے جو جملے کہیں ہیں ناں کہ نہ خوف اسے روک سکے نہ لالچ روک سکے۔ مائی صاحبہ فرمانے لگیں کہ جب وہ تجارت کریں یا خرید و فروخت کریں تو اللہ سے غافل نہ ہوں؛ کوئی لمحہ ان کی زندگی میں ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ سے غافل ہو جائیں، وہ اللہ کو یاد رکھتے ہیں۔ فرمانے لگیں کہ قرآن مجھے مرد کہتا ہے، میری زندگی میں کوئی ایسا لمحہ نہیں کہ میں اللہ سے غافل ہوئی ہوں۔ تو اپنے آپ کو مرد کہتا ہے؟ جو غافل ہو جائے اللہ سے وہ مرد نہیں ہوتا۔ اللہ فرماتا کہ میں ان مردوں کے ساتھ تمہیں رکھنا چاہتا ہوں اللہ رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد۔ یقین تھا اللہ پہ، کیا عالم ہے یقین کا۔ مائی صاحبہ کی نوکرانی کہتی ہے کہ ایک سائل آگیا دروازے پر۔ اس وقت کوئی اللہ کے ولی آئے ہوئے تھے مائی صاحبہ کو ملنے تو اپنی خادمہ سے پوچھا کچھ ہے کھانے کو۔ ایک روٹی تھی وہ دو بندے تھے تو ابھی یہ بات ہو رہی تھی تو ایک سائل آگیا دروازے پر۔ مائی صاحبہ نے کہا کہ روٹی سائل کو دے دو۔ اب یہ آیت ذہن میں رہے کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد تمہیں نیکوں کی صحبت ملے گی۔ اطاعت کرو گے تو پھر کسی نیک کی صحبت ملے گی، یہ انعام بعد میں ہے۔ اب کبھی یہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا شعر پڑھو نا کہ،

یک زمانہ صحبتِ با اولیا

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

تو یہ آیت ذہن میں رکھنا۔ ان لوگوں نے قرآن کا ترجمہ کیا۔ اب وہ جو بندے تھے، تھے تو وہ بڑے پرہیز گار اور متقی۔ لیکن یہ بھوک بڑی عجیب شے ہے؛ بڑی دور سے سفر کر کے آئے تھے، دل میں خیال کرنے لگے کہ یہ ایک روٹی تھی تو یہ مائی صاحبہ ہمیں دے دیتیں، لمبے سفر سے آئے تھے، ایک تھی وہ بھی سائل کو دے دی۔ اتنے میں

دروازے پر دستک ہوئی، خادمہ باہر گئی، کہنے لگی کہ کسی گھر سے نیاز کا کھانا آیا۔ خادمہ نے کہا کہ پانچ روٹیاں ہیں، فرمانے لگیں کہ نہیں یہ ہماری نہیں ہیں، واپس کر دو۔ یہ رزق ہمارا نہیں ہے۔ پھر نیاز آگئی، روٹیاں گنو، 7 ہیں، فرمایا یہ بھی ہماری نہیں ہیں۔ واپس کر دو۔ اب یہ تینوں بندے دیکھ رہے ہیں جو ساری ساری رات عبادت کرتے تھے کہ عجیب معاملہ ہے۔ اب تیسری دفعہ دستک ہوئی، فرمایا روٹیاں گنو کتنی ہیں؟ بولی مائی صاحبہ دس ہیں، فرمانے لگیں کہ یہ ہماری ہیں۔ کہنے لگے کہ یہ کیا ہوا؟ پہلے ہماری نہیں تھیں اب ہماری ہیں؟ فرمانے لگیں کہ اللہ نے قرآن میں وعدہ کیا ہے کہ اسکی راہ میں ایک خرچ کرو تو وہ کم از کم دس گنا تو دیتا ہے۔

بھائی دیکھئے، ہماری کوئی بھی محفل ہو، وہ کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ وہ قرآن سے شروع ہوتی ہے۔ جب آغاز قرآن سے ہوتا ہے تو انجام بھی قرآن پر ہی ہوتا ہے۔ تو جب آغاز سے انجام تک قرآن ہو وہاں گمراہی نہیں ہوتی۔ یہ کام وہی کر سکتے ہیں جہاں پہ اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری کا احساس دیا ہو۔ ہماری زندگی کے ہر مسئلے کا حل صرف توحید میں ہے۔ یہ ہے اللہ کے ولیوں کا کمال کہ انکے در پہ نیاز بھی آئے تو وہ اسکا حل بھی توحید سے بیان کرتے ہیں۔ وہ ولی کہنے لگے کہ ہم اتنی زندگی عبادت کرتے رہے لیکن یہ عقیدہ توحید تو ہمیں مائی صاحبہ کے در سے ملا۔ اگر ایک روٹی دی ہے ناں اسکی بارگاہ میں تو پھر یقین ہے، اس سے کم آئے تو وہ قبول ہی نہیں کرتیں، یہ میری نہیں ہیں، کم از کم دس آئے تو پھر میرے رب نے بھیجی ہیں۔ پانچ پہ دھوکہ نہیں کھایا، سات پہ بھی نہیں۔ مائی صاحبہ کا مشہور جملہ میں آپکو عرض کرنے لگا ہوں، آپ فرمایا کرتی تھیں کہ جس دن میرا اللہ مجھ سے راضی ہوتا ہے مجھے علم ہو جاتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ نشانی ہمیں بھی بتائیں، آپ فرمانے لگیں کہ جس دن مجھے کسی اللہ کے نیک بندے کی زیارت ہو جائے تو میں سمجھتی ہوں کہ آج اللہ مجھ سے راضی ہے۔

فقیر کی جو بارگاہ ہوتی ہے ناں، یہاں آپ علم کو عمل میں تبدیل کرنے آتے ہیں۔ بیعت اسلیے ہوتے ہیں کہ علم، عمل میں تبدیل ہو جائے۔ اگر علم، عمل میں تبدیل نہ ہو تو قرآن کیا کہتا کہ گدھے پہ کتابیں لادی ہیں۔ یہ میرا جملہ نہیں بلکہ قرآن میں رب اکبر نے ارشاد فرمایا ہے، مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ

یَحْمِلُ اَسْفَارًا[1]۔ "جن پر تورات کا بوجھ رکھا گیا پھر انہوں نے اس کا بوجھ نہ اٹھایا ان لوگوں کی مثال گدھے کی مثال جیسی ہے جو کتابیں اٹھائے ہو،"۔ تورات، اللہ کی آسمانی کتاب کا بھی اگر کسی کے پاس علم ہو لیکن عمل نہ ہو تو ایسے ہی ہے جیسے کہ گدھے پہ تورات لادی ہے۔ یہ قرآن کہہ رہا ہے۔ اسی لیے اگر کسی سکول کالج یا مدرسے سے پڑھا بندہ بھی جھوٹ بولے تو یہی کہتے ہیں کہ کھوتے پہ ہی کتابیں لادھی ہیں۔ تو فقیر کے پاس آپ اس لیے آتے ہیں کہ اپنے علم کو عمل میں تبدیل کریں۔ اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا فرمایا تھا،

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

تمہارے عمل نے تمہیں کسی جگہ جا کر کھڑا کرنا ہے۔

اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[1] سورۃ الجمعہ:5

روزہ کا مقصد اپنی بھوک پر قابو پانا ہے (حصہ اول)

قرآن: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَۙ۔ (سورة البقرة: 183)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

خاکہ: 1:-رمضان المبارک برکتوں والا مہینہ ہے۔

2:-رمضان المبارک کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

3:-فرض کے بعد ہے مستحب۔

4:-روزہ اہل ایمان پر فرض ہے۔

5:-قیام اللیل مستحب عبادت ہے۔

6:-روزہ اصل میں بھوک پر قابو پانے کا نام ہے۔

7:-جو اللہ کی تقسیم پر راضی ہو گیا وہ سب سے بڑا غنی ہے۔

8:-روزے کا لغوی معنی اپنے آپ کو روکنا ہے۔

9:-اللہ تعالیٰ کسی بھی نفس کو اسکی طاقت سے زیادہ آزمائش نہیں لیتا۔

10:-نبی پاک ﷺ کی روزہ افطار کرنے کے متعلق روایات۔

11:-خواہشیں پوری ہونے کی یہ جگہ ہے ہی نہیں۔

12:-ایمان کا بڑا درجہ ہے۔

13:-رزق کی دو اقسام ہوتی ہیں۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو، السلام علیکم!

28 شعبان المعظم کو پاک پیغمبر ﷺ نے صحابہ کرام سے خطبہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک بڑا با برکت اور رحمتوں والا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے۔ اس مہینے کے دن کے وقت کا روزہ اللہ نے تم پر فرض قرار دیا ہے۔ عربی کا جو لفظ ہے "صوم" اردو میں جسکو ہم روزہ کہتے ہیں۔ اپنی زبان میں بھی ہم اسکا استعمال کرتے ہیں کہ فلاح بندہ بڑا صوم و صلوۃ کا پابند ہے۔ تو صوم و صلوۃ کا مطلب ہے روزہ اور نماز۔ سرکارؐ نے فرمایا کہ دن کا جو روزہ ہے وہ اللہ نے تم پر فرض قرار دیا ہے اور رات کا قیام تمہارے اوپر چھوڑ دیا ہے۔ یہ رحمت ہے میرے پاک پیغمبر ﷺ کی اور اس مہینے میں ایک رات ایسی آئیگی جو کہ ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ پھر اسکی قرآن کریم نے تصدیق بھی کردی۔ انا انزلنہ فی لیلۃ القدر۔ اسکا پہلا ثبوت جو ہمیں ملتا ہے وہ حدیث سے ملتا ہے۔ یعنی سرکار ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اسی کے مطابق پھر یہ سورۃ نازل ہوئی ہے۔ اس مہینے میں اگر آپ ایک نفل ادا کرینگے تو ایک فرض کے برابر ثواب ملیگا اور اگر ایک فرض ادا کرینگے تو ستر فرضوں کے برابر ثواب ملیگا۔ (حوالہ)۔ سرکار ﷺ کا یہ خطبہ لمبا ہے، ہم صرف بنیادی باتیں سیکھیں گے۔

اس مہینے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک حصہ دن کا ہے اور ایک حصہ رات ہے۔ دن کا جو حصہ ہے، وہ فرض ہے، اس میں مجھے کوئی اختیار نہیں۔ رات کا جو حصہ ہے وہ پسندیدہ ہے۔ فرض کیا ہے؟ جب آپ فرض ادا کرتے ہیں تو اسکا ثواب ملتا ہے، اجر ملتا ہے اور اللہ راضی ہوتا ہے اور اگر آپ فرض کو چھوڑ دیں تو آپ گنہگار ہوتے ہیں، اسکا عذاب ملتا ہے، اللہ ناراض ہوتا ہے۔ فرض کی مصیبت بھی یہ ہے کہ اگر وقت گزر گیا تو پھر وہ ادا بھی نہیں ہوسکتا۔ یہ ہمارے ذہن میں بڑی الجھن ہے کہ نماز چلی جایئگی تو کوئی بات نہیں قضاء کرلینگے۔ جو چلی گئی اب وہ ادا نہیں ہوسکتی، اسلیے حکم ہے کہ کھڑے ہوکر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کے، بیٹھ کے نہیں تو لیٹ کر اشارے کیساتھ۔ کسی حالت میں بھی معاف نہیں۔ میدان جنگ میں ہیں تو آدھے نماز پڑھیں پھر باقی آدھے اور اگر دشمن آپکو ایسا نہیں کرنے دیتے تو اپنی سواریوں پر ہی پڑھ لیں۔ وہ تو جب آپکا وقت گزر گیا تو آپ نے رونا دھونا شروع کردیا کہ مولا کریم

یہ میری فجر کی نماز رہ گئی۔ آپ روتے ہیں، استغفار کرتے ہیں، تو ادا کے لیے اب ظاہر ہے کہ نہ وہ وقت واپس آنا ہے، نہ تیری نماز ادا ہونی ہے۔ وہ جو تیرا رونا دھونا تھا ناں اسکو اللہ نے adjust کر دیا ہے کہ چل تُو اب قضا کر لے۔ اسکو ادا نہیں کہتے، جب وقت گزر جائے تو اب وہ ادا نہیں بلکہ اسکو قضا کہتے ہیں۔ یہ اتنا اہم معاملہ ہے۔ تو قضا تو پھر اسکی رحمت ہے کہ چل اب اگر تو نے توبہ کر ہی لی ہے تو اسکو دوسرے وقت میں پڑھ لے۔

اللہ تعالیٰ تیری پچھلی غلطیاں معاف فرمائے۔ تو فرض کی حیثیت ہوتی ہے کہ اسکو کسی بھی حال میں چھوڑا نہیں جا سکتا۔ فرض کے نیچے ہے مستحب۔ اسکو سادہ زبان میں کہتے ہیں "پسندیدہ" یعنی اگر آپ یہ کام کرینگے تو ثواب ملے گا، اللہ راضی ہو گا اور اگر آپ نہیں کرینگے تو اللہ ناراض نہیں ہو گا۔ مثال کے طور پر نماز تہجد جو ہے وہ مستحب ہے، پسندیدہ ہے، اگر کوئی پڑھے گا تو اسکو بڑا اجر ملے گا اور اگر کوئی نہیں پڑھے گا تو اسکو گناہ نہیں۔ دوسری طرف کیا ہے، حرام اور مکروہ۔ حرام وہ ہے جس سے منع کر دیا گیا، جس طرح فرض کے کرنے کا حکم ہے، اسی طرح حرام وہ ہے جس کو چھوڑنے کا حکم ہے۔ اگر آپ نے اللہ کے حکم پر شراب چھوڑ دی تو آپکو ثواب ہو گا، اللہ راضی ہو گا لیکن اگر آپ نے حرام کام کیا تو اللہ ناراض ہو گا، آپ گنہگار ہونگے۔ حرام کے نیچے ہے مکروہ، تو جیسے مستحب کا درجہ ویسے مکروہ کا درجہ۔ مکروہ چھوڑ دینگے تو ثواب ہو گا، اللہ راضی ہو گا لیکن نہ چھوڑنے پہ گناہ نہیں۔ اسکے نیچے ہے مباح، یہ وہ کام ہوتے ہیں کہ جنکے کرنے کا نہ کوئی اجر ثواب ملتا ہے نہ چھوڑنے پہ کوئی گناہ ہوتا ہے۔ اب روزہ جو ہے یہ فرض ہے۔ دن کا روزہ اللہ نے تمہارے اوپر فرض قرار دیا ہے

رات کا قیام مستحب ہے۔ نمازِ تراویح جو ہے وہ مستحب ہے۔ زیادہ سوالات کرنے سے نبی پاک ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ جب آخری حج کے موقع پر ایک شخص نے نبی پاکؐ سے سوال کر دیا کہ آقا کیا حج ہر سال فرض ہے؟ تو نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اسی لیے تمہیں زیادہ سوالات کرنے سے منع کرتا ہوں، اگر میری زبان سے نکل جاتا کہ ہاں ہر سال فرض ہے تو پھر تم یہ فرض کیسے ادا کرتے۔ زیادہ سوال کرنے سے بھی بندہ پھنس

جاتا[1]۔ سمعنا و اطعنا۔ بس جتنی بات سنی ہے اسکی اطاعت کرو۔ اسی طرح نماز تراویح میں بھی یوں ہوا، نبی پاک ﷺ نے پہلی رات نماز تراویح پڑھائی، پھر دوسری رات اور تیسری رات۔ پھر اگلی رات نبی پاک ﷺ اپنے حجرے سے باہر نہ آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں نماز تراویح تمہارے اوپر فرض نہ ہو جائے۔ یعنی یہ امت کا سرکار ﷺ نے خیال رکھا ہے۔ اب تم اپنے اپنے گھروں میں جاکر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق نماز تراویح جاکر ادا کرو۔ پھر ایسے ہی سلسلہ چلتا رہا، نبی پاک ﷺ نے صرف تین دن ہی نماز تراویح پڑھائی[2]۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو اس میں بھی ایسے ہی رہا؛ لوگ اپنے گھروں میں یا مساجد میں انفرادی طور پہ پڑھتے تھے لیکن قیام اللیل بہر حال پڑھتے تھے کیونکہ پسندیدہ عمل ہے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور آیا، آپ نے دیکھا کہ مسجد میں کوئی ادھر کھڑا ہو کر پڑھ رہا، کوئی کہیں کھڑا، تو آپ نے پھر حکم دیا کہ تم ایک جماعت کیساتھ نماز ترواتح پڑھو۔ یہ جو اب ہم باجماعت نماز تراویح پڑھتے ہیں یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں شروع ہوئی تھی۔ اس دور میں بھی کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ بدعت ہے، جب نبی پاک ﷺ نے پورا مہینہ ایسے نہیں پڑھایا

---

[1] سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خطبہ پڑھا ہم پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور فرمایا: "کہ اے لوگو! تم پر حج فرض ہوا ہے سوحج کرو۔" ایک شخص نے کہا کہ ہر سال یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ ہو رہے اس نے تین بار یہی عرض کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہوتا اور پھر تم سے نہ ہو سکتا سو تم مجھے اتنی ہی بات پر چھوڑ دو کہ جس پر میں تمہیں چھوڑ دوں اس لیے کہ اگلے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنے انبیا علیہم السلام سے بہت سوال کیے اور ان سے بہت اختلاف کرتے رہے پھر جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں اس میں سے جتنا ہو سکے بجالاؤ اور جب کسی بات سے منع کروں اس کو چھوڑ دو"۔ صحیح مسلم:3257

[2] اور ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا، ان سے عقیل نے، ان سے ابن شہاب نے، انہیں عروہ نے خبر دی اور انہیں عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ (رمضان کی) نصف شب میں مسجد تشریف لے گئے اور وہاں تراویح کی نماز پڑھی۔ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے۔ صبح ہوئی تو انہوں نے اس کا چرچا کیا۔ چنانچہ دوسری رات میں لوگ پہلے سے بھی زیادہ جمع ہو گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز ﷺ پڑھی۔ دوسری صبح کو اور زیادہ چرچا ہوا اور تیسری رات اس سے بھی زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ آپ نے (اس رات بھی) نماز پڑھی اور لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی۔ چوتھی رات کو یہ عالم تھا کہ مسجد میں نماز پڑھنے آنے والوں کے لیے جگہ بھی باقی نہیں رہی تھی۔ (لیکن اس رات آپ برآمد ہی نہیں ہوئے) بلکہ صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے۔ جب نماز پڑھ لی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر شہادت کے بعد فرمایا۔ امابعد! تمہارے یہاں جمع ہونے کا مجھے علم تھا، لیکن مجھے خوف اس کا ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جاؤ، چنانچہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو یہی کیفیت قائم رہی۔ صحیح بخاری:2012

اور خلیفہ اول نے نہیں پڑھایا تو یہ آپ نے دین میں نیا کام شروع کر دیا۔ بدعت تو ظاہر ہے بڑا گناہ کا کام ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں بدعت تو ہے لیکن بدعت حسنہ ہے، اچھی بدعت ہے۔ تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بہت خوبصورت قرآن پڑھتے تھے، ان کو آپ نے حکم دیا کہ آپ جماعت کروائیں اور باقی سب آپ کے پیچھے نماز پڑھیں [1]۔ باقی احادیث سے یہی ملتا ہے کہ یہ رات کا قیام اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر چھوڑ دیا ہے۔ اسکو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر تم نے تراویح نہ پڑھی تو تمہارا روزہ ہی نہیں۔ تو تراویح کا روزے سے کوئی تعلق نہیں۔ تراویح علیحدہ عبادت ہے، یہ رات کی عبادت ہے روزہ دن کی عبادت ہے اور فرض عبادت ہے۔

میرا بھوکا پیاسا رہنے کا اللہ کو کیا فائدہ ہے؟ یہ اصل میں ہماری training کروائی ہے کہ ہمیں اپنی خواہشات پر قابو پانا آجائے۔ یہ اصل میں بھوک پہ قابو پانے کا نام ہے۔ اگر کوئی بندہ اپنی بھوک پہ قابو پالے تو وہ اعلیٰ انسان بن جاتا ہے۔ بھوک صرف پیٹ کی نہیں ہوتی۔ یہ لفظ بھوک کی بڑی وسعت ہے۔ بھائی بھوک تو پیسے کی بھی ہوتی ہے، بھوک تو شہرت کی بھی ہوتی ہے، تکبر اور انا کی بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس نے روزہ رکھ کے بھی جھوٹ بولنا نہیں چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اسکا بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں [2]۔ اللہ کیوں تمہیں بھوکا پیاسا رکھے گا؟ تو روزے کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ انسان کی training کروائی جائے کہ وہ اپنی

[1] اور ابن شہاب سے (امام مالک رحمہ اللہ) کی روایت ہے، انہوں نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے عبد الرحمٰن بن عبد القاری سے روایت کی کہ انہوں نے بیان کیا میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات کو مسجد میں گیا۔ سب لوگ متفرق اور منتشر تھے، کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا تھا، اور کچھ کسی کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میرا خیال ہے کہ اگر میں تمام لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو زیادہ اچھا ہو گا، چنانچہ آپ نے یہی ٹھان کر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ان کا امام بنا دیا۔ پھر ایک رات جو میں ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز (تراویح) پڑھ رہے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ نیا طریقہ بہتر اور مناسب ہے اور (رات کا) وہ حصہ جس میں یہ لوگ سو جاتے ہیں اس حصہ سے بہتر اور افضل ہے جس میں یہ نماز پڑھتے ہیں۔ آپ کی مراد رات کے آخری حصہ (کی فضیلت) سے تھی کیونکہ لوگ یہ نماز رات کے شروع ہی میں پڑھ لیتے تھے۔ صحیح بخاری:2010

[2] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی شخص جھوٹ بولنا اور دغابازی کرنا (روزے رکھ کر بھی) نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔ صحیح بخاری:1903

بھوک پہ control حاصل کر لے۔ جب انسان اپنی بھوک پہ قابو پالے گا تو پھر یہ درندہ نہیں رہیگا، پھر یہ اپنے بھائی کا حق نہیں مارے گا، ملاوٹ نہیں کرے گا، رشوت نہیں لے گا۔ ایک بھوک پہ control سے یہ سارا معاشرہ امن کا معاشرہ بن جائے۔ یہ جتنا فساد اس معاشرے میں ہے یہ بھوک کی وجہ سے ہے۔ کئی دفعہ یہ جملہ سننے کو ملتا ہے کہ اس کا پیٹ تو بھر گیا لیکن اسکی آنکھیں نہیں بھریں۔ وہ آنکھوں کی بھوک ہوتی ہے۔ تو رمضان میں بہت بڑا موقع ہمیں اللہ نے فراہم کیا ہے کہ ہم اپنی بھوک پر control سیکھ لیں۔

رمضان میں ہم اللہ کے حکم پر حلال چیزیں چھوڑ دیتے ہیں، بھائی پانی حلال ہے، روٹی حلال ہے، بیوی حلال ہے، یہ اسلیے کہ باقی گیارہ مہینے ہمیں جس جس کام سے اللہ نے روکا ہے، ہم رُک جائیں اس سے۔ اپنی بھوک پر انسان کا مکمل کنٹرول ہو تاکہ اس کے اندر جو درندوں والی اور ظلم والی صفات ہیں وہ ختم ہو جائیں۔ جب نبی پاک ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہے کوئی جو مجھ سے یہ بات سیکھ لے اور لوگوں تک پہنچائے، تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے حکم فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے جو بندہ یہ چاہتا ہے وہ غنی ہو جائے، وہ اللہ کی تقسیم پر راضی ہو جائے۔ جو اللہ کی تقسیم پر راضی ہو گیا، اس سے بڑا غنی کوئی نہیں[1]۔ کیوں بھلا؟ اس جملے میں بھی یہی مطلب ہے کہ جو اللہ کی تقسیم پر راضی ہو گیا، اسکی بھوک ختم ہو گئی۔ جب بھوک ختم ہو گئی تو اب وہ درندہ نہیں بلکہ انسان بن کہ رہے گا۔ مولا علی سرکار کرم اللہ وجہ الکریم سے پوچھا گیا کہ قیصر و کسری تو بڑی عیش و عشرت والی زندگی گزارتے ہیں اور آپ بڑی قسم پرسی والی، تو فرمایا کہ ہم اللہ کی تقسیم پر راضی ہو گئے۔

بھائی پتہ تو ہو کہ میں روزہ کیوں رکھ رہا ہوں۔ مجھے اپنی خواہشات کو کنٹرول کرنا ہے، اگر اللہ کے حکم پر میں حلال چھوڑ سکتا ہوں تو پھر حرام چھوڑنے میں تو کوئی عار نہیں ہونی چاہیے۔ اسی لیے فرمایا ناں کہ پھر تجھے جھوٹ

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کون ایسا شخص ہے جو مجھ سے ان کلمات کو سن کر ان پر عمل کرے یا ایسے شخص کو سکھلائے جو ان پر عمل کرے"، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں ایسا کروں گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچ باتوں کو گن کر بتلایا: "تم حرام چیزوں سے بچو، سب لوگوں سے زیادہ عابد ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم شدہ رزق پر راضی رہو، سب لوگوں سے زیادہ بے نیاز رہو گے، اور اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرو پکے سچے مومن رہو گے۔ اور دوسروں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو سچے مسلمان ہو جاؤ گے اور زیادہ نہ ہنسو اس لیے کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے" سنن ترمذی: 2305

بھی چھوڑنا پڑیگا۔ عربی زبان کا جو لفظ ہے "صوم" اسکا معنی ہے "رک جانا اور روکنے کے ہیں"۔ عربی زبان والے جب یہ term استعمال کرتے ہیں تو اسکے وسیع معنی کو محسوس کرتے ہیں۔ بڑی خوبصورت مثال، میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ تو نے روزہ رکھا ہو، تو ظاہر ہے کہ روزہ تو پورے جسم کا ہے، آنکھ کا بھی ہے، کان کا بھی ہے، ہاتھ کا بھی ہے، میرے جسم کا کوئی عضو اللہ کی نافرمانی میں نہ جائے، تو فرمایا کہ اگر کوئی بندہ تم سے جھگڑنا شروع ہو جائے، تو اس سے کہہ دینا کہ میں روزے سے ہوں [1]۔ یعنی آگے سے تو نے اس سے جھگڑا نہیں کرنا۔ بھائی روزے کا لغوی معنی اپنے آپ کو روکنا ہے۔ اگر میں روزہ رکھ کے بھی اپنے ہاتھ، پاؤں، آنکھوں کو نہیں روک سکا تو پھر وہ تو بڑا اعلیٰ درجہ ہے کہ اپنی سوچ اور بُرے خیالات کو روکنا۔

ہم تو کمزور لوگ ہیں، ہمیں اپنے خیالات پر کنٹرول نہیں ہوتا۔ اسلیے پھر اسکی اجازت بھی دے دی گئی۔ جب صحابہ کرام نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ بڑے برے برے خیالات آتے ہیں، کئی دفعہ تو لگتا ہے کہ کہیں ہمارا ایمان ہی نہ ضائع ہو جائے۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاؕ [2]، اللہ تعالیٰ کسی بھی نفس کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ خیال پر چونکہ اختیار نہیں، اسلیے اس پر پکڑ نہیں۔ بس یہ ہے کہ اس بُرے خیال کو دوبارہ لانے کی کوشش نہ کرے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ جب تک خیال، خیال رہتا ہے تو اس پر قرآن نے کہہ دیا کہ تمہاری کوئی پکڑ نہیں۔ روزہ کو آپ نے ایسے سمجھنا ہے کہ میری بھوک جو ہے اس پر میرا

[1] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ پاک فرماتا ہے کہ انسان کا ہر نیک عمل خود اسی کے لیے ہے مگر روزہ کہ وہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا اور روزہ گناہوں کی ایک ڈھال ہے، اگر کوئی روزے سے ہو تو اسے فحش گوئی نہ کرنی چاہئے اور نہ شور مچائے، اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا لڑنا چاہے تو اس کا جواب صرف یہ ہو کہ میں ایک روزہ دار آدمی ہوں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ بہتر ہے، روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوں گی (ایک تو جب) وہ افطار کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور (دوسرے) جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا تو اپنے روزے کا ثواب پا کر خوش ہو گا۔ صحیح بخاری:1904

[2] سورۃ بقرۃ:286

مکمل کنٹرول ہو۔ کوئی لالچ مجھے اللہ کی نافرمانی پر مجبور نہ کرے۔؛نہ دولت کی بھوک، نہ شہرت کی بھوک، اس لیے کہ میں روزہ سے ہوں؛ میں اللہ کی بندگی میں ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے جن کاموں سے روکا ہے، میں رُک گیا ہوں۔

نبی پاک ﷺ کی روزہ افطار کرنے کے متعلق جو روایات آتی ہیں وہ یہ ہیں کہ آپ کھجور سے یا سادہ پانی سے روزہ افطار کرتے [1]۔ یہ چیزیں ملتی ہیں روایات میں۔ بھائی روزہ اسلیے ہے کہ مجھے میری بھوک پر کنٹرول ہو۔ ایک بہت بڑے دانشور کا جملہ ہے کہ جب رمضان المبارک میں لوگ، خصوصاً مسلمان، بد ہضمی کا شکار ہو جائیں تو میں حیران ہو جاتا ہوں کہ انہوں نے کیا روزہ رکھا ہے۔ روزہ تو اسلیے تھا کہ تیرا بھوک پر کنٹرول ہو۔ روزوں کی تیاری کیا ہو رہی ہے، اتنا بیسن لے آؤ، اتنے آلو لے آؤ، اتنا پیاز لے آؤ۔ او بھائی روزے تو تھے کہ خوارک کم کرنی ہے نہ کہ تیرا وزن بڑھ جائے۔ رات کو بھی کم کھانا ہے تاکہ تو رات کو قیام اللیل کر سکے۔ لیکن شیطان کا طریقہ کار دیکھئے ناں، اب روزہ میں نے کیسے رکھنا ہے، کیسے افطاری کرنی ہے، یہ میں سیکھوں گا پاک پیغمبر ﷺ سے تو پھر تو مجھے پتہ ہے کہ میں نے سادگی کیساتھ سادہ پانی کا گلاس لینا ہے اور ایک دو کھجور لینی ہے اور روزہ افطار کر لینا ہے اور پھر میں نے اپنی رات کی تیاری کرنی ہے کہ میں نے رات کو جاگنا ہے۔ اسکی بجائے اگر یہی رہنمائی میں لو نگا ٹیلی ویژن سے تو وہاں تو پھر جو شیطانی لوگ بیٹھے ہیں وہ تمہیں بتائیں گے کہ افطاری کیلیئے آدھا دن تو گزرنا چاہیے۔ ہماری مائیں، بہنیں، بیٹیاں 12 بجے کے بعد افطاری کی تیاری شروع کر دیتی ہیں، وہ قرآن کس وقت پڑھیں گی، وہ نوافل، درور پاک کس وقت پڑھیں گی۔ عصر کے بعد جو وقت تھا عبادت کا وہ تو ٹیلی ویژن پر دیکھ دیکھ کر کھانے بنانے میں لگ گیا۔ اسلیے جب رمضان گزرتا ہے تو ہماری عادات میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بھائی رمضان المبارک جو ہے وہ بھوک کنٹرول کرنے کا مہینہ ہے نہ کہ بھوک بڑھانے کا مہینہ ہے۔ ہم اپنی زندگی گزارنے کا طریقہ اپنے پیغمبر ﷺ سے تو سیکھ ہی نہیں رہے۔ ہمیں پتہ بھی نہیں ہے کہ جب افطاری کے وقت آپ ایک کھجور سامنے رکھ کے اور پانی کا گلاس رکھ کے اللہ سے مناجات کر رہے ہونگے، اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کر رہے ہونگے، تو پتہ ہے کیا اجر ہے؟ اللہ تعالیٰ

---

[1] سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی افطار کرے تو کھجور سے افطار کرے، اور اگر اسے کھجور نہ ملے تو پانی سے افطار کرے، اس لیے کہ وہ پاکیزہ چیز ہے"۔ سنن ابن ماجہ: 1699

آسمانوں و زمین کے تمام فرشتوں کو حکم دیتا ہے، میری عبادت چھوڑ دو، فرشتوں کو افطاری کے وقت حکم ہوتا ہے کہ جو تسبیح کر رہے ہیں وہ تسبیح چھوڑ دیں، جو جس جس عبادت میں ہے وہ عبادت چھوڑ دے اور یہ جو بندہ اللہ کی بارگاہ میں دعا مانگ رہا ہے اسکی دعا پر "آمین" کہو۔ اور اگر افطاری کے وقت آپ پلیٹیں کھینچ رہے ہیں، سموسے کھینچ رہے ہیں تو یہ کوئی روزہ نہیں۔ روزہ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی بھوک پر مکمل کنٹرول حاصل کرنا۔

شهر رمضان الذی انزل فیه القران۔ اللہ فرماتا ہے کہ رمضان کی عزت اسلیے ہے کہ ہم نے اس میں قرآن نازل کیا ہے۔ سحری اور افطاری کی ٹرانسمیشن لگا کے نہ دین سیکھیں بلکہ دین نبی پاک ﷺ کے گھرانے سے سیکھیں۔ صحابہ کرام کا طریقہ کیا تھا کہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوتے، دو اذانیں ہوا کرتی تھیں، پہلی اذان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ سحری کا وقت ختم ہونے کے قریب ہے اور دوسری اذان کا مطلب ہوتا تھا کہ سحری کا وقت ختم ہو گیا ہے؛ تو ہر ایک کے پاس تین چار کھجوریں ہوتی، کھجوریں کھاتے، آب زم زم کا پانی پیتے اور روزہ رکھ لیتے۔ سحری اور افطاری کی ٹرانسمیشن سے کیا سیکھنا ہے تم نے؟ وہ رمضان میں دین سکھائیں گے اور عید کی رات ناچیں گے۔ یہ تقویٰ لیا ہے تم نے؟ اپنی سحری اور افطاری سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے سیکھیں۔ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کیسے کرتی تھی سحری اور افطاری؟ سیدہ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کیسے سحری اور افطاری ہوا کرتی تھی؟ یہ ٹیلی ویژن سے سبق نہ لیں۔ اس سے تو آپکی بھوک بڑھے گی۔

اس دنیا میں ایسا کوئی انسان نہیں گزرا جس نے مرتے وقت یہ کہا ہو کہ میری خواہشیں پوری ہو گئی ہیں۔ کوئی نہیں ایسا انسان گزرا۔ کیوں؟ خواہشیں پوری ہونے کی یہ جگہ ہے ہی نہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ تیری خواہشوں کی تکمیل جنت میں ہو گی۔ وہاں تیری جو خواہش ہو گی ہم پوری کرینگے۔ دنیا خواہشات کی تکمیل کی جگہ ہی نہیں ہے۔ اسلیے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ کی تقسیم پر راضی ہو گیا وہ غنی ہو گیا۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ باقی ہر عبادت کا اجر جنت ہے لیکن روزہ۔۔۔ نہیں۔ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر عمل آدمی کا اس کے لیے ہے مگر روزہ خاص میرے واسطے ہے اور میں اس کا بدلہ دیتا ہوں۔ جس نے میری خاطر یہ سب کچھ چھوڑ دیا، اسکو اللہ مل گیا۔ تم کیا ٹی

وی پروگرام سے انعام لوگے۔ رات ٹی وی پر وگرام دیکھنے کیلئے نہیں بلکہ قرآن پڑھنے کیلئے، قیام اللیل، رات کا قیام اور اگر آپ نے افطاری کے وقت دو چار کلو کھالیا ہے تو کیا قیام کرنا۔

ایمان کا بڑا درجہ ہے۔ اللہ نے یہ سارے کام کرنے کا حکم ایمان والے کو ہی دیا ہے۔ کسی بے ایمان کو دیا ہی نہیں۔ وہ کیا ایمان والا ہے جو یہ کہے کہ روزے آگئے ہیں اور گرمی بہت ہے۔ یا جو کہے کہ روزہ رکھنے سے کمزوری آجائیگی۔ یہ جان لو کہ یہ اجر اور ثواب اسی کیلئے ہے جسکو یہ خوشی ہے کہ اللہ کا مہمان میرے گھر آرہا ہے۔ میرے نبی پاک ﷺ تو مہینہ پہلے ہی تیاری شروع کر دیں استقبال کی اور امتی یہ کہیں کہ ہائے روزے آگئے ہیں۔

مومن کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ رزق کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ ایک ہے رزقِ مقسوم، وہ رزق اللہ ہر ایک کو دیتا ہے۔ مومن کو بھی دیتا، کافر کو بھی دیتا؛ نمازی کو بھی دیتا اور بے نمازی کو بھی دیتا۔ دوسرا رزق وہ ہے جو تقویٰ کی بنیاد پر ملتا۔ رمضان میں جو رزق ہے اسکا تعلق ایمان کیساتھ ہے اور روزہ بھی اسلیے ہے کہ تجھے تقویٰ ملے۔ تقویٰ کیا ہے کہ اللہ کے حرام سے رک جانا اور حلال اختیار کرنا۔ اور اگر تم اسکی راہ میں تقویٰ اختیار کروگے تو وہ تمہیں وہاں سے رزق دیگا جہاں سے تیرا گمان بھی نہیں ہوگا۔ وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُؕ-وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗؕ-[1] "اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے" تو جو تمہیں رزق بغیر توقع کے ملے تو سمجھ لینا کہ وہ تقویٰ کی بنیاد پر ملا ہے۔ رزق مقسوم تو ہر ایک کو ملنا ہے وہ فرعون کو ملنا اور نمرود کو بھی ملنا۔ اب رزق کی فکر نہیں کرنی کیونکہ اللہ نے کہا ہے کہ تجھے جہاں سے تجھے توقع بھی نہیں ہوگی وہاں سے تجھے ملیگا۔ پہلی بات تو یہ ہے رمضان کے استقبال کی تیاری کریں، تیاری سموسے پکوڑوں کی نہیں کرنی بلکہ کتنا قرآن پڑھنا، کتنا صدقہ و خیرات کرنا اور نوافل کتنے پڑھنے، اللہ کو کیسے راضی کرنا۔ یہ ہے تیاری رمضان کی اور ہر قسم کی بھوک پر آپکو کنٹرول آجائے۔ پھر جیسے رمضان میں آپ محسوس کرتے ہیں کہ اللہ میرے قریب ہے تو باقی گیارہ مہینے بھی وہی اللہ ہے۔ یہ training آپکی پورا سال چلنی ہوتی ہے۔

اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

[1] سورۃ الطلاق:3

روزہ عقلی، غضبی اور شہوانی بھوک پر کنٹرول سکھاتا ہے (حصہ دوم)

قرآن: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (سورة البقرة: 183)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

خاکہ:- (1) روزے ایمان والوں کیلئے ہیں۔

(2) اگر انسان اپنی بھوک پر دسترس حاصل کر لے تو وہ فرشتوں سے اعلی ہو جاتا ہے۔

(3) نفس انسانی میں تین چیزیں بڑی اہم ہیں۔

(4) عقل کی بھوک جب ختم ہوتی ہے تو حکمت پیدا ہوتی ہے۔

(5) غصہ کی بھوک جب ختم ہوتی ہے تو شجاعت پیدا ہوتی ہے۔

(6) مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قوت غضبیہ پر کنٹرول کا واقعہ

(7) شہوت کی بھوک جب ختم ہوتی ہے تو عفت و عصمت کی منزل ملتی ہے۔

(8) رحمت اللعالمین ﷺ جب کوئی قانون بنائیں گے تو وہ عالمین کیلئے ہو گا۔

(9) اخلاق سے سیاست تک کا سفر

(10) ہر چیز کو اسکے مقام پر رکھنے کا نام عدل ہے۔

(11) جب رحمان غضب میں آجائے تو کیا مقام ہو گا؟

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو،

السلام علیکم!

اہل ایمان کیلئے یہ بڑی بابرکت ساعتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں ہیں۔ ظاہر ہے ایمان والے ہی قسمت والے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پناہ رحمتوں کے وعدے سے نوازا ہے۔ دن کا روزہ اور رات کا قیام، یہ دونوں کام جس نے بھی ایمان اور احتساب کیساتھ کیے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ اسکے سارے پچھلے گناہ معاف فرمادونگا۔ جیسا کہ ہم نے پچھلے جمعہ نبی پاک ﷺ کا خطبہ سمجھا تھا جو کہ 28 شعبان کو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اور اسکو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا۔ اس خطبہ میں سے ایک بات رہ گئی تھی کہ رمضان کے پہلے دس دن رحمت کے ہیں، دوسرے دس دن مغفرت کے ہیں اور آخری جو دس دن ہیں وہ جہنم سے آزادی کے ہیں[1]۔ لیکن یہ ساری نعمتیں، رحمتیں اور برکتیں صرف ایمان والوں کیلئے ہیں۔ یہ کتنی اس شخص کیلئے بدقسمتی ہے کہ جب اللہ کی رحمت اپنے پورے عروج پر ہو تو اللہ ان بدبختوں کو مخاطب ہی نہ کرے، انکو حکم ہی نہ دے روزہ رکھنے کا۔ یہ روزے ایمان والوں کیلئے ہیں۔ وہ اولاد بھی بڑی بدبخت ہوتی ہے کہ باپ کسی بات کا حکم دے ساری اولاد کو اور اس میں سے کسی ایک دو کو چھوڑ دے؛ وہ جن کو چھوڑ دے وہ بدبخت ہوتے ہیں۔ وہ شاگرد بھی بدبخت ہوتے ہیں کہ استاد کچھ شاگردوں کو تو حکم دے کسی کام کا لیکن کچھ کو اس قابل ہی نہ سمجھے۔ وہ مرید بھی بڑے بدبخت ہوتے ہیں جنکو شیخ حکم دینا ہی پسند نہ کرے۔ وہ بندے بھی بڑے بدبخت ہیں، جنکو اللہ حکم ہی نہ دے روزہ رکھنے کا۔ جہاں پر یہ اتنی ساری رحمتیں اور برکتیں ہیں وہیں پر یہ وعید بھی بڑی سخت ہے۔

پچھلے جمعہ جو ہماری گفتگو تھی اسکا نقطہ یہ تھا کہ اگر میں سارا دن بھوکا پیاسا رہونگا تو اس سے اللہ کو کیا حاصل ہوگا۔ تو ہم اس نتیجے پہ پہنچے تھے کہ یہ سب کچھ مجھے ہی حاصل کرنا ہے، اللہ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ

---

[1] والبیھقي في شعب الإیمان، 3/305، الرقم: 3609

میرے لیے نظام بنایا ہے اللہ نے۔ روزہ کا بنیادی جو مقصد ہے وہ اصل میں یہ ہے کہ انسان اپنی بھوک پر کنٹرول حاصل کر لے۔ اگر انسان اپنی بھوک پر دسترس حاصل کر لیتا ہے تو وہ فرشتوں سے اعلی ہو جاتا ہے۔ اگر اسکی بھوک اسکی عقل پر غالب آ جائے تو جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ یہ جو ایمان والے ہیں انکو اپنی بھوک پر کنٹرول حاصل ہو جائے۔ بھوک صرف پیٹ کی نہیں ہوتی بلکہ اسکی بڑی اقسام ہیں، بھوک دولت کی بھی ہوتی ہے، منصب کی بھی، شہرت کی بھی وغیرہ۔ ظاہری طور پر ہمیں کھانے پینے سے منع کیا گیا ہے اور اپنی بیویوں کے پاس جانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ دونوں حلال چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ تمہارا حلال پر بھی اتنا کنٹرول ہو کہ تم بھوک کیوجہ سے کہیں حلال کے بھی پیچھے نہ پڑ جاؤ۔ بھائی حرام تو بڑی دور کی چیز ہے، تمہاری حلال کی بھوک بھی ختم ہو جائے۔ یعنی فلسفہ جو روزے کا ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْن، بھائی تمہیں تقویٰ کی منزل تک پہنچانا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس انسانی میں تین چیزیں بڑی اہم ہیں۔ ان چیزوں کو افلاطون اور سقراط نے بھی بیان کیا ہے۔ انسان کے اندر تین بڑی طاقتیں ہیں۔ ایک ہے قوتِ عقلیہ، انسان ہر کام کرنے سے پہلے سوچتا ہے، اچھا کام کرنے سے پہلے بھی سوچتا ہے اور برا کام کرنے سے پہلے بھی سوچتا ہے۔ آپ کا کام چاہے اچھا ہو یا بُرا ہو لیکن اس سے پہلے سوچ اچھی یا بُری ہوتی ہے۔ عمل تو پھر بعد میں تخلیق ہوتا ہے۔ دوسری قوت ہے، قوت غضبیہ۔ انسان کے اندر غصہ ہے، غضب ہے، آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ تیسری قوت ہے، قوت شہوانیہ۔ شہوت جو ہے، اسکو بھی قابو پانا بڑا ضروری ہے۔

اب دیکھیے عقل پہ ساری دنیا کے فلاسفر بات کرتے ہیں۔ اب آپکی عقل شیطانی راستے پہ چلے تو زمین پر فساد پیدا کرتی ہے اور اگر یہی عقل اللہ کے حکم پہ چلے تو حکمت پیدا کرتی ہے۔ یعنی عقل کی بھوک جب ختم ہوتی ہے تو حکمت پیدا ہو گی، اور اللہ فرماتا ہے کہ جس کو حکمت دی، يُّؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَيْرًا كَثِيْرًا[1]۔ "اللہ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جسے حکمت دی جائے تو بیشک اسے بہت زیادہ بھلائی مل گئی"۔ (حکمت پہ علیحدہ بیان موجود ہے)۔ حکمت کی چوبیس، پچیس definitions میں سے ہم نے جسکا انتخاب کیا تھا کہ اللہ کیطرف

[1] سورۃ البقرۃ:269

سے علم کی وہ روشنی جس سے انسان وسوسہ اور الہام میں فرق کر سکے، اس کو حکمت کہتے ہیں۔ ہمارے گھروں اور معاشرے کے جھگڑے وسوسوں کی بنیاد پر ہیں۔ اگر آپ کو یہ علم مل جائے کہ آپ حق اور باطل میں فرق کر کے حق کیساتھ کھڑے ہو جائیں تو آپکو حکمت کی دولت مل گئی۔

دوسری قوت، قوت غضبیہ، اسی غصہ میں آکر انسان قتل کر بیٹھتا ہے، اسی غصہ میں آکر انسان ماں باپ کی نافرمانی کر بیٹھتا ہے۔ اسی غصہ میں آکر طلاق دے دیتا ہے، پھر آکر کہتا ہے کہ جان بوجھ کر نہیں دی، غصہ میں دے دی۔ دیکھئے ناں انسانی معاشرے کی کتنی برائیاں اس غصہ کیوجہ سے ہیں۔ اب یہ چونکہ ایک فطری چیز ہے۔ قرآن نے یہ نہیں کہا کہ انسان کو غصہ ہی نہ آئے۔ وہ بے غیرت ہوتا ہے جس کو غصہ ہی نہ آئے۔ جس کو اللہ کے حکم کی نافرمانی پر بھی غصہ نہیں آنا، اس سے بڑا بے غیرت کون ہے۔ جس کو اپنے نبی کی توہین پہ غصہ نہ آئے، اپنے ماں باپ اور اپنے پیر و مرشد کی گستاخی پہ بھی غصہ نہ آئے، کسی پہ ظلم ہو رہا ہو اور اسکو غصہ نہ آئے۔ دیکھئے قرآن کریم کی حکمت کہ یہی غصہ تیری انا کیلئے ہے، تیرے نفس کی خواہش کیلئے ہے تو وہ فساد کا باعث بنے گا۔ تکبر کیلئے ہے اگر غصہ، قرآن کریم میں تقریباً 25 مقامات پر تکبر کا ذکر کیا گیا ہے اور سب سے پہلے قصہ آدم میں اسکا ذکر ہے۔وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ-اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ۔[1] "اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اور اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا"۔ دیکھئے یہ تکبر کہاں تک لے گیا اس کو۔ تکبر آپکو کفر تک لے جاتا ہے۔ لوگ مذاق سمجھتے ہیں اس کو۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ تکبر کفر تک لے جاتا ہے، کیونکہ تکبر اور کفر کی علامتیں ایک ہی ہیں۔ کافر بھی اُسے کہتے ہیں جو حق کو چھپاتا ہے اور متکبر بھی وہ ہے جو حق کو باطل کہے اور باطل کو حق کہے۔ غصہ اگر اپنی انا کیلئے ہے تو یہ پھر قتل بھی کریگا، ناحق مال بھی کھائیگا، اور ظلم بھی کریگا۔ جب غصہ اللہ اور رسول ﷺ کیلئے ہو گا، غصہ کی بھوک جب ختم ہو گی تو شجاعت پیدا ہو گی۔ پھر انسان شجاع ہوتا ہے۔ شجاعت پتہ کیا ہوتی ہے؟ اپنی بھوک پر مکمل کنٹرول۔

[1] سورۃ البقرۃ:34

میرے پاک پیغمبر ﷺ کی تربیت کا کمال یہ ہے، شجاعت کو سمجھیں آپ، اپنی نفس کی بھوک پر مکمل کنٹرول جسے کہتے ہیں، مولا علی سرکار کرم اللہ وجہ الکریم اپنے مد مقابل کی چھاتی پر بیٹھ گئے، جب اسکا سر قلم کرنے لگے تو اس نے علی کے چہرے پر تھوک دیا۔ اب ذرا دیکھئے، اسلام کیسے بھوک ختم کرتا۔ اب میرے چہرے پر کوئی تھوکے تو میں اس کے چہرے پر تھپڑ ماردونگا۔ اب علی کے چہرے پہ کوئی تھوکے تو چھاتی پہ بیٹھے ہوئے بھی اٹھ جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ علی میں نے تو یہ کام اس لیے کیا تھا کہ تیرے غصہ میں اضافہ ہو گا اور تو میری گردن جلدی کاٹ دیگا۔ فرمایا نہیں، ہمارے نفس کی بھوک ہمارے پیغمبرؐ نے ختم کردی۔ ہم جب میدان جہاد میں آئے تھے تو اللہ کیلئے، ہم نے تیرے ساتھ جنگ کی ہے تو اللہ کیلئے، تجھے زمین پر گرایا اللہ کیلئے، تیرے چھاتی پہ بیٹھ کر تیرا سر قلم کرنے لگا تھا تو اللہ کیلئے۔ اب جب تو نے تھوک دیا تو اس میں میری بھوک شامل ہو گئی۔ اب اگر تجھے مارونگا تو یہ میرے نفس کی خواہش ہو گی۔ جہاں آپ نفس کی خواہش کو ختم کر کے اللہ کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اسکو شجاعت کہتے ہیں۔ روزہ، کیا کرنا چاہتا ہے؟ آپکی بھوک ختم کرنا چاہتا ہے۔ وہ جملہ ذہن میں رہے کہ اگر کسی نے روزہ رکھ کہ جھوٹ بولنا نہیں چھوڑا تو اللہ کو تو اسکے بھوکے پیاسے رہنے سے کوئی غرض نہیں۔ روزے کی حالت میں پاک پیغمبر ﷺ سے کیا ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی آپ سے جھگڑا کرتا ہے تو اسکو کہو کہ میں روزے سے ہوں۔ دیکھئے قوت غضبیہ کی بھوک کو کیسے ختم کیا۔ یہ نہ سمجھنا کہ بس شام تک بھوکا رہنے کی practice ہے، بلکہ روزہ تو انسان کو اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز کرتا ہے۔

تیسری بڑی طاقت کیا تھی، قوت شہوانی۔ اگر انسان کی اس طاقت میں بھوک شامل ہو جائے گی تو وہ بدکاری کریگا۔ وہ معاشرہ بدکار ہو گا۔ اگر شہوت میں سے بھوک ختم کردی جائے تو پھر عفت، عصمت اور حیاء کی منزل ملتی ہے۔ اب دیکھئے روزہ کی حالت میں تو اپنی بیویوں کے پاس جانے سے بھی منع کیا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔[1] "اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے اوپر ڈالے رکھیں،

[1] سورۃ الاحزاب:59

یہ اس سے زیادہ نزدیک ہے کہ وہ پہچانی جائیں تو انہیں ستایا نہ جائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" اسلام عورت کو پردے کا حکم کیوں دیتا ہے؟ تاکہ معاشرے سے بدکاری کی بھوک کو ختم کیا جائے۔ کیونکہ اگر شہوت میں بھوک آگئی تو آج پھر آپ پڑھتے ہیں اخباروں میں اور دیکھتے ہیں میڈیا میں بھی کہ بہنیں اپنے بھائیوں سے محفوظ نہیں رہیں یہاں تک کہ بیٹیاں اپنے باپ سے محفوظ نہیں رہیں۔ یہ واقعات آجکل رپورٹ ہو رہے ہیں، باقاعدہ تھانوں میں پرچے ہو رہے ہیں۔ اسلام کیا چاہتا ہے کہ شہوت کی بھوک کو ختم کرکے انسان کو عفت و عصمت کی منزل پر پہنچایا جائے۔

یمن فتح ہوا، پاک پیغمبر ﷺ تشریف فرما ہیں، مال غنیمت سامنے رکھا گیا، قیدی پیش کیے گئے، ان قیدیوں میں ایک بچی تھی نوجوان، اس نے اپنے بال اپنے چہرے کے اوپر کیے ہوئے تھے۔ سرکار ﷺ نے جب ان قیدیوں کو دیکھا، اس بچی کی طرف جب نگاہ اٹھی رحمت اللعالمین پیغمبر ﷺ کی، تو سرکارؐ نے فوری طور پر اپنی رحمت والی چادر اتار کے فرمایا کہ اس بچی کے سر پر دے دو۔ صحابہ میں کچھ نے کہا کہ آقا ﷺ یہ تو کافر کی بیٹی ہے، حاتم طائی عیسائی کی بیٹی ہے۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ بیٹی تو ہے چاہے کافر کی ہے۔ سبحان اللہ۔ اب مسلمان دیکھیں اپنے آپکو کہ وہ کہاں کھڑے ہیں۔ میرے پیغمبر ﷺ اگر فرمائیں ناں کہ بیٹیوں کی حیاء کرنی ہے تو وہ صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ کافروں کی بیٹیوں کی بھی کرنی ہے۔ کیوں؟ بھائی حضور ﷺ صرف مسلمانوں کیلئے رحمت نہیں بلکہ عالمین کیلئے رحمت ہیں۔ تو رحمت اللعالمین ﷺ جب کوئی قانون بنائیں گے تو وہ عالمین کیلئے ہوگا۔ وہ قانون تو پھر کسی قوم کیلئے تو نہیں ہوگا۔ حاتم طائی کی بیٹی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میں چاہتی ہوں کہ میں اپنے بھائی عدی بن حاتم کو لیکر آؤں آپکے پاس۔ عدی بن حاتم بعد میں مسلمان ہوئے، ان سے بڑی احادیث روایت ہوئی ہیں۔ وہ چلی گئی، جا کر اپنے بھائی سے کہا، مسلمان ہونا یا نہ ہونا تیری مرضی ہے، بس میری ایک خواہش ہے کہ تو رحمت اللعالمین پیغمبر ﷺ کو ایک دفعہ بس مل لے۔ ایک دفعہ زیارت کرلے۔ بڑا عجیب اور عظیم سوال بھائی نے اپنی بہن سے کر دیا، عدی بن حاتم نے اپنی بہن سے کہا کہ یہ باتیں چھوڑ کہ وہ نبی کیسے ہیں اور انکے غلام کیسے ہیں، تو دو دن انکی قید میں رہی، مجھے یہ بتا کہ تیری عزت محفوظ ہے کہ نہیں۔ یہ جو عیسائیوں نے تاریخ لکھی ہے ناں اس میں یہ

لکھا ہے۔ حاتم طائی کی بیٹی نے اپنے بھائی سے کہا، باپ مر جائیں تو بھائی ہی اپنی بہنوں کے محافظ ہوتے ہیں۔ باپ فوت ہو گیا اب تو ہی میری عزت کا محافظ ہے؛ لیکن جو تو نے سوال کیا ہے کہ دو دن تو مسلمانوں کی قید میں رہی ہے تیری عزت محفوظ ہے کہ نہیں۔ تو سن لے کہ تو میرا بھائی، اس دنیا میں میری عزت کا سب سے بڑا محافظ ہے لیکن تیری آنکھوں میں بھی وہ حیاء نہیں ہے جو نبیؐ کے غلاموں کی آنکھوں میں ہے۔ تو جب شہوت کی بھوک ختم کی میرے پیغمبر ﷺ نے تو پھر غلاموں کو حیاء کی اُس منزل پر کھڑا کیا اپنے غلاموں کو۔ یہ اپنے نہیں یہ غیر گواہیاں دیتے ہیں۔

اس لیے اسلام یہ تینوں بھوکیں ختم کرنا چاہتا ہے۔ تیری عقل کی بھوک جس میں وسوسے اور شیطانی خیالات ہیں، یہ ختم ہو کر الہام کے نیچے آ جائیں، اللہ کی وحی کے نیچے آ جائیں۔ تیری قوت غضبیہ جب اللہ کی رحمت کے نیچے آئے تو اس میں تجھے بھوک پر کنٹرول ہو تو تُو شجاع بن کر اس دنیا میں رہے۔ اور جب تیری شہوت کی بھوک ختم ہو تو تُو حیاء والا، عفت و عصمت والا اس دنیا میں بن کر رہے۔ یہ ہے لعلکم تتقون، روزہ کس لیے رکھنا ہے کہ تم متقی بن جاؤ، تقویٰ اختیار کرو۔ حکمت پر جب بات ہوئی تھی تو اس کے تین درجے بیان کیے تھے۔ اگر یہ بھوک کسی ایک فرد کے اندر سے ختم ہو گی اور وہ حیاء والا بن جائے، شجاع بن جائے، حکمت والا بن جائے، دیانتدار بن جائے، سچا بن جائے وغیرہ، تو اسکو اخلاق کہتے ہیں۔ اگر یہی کوشش ایک خاندان کیلئے ہو، جو قرآن کہتا ہے، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ[1]، "اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں" تو جب یہی کوشش ہوتی ہے کہ میری اولاد، میرے گھر والے اور خاندان والے بھی شجاع بن جائیں، حیاء والے بن جائیں، دیانتدار بن جائیں وغیرہ وغیرہ تو اسکو کہتے ہیں تدبیر منزل۔ اور اگر یہی سوچ پورے شہر اور پورے ملک یا دنیا یا عالمین تک چلی جائے تو اسکو سیاست کہتے ہیں۔ اصل میں بھوک کیا ہوتی ہے کہ انسان صرف اپنا سوچے، اسلام یہ نہیں چاہتا، بلکہ وہ تو عالمین کی بات کرتا ہے۔ اب آپ سوچ لیں کہ سیاست کا کیا معنی کرتے ہیں۔ سیاست تو لوگوں کی بھوک ختم کر کے ان کو اعلیٰ اخلاق پر فائز کرنے کا نام ہے۔ لیکن جو خود شجاع

---

[1] سورۃ التحریم:6

نہیں وہ کسی کو کیا تعلیم دیگا، جس کے اپنے اندر صبر نہیں وہ کسی کو کیا تلقین کریگا، جسکے اپنے اندر حیاء نہیں وہ کسی کو کیا حیاء کا سبق دیگا؟

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر انسان کی قوت عقلیہ، اسکی قوت غضبیہ اور قوت شہوانیت پہ غالب آجائے تو یہ فرشتوں سے اعلیٰ ہو جاتا ہے؛ اور اگر اسکا غضب اور شہوت اسکی عقل پہ غالب آجائے تو یہ جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے۔ لیکن جنہوں نے قرآن سے تعلیمات لیں، انہوں نے کہا ہے کہ قرآن کریم میں یہ جو جملہ ہے، لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ[1] کہ اگر انسان عدل پر قائم ہو جائے، یہ تینوں طاقتیں، عقل، غضب اور شہوت اگر عدل کے نیچے آجائیں تو یہ تینوں کی بھوک ہی ختم ہو جاتی ہے۔ جسکو پتہ ہو کہ یہ میری بیوی ہے اور یہ ماں ہے، اسکو عدل کا پتہ ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے، جتنی بھی کتابیں بھیجی، اسلیے کہ انسان عدل قائم کرے۔ عدل کیا ہے؟ ہر چیز کو اسکے مقام پر رکھنے کا نام عدل ہے۔ جب آپ کسی چیز کو اسکے مقام سے ہٹا دیتے ہیں تو اسکو ظلم کہتے ہیں۔

دو چیزیں ہیں، ایک ہے کذب یعنی جھوٹ اور ایک قرآن لفظ استعمال کرتا ہے "کذبت"، جھٹلانا۔ جتنی بھی قومیں قرآن نے بیان کی ہیں، عاد ہو، ثمود ہو، ان سب کیساتھ لفظ استعمال ہوا ہے کذبت، انہوں نے اللہ کو جھٹلایا۔ یعنی اپنے نظریہ سے جھٹلانا اور اپنے عمل سے جھٹلانا۔ اللہ کہے کہ تیرا فائدہ حیاء میں ہے اور تُو زبان سے بھی جھٹلائے کہ دیکھو جی society میں نہیں رہنا، اگر ہم ایسے بے حیائی والے لباس نہ پہنیں گے تو لوگ کیا کہیں گے؟ تو یہ تم نے اللہ کو جھٹلا دیا، اپنے قول اور فعل سے۔ تو جب کوئی قوم اپنے نظریہ اور اپنے عمل سے اللہ کو جھٹلاتی ہے تو پھر وہ عذاب سے نہیں بچ سکتی۔ یہ بات یاد رکھنا۔ یقین جانیے، میں تو سوچ کر کانپ جاتا ہوں کہ جب اللہ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے اور نشانِ عبرت بنا دیتا ہے؛ جب رحمان غضب میں آجائے تو کیا مقام ہو گا۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ[2]، ثمود نے جب اپنی سرکشی میں آکر اللہ کو جھٹلا دیا، یہ ثمود کا ذکر اسلیے اللہ نے کیا کیونکہ یہ مکہ والوں کا پتہ تھا، یہ اس راستے سے گزرتے تھے جہاں اس قوم پر عذاب نازل ہوا اور برباد ہوئی۔ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا۔ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

---

[1] سورۃ الحدید:25

[2] سورۃ الشمس:11

نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا۔ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ۬ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا۔ وَ لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا[1]۔ **عیسائیوں نے اصل میں یہ لکھا** تھا، انکا یہ نظریہ تھا کہ یہ جن قوموں پر عذاب نازل ہوا، مثلاً یہ قوم عاد، ثمود یا لوط، تو ان پر عذاب نازل کرنے کے بعد اللہ پچھتایا۔ یہ عیسائیوں کا نظریہ تھا۔ اسکا جواب یہ قرآن نے دیاوَ لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا، کہ جب اللہ کسی قوم کو جھٹلانے پر عذاب نازل کرتا ہے تو اللہ کو کسی بات کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ انکو مٹا کر انکی جگہ کسی اچھی قوم کو لے آتا ہے۔ اللہ کو اپنے کیے پر کوئی پچھتاوا نہیں۔ اللہ کے سارے کام حکمت پر مبنی ہیں۔ اب اللہ کے غصے اور ناراضگی سے ڈرنا ہے کہ یہ نہ ہو کہ کہیں میرا عمل تو اللہ کے حکم کو جھٹلا تو نہیں رہا۔ اس لیے یہ چین اور سکون ہماری قوم کا ختم ہو گیا ہے۔

اللہ نے موقع دیا ہے، رمضان کریم میں ہمیں اپنی بھوک پر قابو پانے کا۔ اس مہینے اللہ کی رحمتیں عروج پر ہوتی ہیں۔ اسکی رحمت کی تیز بارش نازل ہوتی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھائیں، اپنے لیے، اپنے گھر والوں کے لیے اور اپنے ملک کیلئے دعا کریں۔ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

[1] سورۃ الشمس:15-12

اپنی بھوک پر قابو کیسے پایا جائے؟(حصہ سوم)

خاکہ:

(1)یہ دنیا جائے آزمائش ہے۔

(2)انسان کب اپنی بھوک پر کنٹرول کریگا؟

(3)انسان وہ ہوتا ہے جو اس مادی پردے کے پیچھے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(4)جبتک آپکا عقیدہ آخرت مضبوط نہیں ہوتا آپکو کچھ حاصل نہیں ہونا۔

(5)روزہ تمہاری سوچ پاکیزہ کرنا چاہتا ہے۔

(6)روزہ ایمان والوں پر فرض ہے۔

(7)کوئی مشن بڑا نہیں ہو سکتا جب تک ویژن بڑا نہ ہو۔

(8)مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا اپنی بھوک پر کنٹرول۔

(9)مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا موت کا فلسفہ۔

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز بزرگو، دوستو اور بھائیو!

اسلام علیکم!

رمضان المبارک میں ہم نے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے، وہ ہے "روزہ اور بھوک"۔ انسان کا اپنی بھوک پر مکمل کنٹرول ہو۔ روزہ سے انسان اپنی منفی بھوک کو کم کرے اور مثبت بھوک کو بڑھائے۔ ایک بات تو طے ہے کہ یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے۔ سورۃ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ "کیا لوگ اس گمان میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ کہیں ہم ایمان لائے اور اُن کی آزمائش نہ ہو گی"۔ تو یہ بات تو قرآن کریم نے طے کر دی ہے کہ اس دنیا میں ہم جتنے بھی لوگ آئے ہیں وہ آزمائش کیلئے آئے ہیں۔ انسان کی زندگی اس دنیا میں صرف ابتلاء ہے، آزمائش ہے۔ یہاں رہنا نہیں کسی نے بس چند دن آزمائش کیلئے۔ تو جو ہم نے پہلے بیان کیا تھا کہ انسان اگر اپنی قوت غضبیہ، شہوانیہ اور عقلیہ پر کنٹرول کر لے تو وہ شجاع ہو جاتا ہے، حیاء والا ہو جاتا ہے اور حکمت و دانائی والا ہو جاتا ہے۔

تو انسان کب اس بھوک پر کنٹرول حاصل کریگا۔ میری آنکھوں کے سامنے اس مادی دنیا کا پردہ ہے۔ یہ بات ابتدا میں سمجھ لیں۔ میری آنکھیں صرف یہ ظاہر کی دنیا ہی دیکھتی ہیں۔ تو وہ جو قرآن نے کہا تھا،الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ[1] ، مرنے کے بعد والی زندگی پر بھی ایمان رکھنا ہے، اسکو بھی غور سے دیکھنا ہے۔ نبی کریم ﷺ کس موضوع پر سب سے زیادہ گفتگو کرتے تھے؟ توحید۔ اس قرآن کا موضوع بھی توحید ہے۔ توحید کے بعد جس پہ سب زیادہ گفتگو کرتے تھے وہ ہے آخرت۔ جب تک میں اس پردے کے پیچھے جو ہے اسکو نہیں دیکھتا، اپنی موت کو نہیں دیکھتا، میری بھوک پر کنٹرول ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ شخص انسان بن ہی نہیں سکتا جو اس پردے کے پیچھے دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ان ظاہری آنکھوں سے تو جانور بھی دیکھتے ہیں۔ یہ روزہ کی اتنی بڑی practice ایسے ہی نہیں کروائی

[1] سورۃ البقرۃ:3

جا رہی۔ ایک سادہ مثال سے سمجھ لیں۔ ایک گائے یا بھینس ہے، آپ اسکی رسی کھول دیں تو وہ اپنی ظاہری آنکھوں کی مدد سے چارے کے پاس دوڑ کر چلے جائینگی۔ بھائی اگر انسان نے بھی اسی مادہ کے پیچھے ہی بھاگنا تھا تو پھر انسان کیسے بہتر ہوا جانوروں سے؟ تو انسان کو اللہ نے عزت دی ہے، اسلیے کہ یہ مادی پردے کے پیچھے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیا ہم نے لوگوں کے جنازے نہیں پڑھے، میتیں نہیں دیکھیں؟

بھائی روزے کا مقصد کیا تھا؟ لعلکم تتقون۔ تقویٰ مل جائے، ہر جمعہ میں یہ یاد کرواتا ہوں۔ آج بیسواں روزہ ہے، کوئی ایک دن، جس دن میں نے یہ محاسبہ کیا ہو اپنا، اپنی آخرت کے بارے سوچا ہو، اپنی موت کو یاد کیا ہو؟ آج سحری میں کیا کھانا ہے، افطاری میں کیا بنانا ہے؟ کپڑے کونسے پہننے ہیں۔ Bill ادا کرنے ہیں، مکان کیسا بنانا ہے وغیرہ۔ اس سے انسان باہر نہیں نکلتا، اس کی ساری تگ ودو اس ظاہری پردے کے سامنے رہتی ہے، اسلیے یہ انسان نہیں بنتا۔ انسان وہ ہوتا ہے جو اس مادی پردے کے پیچھے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ کتنی فکر رہتی ہے مجھے ایمان کی؟ مجھے تقویٰ کی طلب ہی نہیں ہے۔ تو پھر میں انسان کیسے بن سکتا ہوں؟ ہر کسی کی یہی دوڑ ہے کہ میں مادی چیزیں زیادہ سے زیادہ سمیٹ لوں۔ بھائی قرآن یہ کہتا ہے کہ روزے تو تمہیں اسلیے دیے گئے تھے کہ تم مقابلہ کر کے تقویٰ حاصل کرو۔ ہماری سوچ کیا ہے کہ دن میں کتنا کمانا ہے اور رات کو کتنا کمانا ہے۔ اسلیے اس دنیا کو دارِ غفلت کہتے ہیں۔ یہ دنیا غفلت کی جگہ ہے، کیوں؟ اسلیے کہ اس مادی دنیا کے دوسری طرف جو دنیا ہے، قبر اور حشر، اس پر میری نگاہ پڑنے ہی نہیں دیتی۔

یہ بھوک آپ کی ختم نہیں ہو سکتی جبتک آپکی موت اور اسکے بعد والی زندگی پر نگاہ نہیں جاتی۔ جبتک آپکا عقیدہ آخرت مضبوط نہیں ہوتا آپکو کچھ حاصل نہیں ہونا۔ formalities تو پوری ہوتی رہینگی۔ قیامت والے دن عذاب کس بات کا ہو گا؟ عذاب اس بات کا ہو گا کہ جس مقصد کیلئے تمہیں دنیا میں بھیجا تھا وہ تو پورا کر کے آیا ہے یا نہیں۔ ایمان والی کیفیت میرے دل میں کیوں نہیں ہے؟ تقویٰ والی کیفیت کیوں نہیں ہے؟ اور کیا میں نے کبھی رو کر یہ اللہ سے طلب بھی کیا ہے؟ یہ رمضان کے بیس دن گزر گئے، کتنی دفعہ میں نے اللہ سے رو کر ایمان اور تقویٰ طلب کیا ہو؟ نہیں، ہماری نظر اس مادی پردے سے آگے دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی۔ اسلیے ہمیں نہ رمضان

سے کوئی فرق پڑتا ہے، نہ ہمیں درسِ قرآن سے کوئی فرق پڑتا ہے۔ وہ انسان نہیں ہوتا جو اپنی آخرت کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لیے کہ وہ اپنے فیصلے ہمیشہ غلط کرتا ہے۔ فیصلہ وہی انسان اپنا صحیح کر سکتا ہے، جسکی اپنے انجام پر نظر ہو۔

ایک لفظ قرآن کریم استعمال کرتا ہے، يَٰٓأُولِى ٱلْأَلْبَٰبِ[1] یہ عقل سے اعلیٰ درجہ ہے۔ عقل عربی زبان کا لفظ ہے۔ عرب جو رسی سر کو باندھتے تھے اسکو عقال کہتے تھے، اُسی رسی کو وہ اونٹ کو باندھ دیتے تھے۔ اسلیے اس ذہن کو بھی انہوں نے عقل کہنا شروع کر دیا۔ یعنی وہ رسی جو جانور کو کنٹرول کرتی ہے اسکو عقل کہتے ہیں۔ اور قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ روزہ اسلیے ہے کہ تیرے جذبات کو کنٹرول کر سکے۔ جبتک تو اپنے جذبات پر کنٹرول ہی نہیں کر سکتا، تجھے کیا پتہ کہ صبر کیا ہے؟ شکر کیا ہے؟ شجاعت کیا ہے؟ حیاء کیا ہے؟ روک لینا اپنے ان منفی جذبات کو۔اولی الالباب، اس کا ترجمہ تو اہل عقل ہی کیا جاتا ہے لیکن عربی زبان میں "لب" اس عقل کو کہتے ہیں، جس میں خیال ہمیشہ پاکیزہ آتے ہیں۔ تیری عقل اس قابل ہو جائے کہ وہاں خیالات ہمیشہ پاکیزہ آئیں۔ اب ایک خاص منزل پہ میں آپکو لے آیا ہوں، وہ اسلیے کہ قرآن کہتا ہے کہ کئی دفعہ ماحول بہت اچھا ہوتا ہے، لیکن اگر سوچ گندی ہو تو وہ اچھا ماحول بھی بُرا ہی ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے اسکی مثالیں دیں؛ قران کریم کہتا ہے کہ یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام اللہ کے نبی ہیں، نبی سے بہتر گھر کا ماحول کس کا ہو سکتا ہے، لیکن اولاد بگڑ گئی۔ بیٹے بگڑ گئے اور جا کر یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کو کنویں میں پھینک دیا۔ لوط عَلَیْہِ السَّلَام نبی ہیں، گھر کا ماحول کتنا اچھا ہے؛ لیکن، بیوی کی سوچ گندی ہو گئی تو اس ماحول میں بھی اس نے بُرا ہی کام کیا۔ اسیطرح نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی مثال ہے۔ اب آگے ہی قرآن نے بیان کیا کہ اگر سوچ اچھی ہو تو آسیہ، فرعون کے گھر میں بھی ہو تو پھر وہ اچھی ہی ہوتی ہے۔ بھائی روزہ تمہاری سوچ پاکیزہ کرنا چاہتا ہے۔ کئی دفعہ بندہ سوچتا ہے کہ اگر ماحول اچھا ہو تو اچھا کام ہو؛ لیکن نہیں، قرآن کہتا ہے کہ اچھے ماحول میں بھی اگر سوچ گندی ہو جائے تو پھر اسکو گندگی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اسیطرح ماحول جتنا مرضی بُرا ہو لیکن اگر سوچ اچھی ہو تو اسکو پھر اچھائی سے کوئی روک

[1] سورۃ البقرۃ:179

نہیں سکتا۔ پھر اس ساری گفتگو کو جب میرے پاک پیغمبر ﷺ سمیٹتے ہیں تو فرماتے ہیں،انما الاعمال بالنیات۔ سوچ اچھی ہو تو پھر ماحول جیسا مرضی ہو انسان مشتعل نہیں ہوتا، اپنے اللہ پر یقین رکھتا ہے، صبر کا دامن نہیں چھوڑتا۔

تین چیزیں ہیں، نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جس نے روزہ رکھ کے جھوٹ بولنا نہیں چھوڑا، تو اللہ تعالیٰ کو اسکا بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بھائی، پیٹ کی بھوک کی تو بات ہی نہیں ہو رہی۔ جھوٹ بولنا چھوڑ دے۔ دوسری چیز ہے کہ جس نے روزہ رکھ کے گناہ کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کہ تو بھوکا پیاسا مرتا رہے۔ اور تیسری چیز فرمایا کہ جس نے روزہ رکھ کے ظلم کرنا نہیں چھوڑا تو اسکو بھی بھوکا پیاسا رہنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے فرمایا ہے کہ روزہ ایمان والوں پر فرض ہے۔ ایمان اس کیفیت کا نام ہے کہ اب میرے اللہ نے جو حکم دے دیا ہے، میں نے اسکے مطابق ہی اپنی زندگی گزارنی ہے۔ اور اسکی آخری stage یہ ہے،لعلکم تتقون، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ متقی بن جاؤ۔ لیکن آج کا یہ جملہ ذہن میں رکھنا ہے کہ جبتک آپ کی نظر اس مادی پردے کے اوپر ہے، اس وقت تک آپ اس سے اگلی دنیا کے متعلق سوچ سے ہی عاری ہیں۔ اس وقت تک آپ یہی سوچتے رہینگے کہ بجلی کا بل دینا ہے، کیا پکانا ہے، مکان بنانا ہے، گاڑی نئی لینی ہے، نئے فیشن کے کپڑے آگئے ہیں؛ اتنی دیر آپکی یہی زندگی ہے۔

میں ایک جملہ اپنے بچوں سے کہا کرتا ہوں کہ کوئی مشن بڑا نہیں ہو سکتا جبتک ویژن بڑا نہ ہو۔ جس کا ویژن صرف یہ مادی پردہ ہے، اسکا مشن خاک ہو گا۔ کیا ہے اسکی زندگی کا مقصد؟ جانور بھی کھاتے پیتے اور اپنی نسل آگے بڑھاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے تو جانوروں میں بھی تمیز کی ہے، انکے نزدیک سارے جانور ایک جیسے نہیں ہوتے، اسکی مثال انہوں نے یہ دی تھی کہ پابندیاں، بھائی روزہ میں پابندیاں ہیں نہ، پابندیاں شاہین پر ہوتی ہیں، کوے پر نہیں ہوتی، شاہین کبھی بھی مردار پر نہیں گرتا۔ اور اگر انسان حرام پر گر جائے تو یہ تو پھر جانوروں کی بھی توہین ہے۔

آج 20 رمضان المبارک ہے، مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم کی کل شہادت کا دن ہے۔ آپ کی رمضان میں یہ routine تھی کہ آپ ایک دن امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرتے، ایک دن امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہاں، ایک دن سیدہ

زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں اور ایک دن سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ہاں۔ آخری سحری آپکی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ہاں تھی۔ کچھ لوگوں نے افطاری کا ذکر کیا۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے دودھ کا پیالہ، جو کی دو روٹیاں اور نمک کا پیالہ پیش کیا۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ بیٹا یہ دودھ بھی ایک مکمل غذا ہے۔ سائنس والے تو اب کہتے ہیں ناں کہ دودھ متوازن غذا ہے۔ مولا علی سرکار نے اس وقت فرمایا تھا کہ یہ مکمل غذا ہے؛ اور یہ جو کی روٹی بھی ایک مکمل غذا ہے۔ یہ تم نے میرے سامنے دو کھانے رکھ دیے۔ بیٹا میں نے کبھی بھی اپنے نبیؐ کے دستر خوان پر دو کھانے اکٹھے نہیں دیکھے۔ وہ علی جو پیدا بیت اللہ میں ہوئے اور شہید مسجد میں ہوئے۔ ابتدا بھی اللہ کے گھر میں اور انتہا بھی اللہ کے گھر میں اور درمیان والی ساری زندگی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں۔ کیا فرمایا، بیٹا میں نے کبھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر دو کھانے اکٹھے نہیں دیکھے۔ دیکھا، اپنی بھوک پر کتنا کنٹرول ہے۔ ہمارے ہاں بھی تو افطاریاں ہوتی ہیں ناں، کتنی دھینگا مشتی ہوتی ہے۔ یہ وہ علی ہیں جن کو امام المتقین کہا جاتا ہے۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر میں دودھ کا پیالہ اٹھالیا اور آپ نے پھر نمک کے ساتھ جو کی روٹی کھائی۔ اتنا کنٹرول اپنی بھوک پر، کنٹرول کیوں نہ ہو ویژن بڑا ہے، دیکھنا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھنا ہے۔ یہ مقام و مرتبہ دنیا میں کسی اور انسان کو حاصل نہیں ہوا۔

جب خارجیوں کے حملے بڑھے تو صحابہ کرام نے مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم سے سکیورٹی کی درخواست کی؛ آپ نے منع فرما دیا۔ پھر خود ہی کچھ صحابہ چھپ کے رات کو آپکے گھر کا پہرا دیتے، جب آپ مسجد جاتے تو مسجد کے اطراف پہرا دیتے۔ تو ایک رات جب آپ نماز پڑھ کے گھر جا رہے تو صحابہ سے سامنا ہو گیا، آپ نے فرمایا کہ تم ادھر کیا کر رہے ہو؟ تو صحابہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے طور پر آپکی حفاظت کیلئے یہ سلسلہ بنایا ہے۔ تو مولا علی سرکار کرم اللہ وجہ الکریم نے بڑا سادہ سا جملہ، یہ میں نے نہج البلاغہ میں پڑھا ہے، مسکرا کر فرمایا کہ کیا تم میری حفاظت زمین والوں سے کر رہے ہو یا آسمان والوں سے کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ امیر المومنین، ہم زمین والوں سے ہی کر سکتے ہیں، آسمان والے تو ہماری دسترس میں ہی نہیں ہیں۔ تو آپ نے بڑا عظیم جملہ فرمایا کہ زمین پر اس وقت تک کچھ نہیں ہو تا جبتک آسمان پہ فیصلہ نہ ہو جائے۔ اسلیے اپنے اپنے گھروں کو جاؤ کیونکہ میری موت میری سب سے بڑی محافظ ہے۔ کیونکہ جبتک میری موت نہیں آنی مجھے کوئی مار نہیں سکتا۔ یہ ہے ایمان۔ نوجوانوں کیلئے ایک بات عرض کر دوں، یہ مولا علی سرکار کا فلسفہ بڑا عجیب ہے؛ آپ نے فرمایا کہ آگے آگے انسان جا رہا، اسکے پیچھے اسکا رزق ہے، اسکے پیچھے موت ہے۔

آپ تو رزق کو آگے آگے تلاش کرتے ہیں، مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم فرمار ہے ہیں کہ رزق تمہارے پیچھے ہے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نے بھی فتوح الغیب میں لکھا ہے کہ اللہ نے جو رزق تیرے مقدر میں لکھا ہے تو نہ بھی لینا چاہے تو اللہ نے تجھے ہی دینا ہے۔ نہ اپنی سوچ گندی کر، اسلیے کہ جو اللہ نے تیرے لیے وقف کر دیا ہے وہ تجھے ہی دینا ہے۔ یہ بھائی کیفیتیں ہیں ایمان کی۔ کیا پر سکون زندگی ہو جاتی انسان کی۔ تو مولا علی فرمار ہے ہیں کہ رزق تیرے پیچھے ہو تا، تو اسکے پیچھے آگے آگے نہ بھاگ۔ اور رزق کے پیچھے موت ہے، جبتک ایک سانس بھی رزق، ایک پانی کا قطرہ بھی رزق کا رہتا ہے تو موت پکڑ ہی نہیں سکتی۔ آپ نے دیکھا ہے کہ لوگ کئی کئی سال قومہ میں رہتے ہیں، بس سانس کا رزق چل رہا ہے، جبتک رزق پورا نہیں ہونا موت نہیں آسکتی۔ فرمایا، جونہی درمیان سے رزق ختم ہو تا ہے، موت پکڑ لیتی ہے۔ دیکھئے، اَلنَّظَرُ إِلٰی وَجْهِ عَلِيٍّ عِبَادَةٌ ، علی کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔ حُبُّ عَلِيٍّ عِبَادَةٌ ، علی کی محبت عبادت۔ یہ تو علی ہیں اگر پتھر پر ابراہیم کے پاؤں لگ جائیں تو اللہ کیا فرماتا، اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّ هُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ، فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ[1]۔ **"بیشک سب سے** پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا ہے اور سارے جہان والوں کے لئے ہدایت ہے۔ اس میں (اللہ) کی واضح نشانیاں ہیں، ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے" بہر حال، ایمان اور تقویٰ کی کیفیت حاصل کریں۔ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

[1] سورۃ آل عمران:97-96

دین :اللہ کو الہ ماننا اور عدل کرنا

خاکہ: (1)وقت کو اچھا یا بُرا بنانا یہ انسان کے اختیار میں ہے۔

(2) کریم وہ ہوتا ہے جب غالب آتا ہے تو معاف کر دیتا ہے۔

(3) کرم اور رحم میں فرق

(4)روزہ سے منفی سوچ کو ختم اور مثبت سوچ کو بڑھانا ہے

(5)دین صرف دو باتوں کا نام ہے

(6)ہر چیز کو اسکے مقام پر رکھنا عدل ہے۔

(7)عدل کا تعلق صرف عدالتوں سے نہیں ہے۔

(8)اسلام نے جو نظام عدل دیا ہے وہ قانون شہادت پہ دیا ہے۔

(9)غیر اسلامی ملک میں انصاف

(10)زنا پہ چار گواہوں کی ضرورت

(11)بے گناہ کو سزا نہ ملے

(12) ظلم تب ہوتا ہے جب آپ گواہیاں چھپاتے ہیں

(13)روزِ قیامت، انصاف کا دن

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

وقت جو ہوتا ہے، وہ انسان کے زیر استعمال ہوتا ہے۔ عام لوگ یہ کہتے ہیں کہ وقت جو ہے اس پر کسی کی دسترس نہیں۔ ہمارا اپنا نقطہ نظر ہے۔ وقت کو اچھا بنانا یا برا بنانا یہ انسان کے اختیار میں ہے۔ وقت کی اپنی کوئی اہمیت نہیں۔ اگر اسی وقت میں، میں اپنے اللہ کو راضی کرلوں تو یہی وقت روشن بن جائیگا اور اگر اسی وقت کو میں فسق و فجور میں خرچ کردوں تو یہی وقت تاریک بن جائے گا۔ یہ جو دن بھی آپ مناتے ہیں، بارہ ربیع الاؤل کا، قربانی کا، عید الفطر کا تو اس میں وقت کی اہمیت نہیں ہے، اس وقت کو اہم بنانے والی شخصیات کا کمال ہے۔ دس محرم کو جس نے عظیم بنایا ہے اس حسین رضی اللہ عنہ کا کمال ہے۔ یہ وقت اصل میں انسان کے پاس ہے، اس کی مرضی ہے اسکو روشن بنالے یا تاریک بنالے۔

ایک شخص آیا، اس نے آکر پاک پیغمبر ﷺ سے سوال کیا۔ اللہ کا تعارف پوچھا۔ اس نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ، آپ صرف اتنا فرمادیں کہ کیا اللہ واقعی کریم ہے؟ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اللہ کریم ہے۔ وہ شخص وجد میں آگیا اور رقص کرنے لگ گیا۔ صحابہ کرام حیران ہوئے کہ یہ شخص کو کیا ہوگیا کہ جب سب کو پتہ ہے کہ اللہ کریم ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تو اتنا جذباتی کیوں ہوگیا اور رقص کرنے لگ گیا۔ اس نے کہا کہ کریم جب غالب آتا ہے تو معاف کردیتا ہے۔ دیکھیئے، کریم تو آپ بھی پڑھتے ہیں لیکن اس نے وہ اپنا لمحہ کیسے روشن بنالیا کہ قیامت تک اسکا حدیث میں ذکر آتا رہیگا اور وہ لمحہ اس کے حوالے سے ہی دیکھا جائے گا۔ کریم ہوتا ہی وہ ہے کہ جب غالب آجائے تو معاف کردے۔ میرے پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اس اعرابی نے سچ کہا، اسکو اللہ کی معرفت مل گئی۔ تو اس شخص نے کہا کہ اب مجھے دنیا و آخرت کی کوئی فکر نہیں۔ صحابہ نے پوچھا کہ کیوں؟ اس نے کہا کہ اب میرا حساب قیامت والے دن میرے کریم نے لینا ہے۔ اور کریم ہوتا ہی وہ ہے کہ جب غالب آتا ہے تو معاف کردیتا ہے۔

ہم کرم اور رحم کو ایک جیسا سمجھ لیتے ہیں لیکن ان میں بڑا فرق ہے۔ رحم آتا ہے جب کسی اپاہج کو دیکھا، کمزور کو یا کسی یتیم مسکین کو دیکھا تو رحم آ گیا۔ یہ کسی بھی انسان کو آسکتا ہے۔ کرم کیا ہوتا ہے؟ اسکی سادہ مثال سمجھ لیں کہ ایک شخص میرے گھر آیا چوری کی اور بھاگ گیا، دوسری دفعہ، تیسری دفعہ، آخر ایک دن پکڑا گیا۔ چوری کرتا تھا، نقصان پہنچاتا تھا۔ اب میرے اختیار میں ہے کہ میں اسے پولیس کے حوالے کروں، ماروں پیٹوں، اسے زدو کوب کر دوں، اسکے کیے کی اسکو سزا دوں۔ اب جب میں اس پہ مکمل غالب آ گیا تو اب میں اگر اسکو کہوں کہ جاؤ میں نے تمہیں چھوڑ دیا تو اسکو "کرم" کہتے ہیں۔ اسلیے سرکار ﷺ نے فرمایا کہ جب دعا کیا کرو تو کہا کرو، یا حنان یا منان بدیع السموات والارض یا ذالجلال والاکرام۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ان اللہ کی صفات کا کیا مفہوم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ حنان وہ مالک ہوتا ہے، وہ بادشاہ ہوتا ہے کہ جس سے کوئی منہ موڑ بھی لے تو وہ پھر بھی عطا کرتا ہے۔ کیا شان ہے اس مالک کی کہ اذان سنی لیکن نماز نہیں پڑھی، اسکی بارگاہ سے منہ موڑ لیا لیکن اس نے رزق بند نہیں کیا اور وہ بادشاہ اس کائنات میں ایک ہی ہے، وہ اللہ رب العالمین کی ذات ہے۔ فرمایا کہ جب اپنی دعائیں شروع کرو تو ان کلمات سے کرو۔ یہ اللہ سے مغفرت مانگنے کا طریقہ سکھا رہا ہوں میں آپکو۔ رات کو جب تنہائی میں بیٹھو تو یہ دعا کرو۔ مالک میں نے کئی دفعہ منہ موڑا تیری ذات سے لیکن تو نے پھر بھی عطا کیا اب تو میں تیری بارگاہ میں آیا ہوں، اب تیری کرم کی انتہا کیا ہو گی۔ یا منان، وہ بادشاہ جو ضرورت پڑنے سے پہلے ہی عطا کر دے۔ ابھی ضرورت پڑھی ہی نہیں پہلے ہی دے دیتا ہے۔ بدیع السموات و الارض، بدیع ہوتا ہے پہلی دفعہ پیدا کرنیوالا۔ اسی سے لفظ بدعت ہے۔ بدیع اللہ کی صفت ہے۔ آسمان و زمین کا موجد، پیدا کرنیوالا، خالق۔ ذوالجلال، سارے خزانوں کا مالک۔ یہ نہیں ہے کہ خزانوں کا مالک ہے اور سنبھال کہ بیٹھ گیا۔ والاکرام، خزانوں کا مالک تو ہے لیکن کرم بھی کرتا ہے۔ کرم کرتا ہے تو میرے عیبوں پر پردے ڈالتا ہے؛ ہر وقت وہ میری زندگی پر غالب ہے لیکن مجھے رسوا نہیں ہونے دیتا۔ کرم میں محنت کوئی نہیں ہوتی، بھائی جب کرم ہوتا ہے کہ اس میں میری کوئی محنت شامل نہیں۔ تو یہ باتیں اللہ سے کر کے اس سے مغفرت مانگنی ہے۔ بیٹھنا تنہائی میں ہے، اس دنیا میں ہر انسان اپنے محبوب کو تنہائی میں ملنا چاہتا ہے۔ ہر محب کی یہی خواہش ہے کہ وہ اپنے محبوب سے تنہائی میں ملے؛ آپکو بھی پھر رات کو تنہائی میں بیٹھ کر اللہ سے بات کرنی پڑیگی۔

تین چیزیں ہم نے سیکھیں تھی پچھلے جمعہ: پہلی یہ کہ اگر اسکا اپنی شہوت کی بھوک پہ کنٹرول ہو جائے تو وہ حیاء والا بن جائے، اگر اسکی قوت غضبیہ پہ کنٹرول ہو جائے تو وہ شجاعت اور بہادری کیطرف چلا جائے اور اگر اسکی قوت عقلیہ پر کنٹرول ہو تو وہ حکمت اور دانائی کیطرف چلا جائے۔ ہم نے یہ سیکھا تھا کہ negative forces منفی بھوک کو ختم کرنا ہے، جس میں یہ تین بنیادی چیزیں تھیں۔ آج ہم نے یہ سیکھنا ہے کہ جو positive مثبت بھوک ہے، یہ بڑھانی ہے۔ بھائی اگر جہالت کی بھوک ختم ہو تو علم کی بھوک بڑھے۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ جب پاک پیغمبرؐ فرماتے ہیں کہ مومن کا ہر آنے والا دن پچھلے دن سے بہتر ہوتا ہے۔ کیوں کہ اسکے علم کی بھوک بڑھتی رہتی ہے، اسکی حیاء کی عفت و عصمت کی بھوک بڑھتی رہتی ہے۔ کل قرآن کی دو آیات سیکھی تھیں، آج تین سیکھنی ہیں۔ اگر نافرمانی کی بھوک ختم کرنی ہے تو تقویٰ کی بھوک بڑھے۔ یہ analysis کرنا ہے کہ اگر آپ نے وہ بھوک ختم کی ہے تو یہ جو بھوک تھی علم کی، شجاعت کی، حیاء کی اس میں اضافہ ہوا ہے کہ نہیں ہوا۔ ہاں یہ روزہ نے دونوں چیزیں سکھانی ہیں۔ پہلے تو عشاء کی نماز میرے سے نہیں پڑھی جاتی تھی اور اب میں تراویح کیلئے خوشی سے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ کیوں کہ اسکی بارگاہ میں کھڑے ہونے کی بھوک بڑھ گئی۔ تراویح سے بھی گزارا نہیں ہوا تو تہجد کیلئے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ تو وہ بھوک ختم کرنی ہے اور اس بھوک میں اضافہ کرنا ہے۔ ان تینوں اقسام کی بھوک (عقلیہ، شہوانیہ اور غضبیہ) کیلئے ہم نے لفظ استعمال کیا تھا، عدالت۔

دین میں دو بنیادی چیزیں ہیں، اس میں کوئی لمبی چوڑی باتیں نہیں۔ آدم علیہ السلام سے لیکر پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک، دین ایک ہی رہا ہے۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ [1] اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُۚ-وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ [2] "اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دین چاہے گا تو وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائیگا، اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گا"۔ اسلام کے علاوہ کوئی اور دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر کامیابی چاہتے ہو تو دین صرف اسلام ہے۔ اور صرف دو چیزیں ہیں، کوئی لمبا چوڑا کام نہیں۔ عبادت

[1] سورۃ آل عمران:19

[2] سورۃ آل عمران:85

صرف اللہ کی کرنی ہے، لا الہ الا اللہ، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عبادت صرف اللہ کی کرنی ہے اور زندگی عدل سے گزارنی ہے۔ (اللہ کو الہ ماننے پر پورا بیان پہلے گزر چکا ہے) میرے ارد گرد جتنی بھی چیزیں ہیں، چاہے جاندار ہیں یا بے جان، انکے ساتھ میں نے معاملہ عدل کا کرنا ہے۔ یہ سارے کا سارا دین۔ اس میں کیا مشکل ہے؟ ماں کو اسکے مقام پہ رکھنا ہے، باپ کو اسکے مقام پہ، بیوی کو اسکے مقام پہ اولاد کو اسکے مقام پہ رکھنا، ہمسایہ کو، رشتہ داروں کو ان انکے مقام پہ رکھنا۔ گھر میں جانوروں کو انکے مقام پہ رکھنا۔ مسافر کو اسکے مقام پہ رکھنا۔ سفر میں ہوں تو سایہ دار درخت کے نیچے پیشاب یا پاخانہ نہیں کرنا، کسی اور مسافر نے وہاں بیٹھنا ہو تو یہ عدل کے خلاف ہے۔ بہتے ہوئی پانی میں پیشاب نہیں کرنا۔ میرے ارد گرد جتنی بھی چیزیں ہیں انکے ساتھ میں نے عدل سے رہنا ہے۔ عدل کا تعلق صرف عدالتوں سے نہیں ہے۔ میں نے اپنی زندگی عدل سے گزارنی ہے، آپ نے اپنی زندگی عدل سے گزارنی ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا تعلق صرف عدالتوں سے ہے۔

عدل کیا ہے؟ ہر چیز کو اسکے مقام پر رکھنا۔ کسی کو اسکے مقام سے ہٹانا نہیں۔ جب آپ ہر چیز کو اسکے مقام پہ رکھیں گے تو یہ عدل ہے، اگر ہٹا دینگے تو ظلم ہے۔ اب یہاں قرآن کریم فرما رہا ہے کہ ہم نے ہر قوم کو عدل کا حکم دیا، کیوں؟ جہاں عدل ہوتا ہے وہاں امن ہوتا ہے۔ عدل کا نتیجہ امن ہے۔ اللہ نے جب اپنی عبادت کی بات کی تو فرمایا، فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِۙ[1] "پس عبادت کرو اس گھر (بیت اللہ) کے رب کی" الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ[2] "جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور انہیں خوف سے امن بخشا"۔ جہاں امن نہ ہو وہاں ظلم ہوتا ہے۔ یہ بھی ظلم ہے کہ افطاری ان لوگوں کی کروائی جارہی ہے جنہوں نے روزہ رکھا ہی نہیں، بس اپنی سلام دعا، بھائی افطاری روزہ داروں کی ہوتی ہے، روزہ خوروں کی نہیں ہوتی۔ پتہ بھی ہوتا ہے کہ اسکا روزہ نہیں لیکن پھر بھی انکو سٹیج پہ بٹھا کہ کھانے پیش کیے جاتے ہیں۔ بھائی یہ تو غم گساری کا مہینہ تھا کہ جن کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا انکو پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ۔ دو چیزیں بیان فرمائی کہ جس نے کسی کا روزہ افطار کروایا اسکو ایک روزہ کا اور ثواب مل گیا لیکن جس نے

---

[1] سورۃ قریش:3

[2] سورۃ قریش:4

کسی بھوکے کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اسکو تو جنت مل گئی۔ ایک اور بد تمیزی شروع ہو گئی ہے کہ اگر کوئی ماڑا بندہ افطاری پہ بلا لے تو لوگ جاتے ہی نہیں کہ اس نے کیا کھلانا ہے۔ جب پوچھا گیا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کہ اگر وسائل نہ ہوں لیکن شوق ہو افطاری کروانے کا تو وہ کیا کرے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ ایک پانی کا گھونٹ تو کسی کو دے سکتے ہو۔ اگر تیرا کوئی غریب بھائی تجھے سادہ پانی کا گلاس پیش کرے تو اسکی توہین نہیں کرنی اپنے نبی ﷺ کے فرمان پر نظر رکھنی ہے کہ ایک پانی کے گھونٹ سے جو افطاری کروائی گئی ہے، اسکا بھی وہی اجر ہے[1]۔ ایک کھجور تو کسی کو دے سکتے ہو؟ کسی کے خلوص کو دیکھو۔ جو اللہ کی رضا کیلئے ایک کھجور اور پانی دے رہا ہو اسکی حوصلہ افزائی کرو۔ لیکن یہ بد تمیزی نہ ہو کہ پتہ بھی ہے کہ بد کردار آدمی ہے، روزہ بھی نہیں رکھتا تو چوہدری صاحب آ جاؤ آ جاؤ افطاری کر لو، بھائی! افطاری روزہ داروں کی ہوتی ہے، روزہ خوروں کی نہیں ہوتی۔ ہم نے یہ ساری چیزیں اپنی خواہشات نفس کی وجہ سے خراب کر دیں۔ یہ ظلم ہے جو میں نے بات کی ہے، کیونکہ آپ نے افطاری کرنے والے کو اس کے مقام سے ہٹا دیا اور اسکی جگہ اس شخص کو بٹھا دیا جس کا روزہ نہیں تھا۔

کچھ لوگ آجکل جذباتی بھی ہوئے پڑے ہیں کہ کچھ لوگوں کیلئے تو عدالتیں رات کے بارہ بجے بھی کھل جاتی ہیں۔ ہاں یہ بھی سمجھ لیں۔ ہم نے کیونکہ جو بھی کام کرنا ہے وہ قرآن کی روشنی میں کرنا ہے، وہ جہالت کی تاریکی میں نہیں کرنا۔ اسلام نے جو نظام عدل دیا ہے وہ قانون شہادت پہ دیا ہے۔ اک بندہ سچا ہے لیکن وہ شہادتیں پیش نہیں کر سکتا تو قاضی، جج کو یہی حکم ہے کہ وہ گواہیاں سن کے اسکے مطابق فیصلہ کرے۔ یہاں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ عدالت نے زیادتی کر دی ہے۔ اسکی بڑی مثال آپکو دوں کہ مولا علی سرکار کرم اللہ وجہہ الکریم کی زرہ چوری ہو گئی، آپ نے ایک یہودی کے پاس دیکھی اور پہچان لی۔ قاضی ابو شریح کے پاس عدالت میں مقدمہ کروا دیا۔ قاضی نے گواہ مانگ لیے۔ آپ نے اپنے بیٹے امام حسن رضی اللہ عنہ اور اپنے غلام کو گواہی کے طور پر پیش کیا۔ قاضی صاحب نے دونوں طرف سے گواہیاں سنی اور فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا۔ قاضی نے فیصلہ سنا کے فرمایا کہ مجھے پتہ ہے کہ آپ

---

[1] نبیِّ اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ (روزہ افطار کروانے کا) ثواب اُس شخص کو بھی دے گا جو ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی یا ایک گھُونٹ دُودھ سے روزہ اِفطار کروائے اور جس نے روزہ دار کو پیٹ بھر کر کِھلایا، اللہ تعالیٰ اُس کو میرے حَوض سے پلائے گا کہ کبھی پیاسا نہ ہو گا، یہاں تک کہ جَنّت میں داخِل ہو جائے۔ (صحیح ابن خزیمہ، ج3 ص192، حدیث:1887 ملتقطاً)

سچے، یہ زرہ آپکی ہے، امام حسن رضی اللہ عنہ بھی جھوٹ نہیں بولتے لیکن میں نے تو فیصلہ اللہ کے نبی ﷺ کے حکم کے مطابق کرنا ہے۔ قاضی صاحب نے تو قانون شہادت کے مطابق فیصلہ کرنا تھا اور چونکہ میرے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ عدالت میں جب گواہ پیش ہوں تو غیر جانبدار ہوں، تو بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں کی جاسکتی۔ میرے پاک پیغمبر ﷺ نے خود اپنے متعلق یہ بات ارشاد فرمائی کہ اگر کوئی بندہ غلط گواہیاں لیکر آجاتا ہے یا چرب زبانی سے وہ اپنے حق میں فیصلہ کروالیتا ہے۔ تھا وہ جھوٹا۔ تو وہ کل کو یہ نہ کہے کہ اللہ کے نبی نے یہ فیصلہ کیا ہے بلکہ اس نے جہنم کا ٹکڑا خریدا ہے جھوٹ بول کے [1]۔ تو جب فیصلہ قاضی نے یہودی کے حق میں دے دیا تو مولا علی سرکار نے یہ نہیں کیا کہ میں اسکے منصب سے اسکو ہٹادوں یا برا بھلا کہوں، آپ اس وقت امیر المومنین تھے، بلکہ قبول کرلیا فیصلہ۔ ابھی عدالت سے واپس نہیں گئے تو یہودی شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں جھوٹا ہوں۔ صرف زرہ ہی واپس نہیں کی، وہ ایمان بھی لے آیا۔ عدل کی برکتیں دیکھیں پھر۔

قانون ہمیشہ ذہن میں رہے۔ اگر آپ کسی غیر اسلامی ملک میں رہ رہے ہیں جہاں فیصلہ اسلام کے مطابق نہیں ہوتا۔ اب شریعت کا حکم یہ ہے کہ آپ نے قیامت کے دن کا انتظار کرنا ہے۔ قانون کو ہاتھ میں نہیں لینا۔ زمین پہ فساد نہیں کرنا۔ خود فیصلہ کرنے کی کوشش نہیں کرنی۔ یہی نظام تھا جو اسلام نے دیا انسانوں کے امن کیلئے۔

ایک بندہ ہے جس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے زنا کرتے ہوئے۔ قرآن کا اصول کیا ہے کہ چار گواہ پیش کرنے پڑیں گے۔ اب اگر یہ چار گواہ پیش نہیں کرتا تو اس پہ حد قذف لگے گی کہ یہ جھوٹا ہے۔ تو فیصلہ جو بھی کرنا ہے وہ علم کی روشنی میں کرنا ہے۔ یہ اتنی سخت پابندی کیوں لگائی کہ کسی پاک دامن عورت پر کوئی تہمت نہ لگا سکے۔

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلاشبہ میں ایک انسان ہوں، تم میرے پاس اپنے جھگڑے لاتے ہو ممکن ہے تم میں سے بعض اپنے مقدمہ کو پیش کرنے میں فریق ثانی کے مقابلہ میں زیادہ چرب زبان ہو اور میں تمہاری بات سن کر فیصلہ کردوں تو جس شخص کے لیے میں اس کے بھائی (فریق مخالف) کا کوئی حق دلادوں، چاہئے کہ وہ اسے نہ لے کیونکہ یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو میں اسے دیتا ہوں۔ صحیح بخاری:7169

ہم کیا کرتے ہیں کہ پتہ ہوتا ہے کہ اس آدمی نے قتل کیا ہے لیکن FIR میں کوئی چھ سات بندوں کے نام لکھوا دیتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ اب یہاں اسلام نے راستہ روکا۔ اگر مجرم چھوٹتا ہے تو چھوٹ جائے لیکن بے گناہ کو سزا نہ ملے۔ اگر ان سات میں سے ایک مجرم ہے تو وہ چھوٹتا ہے تو چھوٹ جائے لیکن چھ بے گناہوں کو سزا نہیں دینی۔ اسلیے کہ اگر بے گناہوں کو سزا ملنی شروع ہوگئی تو زمین پر فساد ہوگا۔ لوگ قانون اپنے ہاتھ میں لینگے، فیصلے خود کرنا شروع کر دینگے۔ اسلیے حکم یہ ہے کہ اگر آپ کے فیصلے نہیں بھی ٹھیک ہو رہے تو آپ نے قیامت کے دن کا انتظار کرنا ہے۔

ظلم کب ہوتا ہے؟ ظلم تب ہوتا ہے جب آپ گواہیاں چھپاتے ہیں۔ وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ[1]۔ "اور گواہی نہ چھپایا کرو، اور جو گواہی چھپائے گا تو اسکا دل گنہگار ہے"۔ گواہی چھپانا دل کا گناہ ہے۔ لیکن ہمارے اداروں کو بھی چاہیے کہ ایسا کام نہ کریں کہ اگر کسی غریب کی بچی کیساتھ زیادتی ہو جائے یا اسکو کوئی اٹھا کے لے جائے تو کیا اسکے لیے بھی آدھی رات کو عدالت کھلے گی؟ عوام کو چاہیے کہ وہ قانون شہادت کے مطابق فیصلہ لیں۔ اگر انصاف نہیں ملتا تو قیامت کے دن کا انتظار کریں اور قانون کو ہاتھ میں نہ لیں۔ مالک یوم الدین۔ مالک ہے روزِ جزا کا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دن رکھا ہی اسلیے ہے کہ اس دن ظالم اور جابر کھڑے ہونگے اور وہ غریب بھی کھڑا ہوگا۔ اس دن کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

یہ بھی سوال اٹھتا ہے کہ اگر اسلام نے نظام عدالت دے دیا تھا تو قیامت والے دن کی کیا ضرورت تھی؟ بھائی! یہاں عدل نہیں مل سکتا۔ انسانی تاریخ میں جو سب سے بہترین دور گزرا وہ نبی پاک ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کا دور لیا جاتا ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لیکر مولا علی سرکار کرم اللہ وجہ الکریم تک۔ جو یہ کہتے تھے کہ فرات کے کنارے اگر کتا بھی پیاسا مر گیا تو ہمیں پوچھا جائیگا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پہلے خطبے میں فرمایا تھا کہ مدینہ میں جو مظلوم ہے وہ طاقتور ہے اور جو ظالم ہے وہ کمزور ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ فرمایا کہ یہ حکومت مظلوم

---

[1] سورۃ البقرۃ:283

کیساتھ کھڑی ہے اور جسکے ساتھ حکومت کھڑی ہو وہ طاقتور ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست میں تو یہی ہوتا ہے کہ حکومت اور ادارے مظلوم کیساتھ کھڑے ہوتے ہیں، ظالم کیساتھ کھڑے نہیں ہوتے۔ لیکن جو بات آپکو بتانے لگا تھا کہ ہماری عوام اور رعایا جو ہے۔۔ تاریخ کہتی ہے کہ ایسا عدل و انصاف کا دور پھر نہیں آیا۔ یہ جو تیس سال ہیں خلفاء راشدین کے۔ لیکن تاریخ ایک یہ بھی سوال اٹھاتی ہے کہ اتنا بہترین دور کہ رات کو گلیوں میں پھرا جاتا ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ کوئی بھوکا تو نہیں، کوئی مظلوم تو نہیں، انصاف دہلیز پہ پہنچایا جاتا ہے۔ لیکن عوام نے کیا کیا؟ چار خلفاء راشدین میں سے تین کو قتل کیا ہے۔ صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو صرف طبعی موت آئی ہے باقی تینوں کو شہید کیا گیا۔ اسلیے یہ بھی نہیں ہوتا کہ عوام کو عدل مل رہا ہو تو وہ بہت خوش ہونگے، یہ بھی نہیں ہوتا۔ انہوں نے تو جو بہترین حکمران تھے انکو بھی شہید کر دیا۔

اسلیے آپ اپنے اپنے عدل کی بات کریں۔ میں عدل کر رہا ہوں کہ نہیں، اپنے آپ سے، اپنے گھر والوں سے، اپنے ہمسایوں، رشتہ داروں سے کہ نہیں۔ عبادت اللہ کی کریں اور زندگی عدل سے گزاریں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بد گمانی گناہوں کی بنیاد ہے

قرآن: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘-اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًاؕ-اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُؕ-وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ-اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ (سورۃ الحجرات: 12)

ترجمہ: "اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو۔ بیشک کئی گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور جاسوسی نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔ کیا تم میں کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو تم ضرور کراہت کروگے اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔"

خاکہ:

1) علم کی پہچان عمل سے ہوتی ہے۔
2) شیطانی وسوسہ بد گمانی پیدا کرتا ہے۔
3) تعلقات خراب ہونے کی وجہ بد گمانی ہے۔
4) امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کا بد گمانی کا واقعہ۔
5) مرشد کا کام علم کو عمل میں بدلنا ہے۔
6) بہتان لگانے کی سزا۔
7) بچوں کیساتھ بد گمانی نہ کریں۔
8) اشفاق احمد صاحب کا واقعہ۔
9) بیوہ عورت کا واقعہ۔
10) سبق۔

اللہ تعالی کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو! السلام علیکم!

عمل کے حوالے سے گفتگو ہو رہی تھی پہلے، عمل کے بغیر ایسے ہی ہے کہ جیسے گدھے پہ کتابیں لادھی ہوئی ہیں۔ علم کو عمل میں تبدیل کرنا ضروری ہے۔ اس حوالے سے ایک سبق سورۃ الحجرات سے۔ اس دنیا میں آپکو جتنے بھی مسائل نظر آتے ہیں، وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، انکی بنیاد بد گمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ، اے ایمان والو! بد گمانی سے بچا کرو، اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ، یہ جو تمہاری بد گمانیاں ہیں ناں، یہی گناہ کی بنیاد ہے، وَّ لَا تَجَسَّسُوْا، اور جاسوسی نہ کیا کرو، ایسے ہی کسی کے دروازے کیساتھ کان لگا کر سننا، وہ کیا کرتا اور کیا نہیں کرتا؟ اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے، جاسوسیاں نہ کیا کرو، بلکہ رحمت اللعالمین پیغمبر صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جو کہ رحمت ہی رحمت ہیں لیکن فرمایا کہ جو دروازے کے سوراخ سے اندر جھانکے تو تیر مار کے اسکی آنکھ پھوڑ دو[1]، جاسوسی سے اس قدر منع کیا۔ دروازہ knock کیا ہے تو side پہ کھڑے ہو جائیں، یہ آداب ہیں شریعت کے۔ کسی کے گھر سوراخ میں سے بھی نہیں جھانکنا۔ وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا، اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کھایا کرو۔ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھاؤ، تم ضرور کراہت کرو گے۔ ان آیات سے آگے بھی پڑھیں گے تو ہماری روز مرہ زندگی کے جو مسائل ہیں وہ درج ہیں۔

یہ جو شیطانی وسوسہ ہوتا ہے ناں، جو انسان کی زندگی کو برباد کر دیتا ہے وہ سب سے پہلے بد گمانی پیدا کرتا ہے۔ یہ ذہن میں رکھنا۔ اور آپکو یہ جملہ یاد کروایا ہوا ہے کہ علم وہ ہوتا ہے، جسکی تصدیق تمہارا عمل کرے، اگر عمل تصدیق نہ کرے تو وہ علم نہیں ہوتا۔ بد گمانی تو ابلیس انبیاء کے متعلق بھی پیدا کر دیتا ہے۔ میرے پاک پیغمبرؐ اپنی

---

[1] انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تھے (اسی دوران) ایک شخص نے آپ کے گھر میں جھانکا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیر کا پھل لے کر لپکے (کہ اس کی آنکھیں پھوڑ دیں) لیکن وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ سنن ترمذی:2708
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر کوئی شخص تمہاری اجازت کے بغیر تمہیں (جب کہ تم گھر کے اندر ہو) جھانک کر دیکھے اور تم اسے کنکری مار دو جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔" صحیح بخاری:6902

زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ ﷞ کیساتھ کھڑے ہیں، گلی میں سے دو نوجوان گزرے، تھوڑی دور گئے تو آپؐ نے انکو آواز دے دی، وہ واپس آئے، فرمایا یہ میری بیوی ہے۔ کہنے لگے کہ یارسول اللہ ﷺ، ہم بھلا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں کہ ہمارا نبی کسی غیر عورت کیساتھ کھڑا ہو گا۔ تو میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمھیں بُلا کے اسی لیے بتایا ہے کہ جونہی تم نے گلی سے دوسری طرف ہونا تھا تو شیطان نے تمہارے دل میں یہ وسوسہ ڈال دینا تھا کہ پتہ نہیں ہمارا نبی کس کیساتھ کھڑا ہے؟ یعنی یہ بد گمانی اتنا نازک معاملہ ہے۔

ہمارے تعلقات خراب ہونے کی وجہ یہی بد گمانی ہے۔ اسلیے فرمایا کہ بچ جاؤ بد گمانی سے۔ ہمیشہ اچھا گمان کرو۔ جب پاک پیغمبر ﷺ سے پوچھا گیا کہ مومن کی کوئی نشانی بتائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو ہمیشہ اچھا گمان کرتے ہیں۔ مومن بد گمان نہیں ہوتے۔ ایسے ہی نہیں کہ کوئی لڑکا لڑکی جا رہے ہیں تو، مومن ہو گا تو سوچے گا کہ یہ بہن بھائی جا رہے ہیں، اچھا گمان کریگا، یہ میاں بیوی ہونگے۔ بد گمانی بنیاد ہے گناہ کی، اسی سے رشتے برباد ہوتے ہیں۔

امام حسن بصری ﷫ فرماتے ہیں کہ میں دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھا تھا، کیا دیکھتا ہوں، ایک نوجوان، حبشی غلام ہے، اس نے ایک عورت کو کاندھوں پہ اٹھایا ہوا، میں دور بیٹھا سوچ رہا ہوں کہ بڑا کوئی بے حیاء آدمی ہے کہ دن کے وقت ایک عورت کو اٹھایا ہوا جا رہا، تھوڑی دور جا کر اس نے اس عورت کو نیچے لٹا لیا اور ایک بوتل نکالی، کبھی وہ اپنے منہ میں ڈالتا، کبھی اس کے منہ میں ڈالتا۔ آپ فرماتے کہ میرے ذہن میں یہ آنا شروع ہو گیا کہ شاید اس کے پاس شراب ہے، خود بھی پی رہا اور اس عورت کو بھی پلا رہا۔ کہتے ہیں کہ میں ابھی انہی وسوسوں میں تھا کہ دریا میں ایک کشتی الٹ گئی، تو اُس آدمی نے دور سے ہی آواز دی کہ ادھر آؤ اور ڈوبنے والوں کو بچائیں۔ آپ نے کہا کہ مجھے تو تیراکی نہیں آتی۔ بہر حال، اس نے دریا میں چھلانگ لگا دی، ایک بندے کو کنارے پہ لیکر آیا، پھر چھلانگ لگائی، اس طرح اس نے دو، تین بندوں کو باہر نکالا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوا کہ اے حسن بصری، تو ایک انسان کی جان تو بچا نہیں سکتا اور وہاں بیٹھا میرے متعلق کیا سوچ رہا تھا کہ یہ کسی عورت کو اٹھائے ہوئے ہے اور یہ شراب پی

رہا ہے۔ یہ بیمار ہے، میں اسکو حکیم کے پاس لیکر جا رہا تھا۔ اب میں تھک گیا تھا تو پانی کی بوتل نکالی، اسکو بھی پلا رہا تھا، خود بھی پی رہا تھا۔

آجکل تو ہم اپنی غلطی کسی کو نہیں نہ بتاتے، ولی کا کمال ہی یہی ہے کہ وہ لوگوں کی اصلاح اپنی غلطی سے کرتا ہے۔ علم، عمل میں بدلتا ہی تب ہے جب آپ مشاہدہ کرتے ہیں کہ کسی کے علم کو عمل میں بدلتے ہوئے۔ مثلاً میں درگزر کی مثالیں دیتا رہوں، حدیثیں سناتا رہوں اور جب میری اپنی باری آئے اور میں درگزر نہ کر سکوں۔ تو آپکا علم کبھی بھی عمل میں تبدیل نہیں ہوگا۔ تو مرشد جو ہوتا ہے وہ اپنے علم کو عمل میں تبدیل کر کے دکھاتا ہے، اسی کو تربیت کہتے ہیں۔ جب علم، عمل میں بدل جاتا ہے تو انسان اطاعت اور فرمانبرداری میں آجاتا ہے۔ جب اطاعت اور فرمانبرداری میں آجاتا ہے تو اسکی تفصیل پھر کبھی عرض کرونگا، صرف اتنا جملہ سن لیں کہ کبھی انسان مرشد کی تلاش میں ہوتا ہے تو جب انسان اس منزل پہ پہنچتا ہے تو پھر اللہ مرشد کو اسکے دروازے پہ بھیج دیتا ہے۔ میرے حضرت صاحب بھی اسی منزل سے گزرے، آپ رحمۃ اللہ علیہ تو سیالکوٹ پولیس لائن میں نوکری کرتے تھے، اللہ نے مرشد کو وہاں بھیجا تھا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بہتان لگائے، یعنی کسی میں کوئی عیب نہیں ہے اور وہ بیان کرے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو آگ میں قید کر دیگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ آگ کی قید اس وقت تک ہے جب تک تو اس بہتان کو سچ ثابت نہیں کرتا[1]۔ اب ظاہر ہے کہ اس نے تو جھوٹ بولا تھا وہ اسکو سچ کیسے ثابت کریگا۔ اسلیے صحابہ کرام اس سے بڑا ڈرتے تھے، روتے تھے کہ ہماری زبان سے کسی پہ تہمت نہ لگ جائے۔ کسی پاک دامن پہ تہمت لگانے کا

---

[1] جو کسی مسلمان پر ایسی چیز کا الزام لگائے جس کے بارے میں وہ خود بھی جانتا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے (جہنمیوں کے خون اور پیپ جمع ہونے کے مقام) ''رَدْغَۃُ الْخَبَالُ'' میں اُس وقت تک رکھے گا جب تک کہ اپنے الزام کے مطابق عذاب نہ پا لے۔ (مصنف عبد الرزاق، ج11، ص425، حدیث: 20905)

آپکو پتہ 80 کوڑے سزا ہے، اسے حد قذف کہتے ہیں، سورۃ نور میں ہے۔ یہ کام وہ کرتا ہے، جسکو اپنے اللہ پہ یقین نہیں اور اپنے نبی کی بات پہ یقین نہیں۔

تو یہ قرآن کہہ رہا ہے کہ گناہ کی بنیاد ہے بد گمانی۔ جبتک آپ کو مکمل تصدیق نہ ہو بد گمانی نہیں کرنی۔ اچھا گمان کرنا ہے۔ یہ ساری زندگی کے اندر یہ چیز ہونی چاہیے۔ اپنی گھریلو زندگی میں اور معاشرتی زندگی میں کبھی کسی سے بد گمانی نہیں کرنی۔ ذہن میں اچھا خیال لیکر آنا۔ میرے حضرت صاحبؒ بھی ہمیں زندگی گزارنے کا ایک اصول بتایا کرتے تھے۔ ہماری گھروں میں بچوں کیساتھ بھی لڑائی اسی وجہ سے ہو جاتی ہے۔ سرکارؒ فرماتے تھے کہ تیرا بچہ شام کو دیر سے گھر آیا، اب آپ کیا کرتے ہیں، آتے ہی غصہ اور ڈانٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ بھائی ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔ آتے ہی اس سے یہ پوچھو کہ کیا وجہ بنی تیرے لیٹ آنے کی۔ یعنی آپ اپنی بد گمانی سے اپنی اولاد کو اپنے سے دور کر دینگے۔ بیوی سے بد گمانی کیوجہ سے طلاق تک نوبت آجاتی ہے۔ پہلے تحقیق کرو، کسی مقام تک پہنچو، کسی کی مجبوری کو سمجھو، ایسے ہی نہیں کہ خیال آیا اور تہمتیں لگانا شروع کر دیں۔ مثلاً آپکی بچی ہی اگر کسی بچے کیساتھ کھڑی ہے تو پہلے اس سے پوچھ تو لو کیوں کھڑی تھی، کیا بات کر رہی تھی؟

اشفاق احمد صاحب (زاویہ والے) ایک واقعہ سنایا کرتے تھے اسی بد گمانی کے حوالے سے۔ وہ فرماتے تھے کہ ہمارے محلے میں ایک عورت کرایہ پہ آگئی۔ وہ لباس بڑا باریک پہنتی تھی۔ تو فرماتے کہ ہم جو بڑے نیک لوگ تھے، ہم نے اس پہ باتیں بنانا شروع کر دی۔ باہر نکلتی تو بڑی خوشبو لگا کے نکلتی اور بچوں کو مارتی رہتی۔ اسکے گھر میں لوگ آتے جاتے رہتے، دو تین گاڑیوں والے، تو ہم جو بڑے نیک (طنز) لوگ تھے وہ باتیں کرتے کہ اس کے گھر پتہ نہیں کون کون آتا جاتا ہے؟۔ یہ اشفاق صاحب اپنا ذاتی واقعہ سنایا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ پھر ایک دن اسکا وصال ہو گیا۔ ہم بھی چونکہ محلے دار تھے، جانتے تو نہیں تھے اُسے کیونکہ وہ کرایہ دار تھی، دعا کیلئے گئے۔ تو پھر جو ہم جتنے نیک تھے اور بد گمانی کرتے تھے اس پہ وہ شرمندہ ہو رہے تھے اور رو رہے تھے۔ اس عورت کو جلد کا کینسر تھا اور

وہ جو لوگ آتے تھے ایک اسکا ڈاکٹر تھا اور دوسرا اسکا وکیل تھا۔ خوشبو اسلیے لگاتی تھی کہ کینسر کیوجہ سے بدبو آتی تھی، وہ لباس پہن نہیں سکتی تھی۔

میں جب نیا نیا پسرور آیا تو میں آپکو اپنا ذاتی واقعہ سناتا ہوں۔ باہر چند لوگ بیٹھے، وہ دیکھو جی بیوہ عورت ہے، اسکے گھر پتہ نہیں کون کون آتا ہے؟۔ ہمیں تو چونکہ حضرت صاحب سے تربیت ملی ہوئی تھی، میں بھی انکے پاس بیٹھا، میں نے ان سے کہا کہ تم میں سے کبھی کسی نے اس سے جا کر پوچھا ہے کہ تم اپنا بل کہاں سے ادا کرتی ہو۔ تمہیں پتہ ہے ناں کہ بیوہ عورت ہے، تم میں سے کسی نے پوچھا ہے کہ تیرے گھر آٹا دانہ کہاں سے آتا ہے؟ سب خاموش سر جھکا کے بیٹھ گئے۔ او بے حیاؤ، پہلے جا کر کسی سے پوچھ تو آؤ کہ تیری ضرورت کیا ہے۔ تو ہم اپنے فرائض ادا نہیں کرتے اور بد گمانی شروع کر دیتے ہیں۔

قرآن کیا کہتا ہے کہ بد گمانی جو ہے یہ گناہ کی بنیاد ہے۔ نہ اپنے بچوں پہ بد گمانی کریں، نہ اپنی بیویوں پہ بد گمانی کریں۔ بد گمانی بہت بڑا گناہ ہے۔ نہ اپنے تعلقات پہ بد گمانی کریں، نہ اپنے رشتہ داروں پہ بد گمانی کریں۔ اب کل ہی مجھے ایک بندہ کہہ رہا تھا کہ دیکھو جی میں اسکے سارے بچوں کی شادی پہ گیا تھا اور یہ نہیں آیا۔ تو میں نے کہا کہ تم سوچ لو کہ اسے کوئی مجبوری ہو گئی ہو گی۔ اتنی سی بات ہے، بھائی گمان تو اچھا کر ناں۔ تو بھی سکون کے ساتھ رہے۔ جبتک تُو یہ نہیں سوچے گا تجھے سکون نہیں آسکتا۔ اچھا گمان کرینگے تو آپکو خود بھی سکون نصیب ہو گا۔

اللہ تعالی ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تقویٰ کی پہلی نشانی صبر ہے (حصہ اول)

قرآن: اَلصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْمُنْفِقِيْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ(سورة آل عمران: 17)

ترجمہ: صبر کرنے والے اور سچے اور فرمانبردار اور راہِ خدا میں خرچ کرنے والے اور رات کے آخری حصے میں مغفرت مانگنے والے (ہیں)۔

خاکہ: (1) عید کے دن کا مقصد۔

(2) متقین کی نشانیاں۔

(3) صابرین میں اول درجہ انبیاء کا ہے۔

(4) اللہ کی حاکمیت دو طرح سے۔

(5) امور تکوینی اور تشریعی کی مثالوں سے وضاحت۔

(6) صبر دونوں امور میں کرنا ہے۔

(7) اللہ کی آزمائشوں پر صبر۔

(8) رزق کی اقسام۔

(9) موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ۔

(10) مصیبت پر جملہ۔

(11) تشریعی امور میں صبر کیسے کیا جائیگا؟

(12) امور تشریعی میں اگر آپ نے صبر کرنا ہے تو آپکو سیرتِ رسولؐ دیکھنا ہو گا۔

(13) جبریہ اور قدریہ فرقہ کے نظریات۔

(14) تمام نجاستوں کو دور کرنے کا در میرے نبیؐ کا ہے۔

(15) صبر والے ہی صادق ہیں۔

(16) صبر والے ہی ہدایت یافتہ ہیں۔

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

عید کا دن، خوشی کا دن اسلیے ہوتا ہے کہ میں نے اپنے نفس کا اتنا تزکیہ کرلیا ہے کہ اب یہ اللہ کی فرمانبرداری کیلئے تیار رہے۔ یہ ہے ہمارے ہاں عید کا مفہوم۔ انسان نے رمضان میں ٹریننگ کرلی اور اب وہ تیار ہو گیا ہے اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے کا۔ دوسرا جو مقصد تھا روزہ کا کہ تقویٰ ملے، ظاہر ہے کہ انسان محنت کرتا ہے، کوشش کرتا ہے پھر اسکا جی چاہتا ہے کہ مجھے معلوم ہو کہ مجھے میری منزل ملی یا نہیں ملی؟ ظاہر ہے یہ انسانی تجسس فطرتی ہے۔ روزے کا مقصد تقویٰ حاصل کرنا تھا۔

یہ کچھ نشانیاں قرآن کریم نے بیان کی ہیں متقین کی، جنکو تقویٰ مل جاتا ہے انکی پہلی صفت ہے الصابرین، وہ صبر کرنیوالے ہوتے ہیں۔ تو اگر آپکے اندر صبر کی کیفیت ہے تو سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو تقویٰ عطا فرمادیا۔ دوسری صفت بیان فرمائی الصادقین، سچ بولنے والے، سچ کا ساتھ دینے والے۔ اگر تمہاری زندگی میں سچائی آگئی ہے تو سمجھو کہ تقویٰ مل گیا۔ اگلی صفت کیا فرمائی والقانتین، فرمانبرداری کیلئے ہر وقت تیار رہنا، تو اگر آپکا نفس فرماں برداری کیلئے تیار ہے تو سمجھیں آپکو تقویٰ مل گیا۔ والمنفقین، اللہ نے آپکو جو کچھ دیا ہے اس میں سے اگر آپ اللہ کی راہ میں خرچ کرنیوالے بن گئے تو سمجھیں کہ آپکو تقویٰ مل گیا۔ والمستغفرین بالاسحار، اور اگر سحری کے وقت کے آپکو استغفار نصیب ہے، صبح کے وقت آپ اللہ سے معافی مانگ کے نئے دن کا آغاز کرتے ہیں تو یہ بھی تقویٰ کی نشانی ہے۔ اور اگر یہ ساری صفات کسی میں جمع ہو جائیں تو وہ ایک اعلیٰ درجہ کا ایمان والا اور مقربین میں اس کا نام لکھا جاتا ہے۔

صبر آپ نے کس بات پر کرنا ہے؟ آپ نے اب سن تو لیا کہ جس کے پاس صبر ہوتا ہے وہ متقی ہوتا ہے۔ تو صبر کرنا کس بات پر ہے، یہ انسان کو پتہ ہونا چاہیے۔ صابرین کی جماعت میں انبیاء سب سے پہلے ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا جملہ ذہن میں ہو گا آپکے: قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ[1]، "کہا ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا جارہا ہے، اِن شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

---

[1] سورۃ الصافات:102

صبر کس بات پر کرنا ہے، اس سے پہلے ایک عقیدہ کا مسئلہ سمجھ لیں۔ عقیدہ توحید مضبوط ہو گا تو زندگی سہل گزرے گی نہیں تو پریشانیاں آئینگی۔ ہمارا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ ہمارا اصل حاکم اللہ ہے۔ لا الہ الا اللہ جب میں پڑھتا ہوں تو اسکا مطلب ہے کہ حاکم صرف اللہ ہے۔ اب آپ کہیں گے کہ اس دنیا میں بھی بڑے حاکم ہوتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت دو طرح سے سمجھنی ہے ہم نے، ایک حاکمیت ہے تکوینی اور دوسری ہے تشریعی۔ تکوینی امور وہ ہیں جن میں ہمیں کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ کام جن میں مجھے کوئی اختیار نہیں ہے ان کو تکوینی امور کہتے ہیں۔ کچھ اختیار اس نے کچھ مدت کیلئے مجھے بھی دیا ہے اس کو تشریعی امور کہتے ہیں۔ روزِ قیامت اعلان ہو گا، بتاؤ آج کس کی بادشاہت ہے؟ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ[1]، صرف اللہ واحد قہار۔ یہاں پہ یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اس دنیا میں اللہ کی حکوت نہیں ہے؟ حکومت اسی کی ہے لیکن یہاں اس نے تجھے کچھ اختیار دیا ہے۔ اور جتنا اختیار دیا ہے، اتنا ہی تیرا حساب ہے۔ اُمورِ تکوینی میں تو کسی کو اختیار ہی نہیں ہے۔ باقی بھی یہ کائنات بنا کے اللہ نے کوئی ظالموں کے ہاتھ میں نہیں دے دی، اللہ نے کسی کو چند دنوں کی اگر مہلت دی ہے تو اسکو حساب دینا ہو گا۔

امور تکوینی کو ایک سادہ مثال سے سمجھ لیں، ماں کے پیٹ میں میرے سارے امور تکوینی تھے، نطفہ سے خون بننا، پھر گوشت کا بننا، نقش و نگار کا بننا، یہ سب تکوینی امور ہیں، ان میں میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ[2]۔ "وہی (اللہ) ہے کہ تمہاری تصویر بناتا ہے ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے"۔ اس میں میرا، میرے ماں باپ، ڈاکٹر، کسی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ مثلاً سورج نے مشرق سے طلوع ہونا ہے تو وہ مجبور ہے، اس میں سورج کا کوئی اختیار نہیں۔ رات نے آنا ہے، دن نے آنا ہے، یہ سب تکوینی امور ہیں۔ یہ اسلیے بتائے گئے ہیں کہ بندہ یہ نہ سمجھ لے کہ میں کیا بلا ہوں۔ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے بتایا ہوا ہے کہ جو کام میں نے اپنے ہاتھ میں رکھیں ہیں اس میں تیرا کوئی اختیار نہیں۔ پانچ چیزیں امور تکوینی میں سمجھ لیں۔ میری زندگی، میری موت، میری عزت، میری ذلت اور میرا رزق امور تکوینی میں سے ہیں۔ اس میں بندے کا کوئی اختیار نہیں ہیں۔ ان کو اللہ نے

---

[1] سورۃ المؤمن:16

[2] سورۃ ال عمران:6

اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ تشریعی امور، تھوڑی شریعت بھی سمجھ لیں۔ اذان ہوئی ہے، میں نماز پڑھنے کیلئے آ بھی سکتا ہوں اور نہیں بھی۔ اللہ نے روزے کا حکم دیا، میں روزہ رکھ بھی سکتا ہوں اور نہیں بھی۔ اسکو شریعت کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس میں اختیار ہے۔

اب صبر کس بات پر کرنا ہے؟ اصل سوال کیطرف واپس آتے ہیں۔ اللہ کی حاکمیت کو دونوں امور میں ماننا ہے، امور تکوینی میں بھی اور امور تشریعی میں بھی۔ آپکو یاد ہو تو میں نے ایک جملہ آپکو ازبر کروایا تھا کہ اس دنیا میں دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ کیوں کہ حاکم صرف ایک ہی ہے۔ اب آپکو جہاں سے جو کچھ بھی ملتا ہے وہ وسیلہ ہوتا ہے، دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ جتنی توحید کی معرفت ہوگی اتنا ہی دین سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ تو صبر دونوں امور میں ہی کرنا ہے، امور تکوینی میں بھی اور امور تشریعی میں بھی۔

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ-وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ[1] "اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری سناؤ ان صبر کرنے والوں کو"۔ رزق کا معاملہ پہلے اگر فراوانی کیساتھ تھا اب تنگ کر دیا، آزمائش آگئی کہ صبر کرتا ہے کہ نہیں۔ یہ صبر امور تکوینی میں سے ہے۔ تم میں سے کون ہے جو بوڑھا ہونا چاہتا ہے؟ لیکن ہو جاتا ہے۔ کون ہے جو چاہتا ہے کہ کاروبار میں نقصان ہو؟ لیکن ہو جاتا ہے۔ تم میں سے کون ہے جو بیمار ہونا چاہتا ہے؟ کوئی بھی نہیں چاہتا لیکن ہو جاتا ہے۔ یہ صبر اُمور تکوینی پہ ہے، جہاں بندے کا کوئی اختیار نہیں۔ اللہ نے اولاد دی، خوشی دی لیکن وہی بیٹا آپکی زندگی میں مر جاتا، جنازہ اٹھانا پڑتا ہے، اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تو صبر کرتا ہے کہ نہیں۔ بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے، اللہ نے دیکھنا کہ تو صبر کرتا ہے یا نہیں۔

رزق کا معاملہ بھی تکوینی اُمور میں سے ہے۔ رزق کی دو اقسام میں نے عرض کی تھیں۔ ایک رزق مقسوم ہے، ابھی بچہ چار ماہ کا ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو فرشتہ اسکا رزق لکھ دیتا ہے۔ رزق مقسوم اللہ سب کو عطا کرتا ہے،

---

[1] سورۃ البقرۃ:155

چاہے کوئی کافر ہے، مسلمان ہے، عقل والا ہے، جاہل ہے، یہ رزق اللہ نے سب کو دینا ہے۔ ایک رزق اللہ تقویٰ کی بنیاد پر دیتا ہے، اس میں فرمایا، وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ-وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ[1]- "اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے"۔ لیکن یہاں پہ آزمائش یہ ہے کہ جب تجھے پتہ ہے کہ میرا رزق لکھ دیا گیا ہے تو اس رزق کیلئے جو تو نے کوشش کرنی وہ حلال کرنی ہے، حرام کا ذریعہ استعمال نہیں کرنا۔ تو جب آپ حلال کا ذریعہ استعمال کرتے ہوئے رکاوٹوں کا سامنا کرتے ہیں تو اس میں جو صبر ہے وہ تشریعی اُمور میں سے ہے۔

ایک بندہ کسی راستے پر چل رہا ہے، گر گیا، ٹانگ ٹوٹ گئی، یہ تکوینی امور میں سے ہے۔ لیکن کسی نے آپکو لاٹھی مار کر ٹانگ توڑ دی تو یہ تشریعی امور میں سے ہے۔ کیوں؟ بھائی اس نے جو ارادہ کیا ہے تمہیں نقصان پہنچانے کا، وہ مجرم ہے۔ چونکہ وہ اچھا ارادہ بھی کر سکتا تھا۔ یہاں پہ مجھے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد آگیا، جب فرعون کا سپاہی ایک بنی اسرائیلی کو مار رہا تھا، یہ واقعہ قرآن میں ہے، اس نے جب موسیٰؑ کو دیکھا تو آپکو پکارا کہ مجھے اس سے بچائیں آکر، تو موسیٰ علیہ السلام نے آکر گھونسا مارا، وہ سپاہی مر گیا۔ موسیٰؑ نے فوراً سے کہا کہ یہ تو شیطانی عمل میں سے ہے۔ یعنی میں اسکو مارنا تو نہیں چاہتا لیکن یہ میرے گھونسے سے مر گیا تو یہ تو شیطانی عمل میں سے ہے۔ ساتھ ہی یہ دعا کی، قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ-اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ[2] "(موسیٰ علیہ السلام نے) عرض کی: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو تو مجھے بخش دے تو اللہ نے اسے بخش دیا بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے"۔ تو کسی نے کہا کہ آپکا اس میں کونسا ارادہ شامل تھا، یہ شیطانی وسوسہ تھا بس، آپ نے اسکو گھونسا مارا اور وہ مر گیا تو اس میں استغفار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو یہاں بڑا خوبصورت جواب ہے، فرمایا کہ ابلیس نے وسوسہ تو ڈالا تھا لیکن قبول تو میں نے کیا تھا۔ یہ چونکہ تشریعی امور ہیں، تو آپ نے تشریعی امور میں بھی صبر کرنا ہے اور تکوینی امور پر بھی صبر کرنا ہے۔

[1] سورۃ الطلاق:3

[2] سورۃ القصص:16

کیا خوب جملہ ہے کہ بیٹا فوت ہو گیا اور کہا انا للہ وانا الیہ راجعون، پاک پیغمبر ﷺ فرماتے کہ جس نے کسی مصیبت کے وقت پر یہ کہا تو اللہ اس کیلئے جنت میں گھر بنا دیتا ہے۔ اس گھر کا نام بیت الحمد رکھا جاتا ہے کہ اس بندے نے اتنے بڑھے صدمے پر بھی اللہ کو یاد رکھا[1]۔ تو روزہ رکھ کہ جن بندوں کو تقویٰ مل گیا ہے ناں تو اللہ فرماتا ہے کہ انکے اندر یہ صبر کی کیفیت آجاتی ہے۔ بحر حال، پتہ نہیں اب ہمیں یہ تقویٰ جیسی کوئی چیز نصیب ہوئی ہے کہ نہیں۔ تقویٰ بھی ہر ایک کا ایک جیسا نہیں ہوتا۔

تشریعی اُمور میں صبر کیسے کیا جایئگا؟ اُمور تکوینی میں تو انسان کو کوئی اختیار ہی نہیں۔ وہ میرے ذہن سے سب کچھ واپس لے لے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟ میری قوت گویائی چھین لے، میرے بازوں کی طاقت چھین لے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟ تشریعی اُمور جہاں مجھے اختیار ہے، وہاں صبر کیسے کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تشریعی امور میں اس زمیں پہ میرا حاکم بنایا ہے میرے نبی ﷺ کو۔ یہ بات ذہن میں رکھنا۔ تشریعی اُمور جہاں پہ انسان کو اختیار ہے، وہ شریعت نافذ کون کریگا؟ وہ اللہ کے رسول ﷺ کرینگے۔ انکو تو نے اس دنیا میں حاکم مان کر اپنے فیصلے کروانے ہیں۔ شریعت اور قانون تیرے جسم پر نبی ﷺ نافذ کرینگے۔ اب یہ کیسی عجیب بات ہے کہ شریعت نبی ﷺ نافذ کریگا اور اللہ کیا فرمارہا کہ یہ مت خیال کرنا کہ میں نبی ﷺ کی غلامی کر رہا ہوں، مَن یُطِعِ الرَّسولَ فَقد اَطَاعَ اللہَ[2]، " مگر یہی سمجھنا کہ میں اللہ کی غلامی کر رہا ہوں۔ پیغمبر ﷺ کی فرمانبرداری اصل میں اللہ ہی کی فرمانبرداری ہے۔

میرے ایک خاص دوست ہیں، ایک دن کہنے لگے کہ میں اپنے رشتہ داروں سے بڑا اچھا سلوک کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں، مجھے فریب دیتے ہیں۔ بڑی شکایتیں انہوں نے کیں اپنی رشتہ داروں کی لیکن

---

[1] ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب بندے کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے پوچھتا ہے: تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کر لی؟ تو وہ کہتے ہیں: ہاں، پھر فرماتا ہے: تم نے اس کے دل کا پھل لے لیا؟ وہ کہتے ہیں: ہاں۔ تو اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: میرے بندے نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: اس نے تیری حمد بیان کی اور إنا للہ وإنا إلیہ راجعون پڑھا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ سنن ترمذی: 1021

[2] سورۃ النساء: 80

میں نے ایک سوال ان سے کیا۔ میں نے کہا تم جتنی مرضی خیر خواہی کسی کی کر لو، اللہ سے بڑے خیر خواہ تو نہیں ہو سکتے؟ کیا تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ میں نبی پاک ﷺ سے زیادہ خیر خواہ ہوں؟ وہ کہنے لگا نہیں جی میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں اللہ رسول ﷺ سے بڑا خیر خواہ ہوں۔ تو میں نے کہا پھر دیکھ لے کہ پاک پیغمبر ﷺ نے سب کی خیر خواہی چاہی اور سب نے آگے سے کیسے جواب دیا۔ بھائی کیسے react کیا نبی ﷺ کے رشتہ داروں اور قبیلہ والوں نے۔ اب کبھی وہ ملتا ہے تو کہتا ہے کہ میں بڑے سکون سے ہوں۔ تو امور تشریعی میں اگر آپ نے صبر کرنا ہے تو آپکو سیرتِ رسول ﷺ دیکھنا ہو گی۔ اسکے بغیر آپ صبر کی منزل پر جا نہیں سکتے۔

انسان مجبور ہے یا نہیں مجبور؟ یہاں سے ہی دو فرقے اس دور میں پیدا ہوئے تھے، جبریہ اور قدریہ۔ دونوں گمراہ فرقے تھے۔ جبریہ فرقہ یہ کہتا تھا کہ انسان مجبور ہے، اگر کوئی ظلم کرتا ہے تو کرنے پر مجبور ہے اور اگر کوئی ظلم سہتا ہے تو سہنے پر مجبور ہے۔ اس دنیا میں انسان مجبور ہے۔ یہ بھی گمراہ تھے۔ دوسرا اسکے مقابلے میں قدریہ فرقہ آگیا۔ ان کے متعلق تو نبی پاک ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ انکے جنازے نہیں پڑھنے، انکے ساتھ میل جول نہیں رکھنا[1]۔ وہ کہتے تھے کہ بندے کو اختیار ہے وہ جو جی چاہے کرے۔ لیکن شریعت اور قرآن کا جو اصول ہے وہ درمیان کا ہے۔ کچھ امور تکوینی ہیں اور کچھ امور تشریعی ہیں۔ واقعہ کربلا پر بھی یہی ہوا تھا، ابن زیاد جبریہ فرقہ سے تھا۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے کہتا ہے کہ ہم ظلم کرنے پر مجبور تھے اور تم ظلم سہنے پر مجبور تھے، اسمیں ہماری کیا غلطی ہے نا تمہارا کوئی قصور۔ اس قسم کے نظریات پیدا ہو گئے۔ جن میں آپکو اختیار ہے، تشریعی امور میں، اس میں آپکو حساب دینا ہے۔ اسکی سب سے بڑی تشریح سرکار میرے مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عطا فرمائی۔ آپ سے ایک بندے نے سوال کیا کہ بندہ محتاج ہے یا مختار ہے؟ ظاہر ہے یہ نظریات پھیل رہے تھے۔ تو مولا علی سرکار نے اس شخص کو فرمایا کہ کھڑا ہو جا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک ٹانگ اوپر اُٹھا، اس نے اوپر اٹھائی،، آپ نے فرمایا دوسری بھی اُٹھا۔ اس نے کہا حضور دوسری نہیں اٹھا سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ بس اتنا ہی محتاج اور اتنا مختار ہے۔ ایک

---

[1] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قدریہ (منکرین تقدیر) اس امت (محمدیہ) کے مجوس ہیں، اگر وہ بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو، اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازے میں شریک مت ہو" سنن ابو داؤد: 4691

ٹانگ اُٹھانے کا اختیار ہے لیکن دونوں ٹانگیں اٹھانے کا اختیار نہیں ہے۔ یعنی کچھ مرضی کر سکتا ہے لیکن کچھ نہیں کر سکتا۔ ان مثالوں سے واضح ہوا ہے کہ امور تکوینی بھی ہیں اور امور تشریعی بھی لیکن اللہ تعالیٰ کی حاکمیت دونوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت جو تسلیم کریگا وہ اذان سن کے گھر نہیں بیٹھے گا بلکہ مسجد جایئگا، رمضان آئیگا تو روزے رکھے گا، ہمسایوں کیساتھ اچھا سلوک کریگا، حرام سے بچے گا۔

صبر کے متعلق کچھ اور آپکو عرض کر دوں۔ رمضان شریف چل رہا ہے تو اس میں ہم نے تزکیہ نفس کرنا ہے۔ تقویٰ حاصل کرنا ہے تو ہر نجاست کو دور کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حل دیا ہے۔ مثلاً میرے کپڑوں کو نجاست لگ جائے تو اللہ نے پانی دیا ہے اسکو دور کرنے کیلئے۔ اگر کسی کے اندر جہالت کی نجاست ہے تو اللہ نے قرآن کا علم دیا ہے کہ اس سے اپنی نجاست دور کرلے۔ اگر کسی کے اندر ظلم کی نجاست ہے تو اللہ نے نظامِ عدل دیا ہے کہ اس پہ چل کہ اپنی ظلم کی نجاست کو دور کرلے۔ اسی طرح اگر بے حیاء ہے تو حیاء کی دولت دی ہے، جھوٹ کے مقابلے میں سچائی دی ہے۔ نبی پاک ﷺ کی حاکمیت کی جو میں نے بات کی وہ اسلیے کی کہ قرآن کریم نے آپ ﷺ کی یہ بات واضح بیان فرمائی، كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَؕ[1] " جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا اور تمہیں کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جو تمہیں معلوم نہیں تھا۔" اگر تم یہ ساری نجاستیں، جھوٹ کی، جہالت کی، ظلم کی، جتنی بھی نجاستیں تیرے اندر ہیں اگر تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے تو پھر وہ صرف میرے نبی کا در ہے جو تجھے پاک کر سکتا ہے۔ يُزَكِّيْكُمْ، پیغمبر ﷺ آئے ہی اسلیے ہیں کہ وہ ہمیں پاک کریں، ہماری نجاستوں کو دور کریں۔ پانی جو ہے وہ میرے ظاہر کو پاک کرتا ہے اور کلمہ میرے اندر کی نجاستوں کو دور کرتا ہے۔

باہر کی نجاستیں بھی دور ہوں اور اندر کی نجاستیں بھی، جب نجاستیں دور ہو جائیں گی تو آپکو صبر کی کیفیت عطا ہو گی۔ جب آپ صابرین میں سے ہو جائینگے تو آپ کے اندر عفو و درگزر کی دولت آتی ہے۔ معاف کرنے کی

[1] سورۃ البقرۃ:151

صلاحیت آتی ہے۔ پھر آپ لوگوں سے بدلے نہیں لیتے، اللہ کی مخلوق کا ہر وقت آپ بھلا چاہتے ہیں۔ میرے اللہ کو یہی صفت انسانوں کی پسند ہے کہ وہ صبر کرے۔ صبر کر کے اللہ کی مخلوق کی اصلاح کرنے کی کوشش کرے۔ صبر کے بعد پھر اگلی صفت ہے، صادقین۔ یعنی اگر اپنے قول و فعل میں کوئی سچے ہیں تو وہ صرف صبر کرینوالے سچے ہیں، باقی صرف ایسے ہی باتیں کر رہے ہیں۔ اگر آپ کے اندر صبر ہی کی کیفیت نہیں ہے تو آپ اپنے قول و فعل میں سچے نہیں ہیں۔ سرکار امام مالک رضی اللہ عنہ سے گورنر وقت طلاق بالجبر پر فتویٰ مانگتا تھا، آپ نے وہ فتویٰ دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے آپکو کوڑے مروائے، بڑا ظلم کیا بازو توڑ دیا، چہرے پر سیاہی مل کے اونٹ پر بٹھا کے تذلیل کی گئی۔ بہت ظلم ہوا لیکن دوسرے بادشاہ نے اس گورنر کو قید کر کے آپ کے سامنے پیش کیا کہ آپ اپنا بدلہ لے لیں۔ سرکار امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ مجھے کوڑے مارتا تھا تو میں تو اسکو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی سمجھ کہ اسی وقت معاف کر دیتا تھا۔ یہ صابرین ہی اصل میں صادقین ہوتے ہیں۔

میرے حضرت صاحب پیر صوفی محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ پر جب کوئی مشکل آجاتی، رزق میں تنگی آجاتی یا کوئی بیماری گھیر لیتی، رشتہ داروں سے کوئی پریشانی آجاتی، تو آپ مطمئن رہتے۔ اتنی تکالیف آنے کے بعد بھی آپ مطمئن رہتے۔ فرماتے کہ بیٹا کہ کوئی بات نہیں اگر انسان یہ سوچتا ہے کہ سارے میرے مخالف ہوگئے اور مجھے تکالیف دے رہے ہیں تو کوئی بات نہیں ان اللہ مع الصابرین، اللہ تو صبر کرنیوالوں کیساتھ ہے۔ یہ جو کیفیت ہوتی ہے کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے، یہ بڑی کمال کی کیفیت ہے۔ اور کوئی بھی میرے ساتھ نہیں تو کیا ہوا لیکن میرا اللہ تو میرے ساتھ ہے۔ تو صبر کی کیفیت آتی ہی اس وقت ہے جب آپ اللہ کو اپنا حاکم مان لیتے ہیں؛ میرے تکوینی امور میں بھی اور میرے تشریعی اُمور میں بھی میرا حاکم اللہ ہے۔ اس سے بڑی اور کیا بات ہوگی کہ جب اللہ یہ کہہ دیتا ہے کہ اب اللہ تیرے ساتھ ہے۔ پھر اللہ جب صبر کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے، الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ[1]۔" وہ لوگ کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف

[1] سورۃ البقرۃ:156-157

سے درود ہیں اور رحمت اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔" تو یہ صبر بہت بڑی دولت ہے۔ یہ تقویٰ کی پہلی نشانی تھی اگر میں آپ تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اس کائنات کی سب سے بڑی گواہی "لا الہ الا اللہ" ہے (حصہ دوم)

قرآن: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ-وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىٕمًۢا بِالْقِسْطِؕ-لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُؕ (سورۃ آل عمران: 18)

ترجمہ: اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اسکے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے لوگ جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی (گواہی دیتے ہیں) اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت

کے لائق نہیں۔

خاکہ: (1) تقویٰ کی اہمیت۔

(2) نیک عمل تمہیں بلندی کی طرف لے کر جاتا ہے۔

(3) اس کائنات کی سب سے بڑی گواہی اللہ کی توحید ہے۔

(4) یہ گواہی کس کس نے دی ہے؟

(5) یہ آسمان و زمین کا تخلیق کرنے کا دعویدار ایک ہی ہے۔

(6) گواہی دینے والے کی تمام پریشانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

(7) اللہ کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔

(8) اگر کسی کا عمل اسکو پیچھے کر رہا ہے تو اسکا نسب اسکو آگے نہیں کر سکتا۔

(9) جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔

(10) اللہ تعالیٰ کتاب کے ساتھ رہنما عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

انسان کو تقویٰ مل گیا اور اس میں صبر کی کیفیت آگئی اور سچائی کی کیفیت آگئی، نفس جو ہے وہ امارۃ سے لوامہ اور مطمئنہ کیطرف آگیا، جان اور مال سے اللہ کی بارگاہ میں خرچ کرنا بھی آگیا اور پھر اسکے بعد استغفار کی توفیق ملی۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ تقویٰ کی اتنی اہمیت کیوں ہے؟ نماز پڑھو تاکہ تم متقی ہو جاؤ، روزہ رکھو تاکہ تمہیں تقویٰ مل جائے، حج کرو تاکہ تقویٰ مل جائے، اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور جہاد کرو، یہ سارے کام اس لیے ہیں کہ تمہیں تقویٰ مل جائے۔ اس کیلئے میں نے یہ بات عرض کی تھی کہ اگر کسی انسان کو یہ ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی کہ میں تقویٰ کی راہ پہ چلوں، یعنی کہ وہ سمجھتا ہے کیا ضرورت ہے اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی؟ تو پھر وہ یہ دین چھوڑ دے، پھر یہ نہ کہے کہ میں کلمہ پڑھتا ہوں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے دین کو اسکی، یعنی وہ انسان جو اللہ کی راہ میں چلنا نہیں چاہتا، اللہ کو پانا نہیں چاہتا، اللہ کی مشیت کے سامنے جھکنا نہیں چاہتا؛ تو اسے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کہتا پھرے کہ کلمہ پڑھ رہا ہوں، میں نمازیں پڑھ رہا ہوں، روزے رکھ رہا ہوں۔ بھائی نماز بھی اسی لیے تھی کہ اللہ مل جائے، روزہ بھی اسی لیے تھا کہ اللہ مل جائے؛ تو اگر میری زندگی میں اللہ ہی نہیں ہے تو پھر کوئی ضرورت نہیں ان سب کی؛ اصل میں اس بندے کو دین کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اگر اسکو دین کی ضرورت ہوتی تو وہ تقویٰ کی راہ اختیار کرتا۔ اور اگر بس یہی ہے کہ کاروبار ہے، بیوی بچے ہیں، عزت ہے، زندگی گزر رہی ہے اور اس پوری زندگی میں اللہ کہیں بھی نظر نہیں آرہا۔ یہ تو وہی بندہ کام کرتا ہے ناجو اسکی ضرورت محسوس کرتا ہے اور پھر اس راستے پہ چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب بندے کو اللہ کی ضرورت ہی نہیں ہے تو پھر نہ نماز فائدہ دیتی ہے نہ روزہ فائدہ دیتا ہے۔ اب یہ کتنی بڑی بات تھی کہ انسان کے اندر صبر والی اعلیٰ کیفیت آجائے، سچائی والی کیفیت آجائے، اسکا نفس فرمانبردار ہو جائے، اسکی جان اور مال دونوں فرمانبردار ہو جائیں۔

یہ اگلی آیت، شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ- اللہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ذرہ اندازہ کریں۔ وہ جو میں آیت تلاوت کرتا ہوں ناں" اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ"[1] عمل الصالح يرفع، نیک عمل تمہیں بلندی کی طرف لیکر جاتا ہے لیکن اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ، وہ عمل صالح اگر اس بنیاد پر کھڑا ہے "لاالہ اللہ محمد رسول اللہ"۔ پھر تمہیں بلندی ملے گی۔ اللہ گواہی دیتا ہے کہ اسکے سوا کوئی الہ نہیں۔ الہ وہ ہے جس کا حکم آپ کے جسم پر چلتا ہے۔ اسکا معنی صرف معبود نہیں بلکہ اپنا حاکم ماننا ہے کہ میرے جسم پر، میرے خیالات پر، میری سوچ پر حکم کس کا چلتا ہے۔ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ، فرشتے گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں، وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِؕ، چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ کہتا کہ علم والے بھی گواہی دیتے، نہیں، بلکہ وہ علم والے جو عدل پہ کھڑے ہیں وہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ علم والا اگر ظلم پر کھڑا ہے تو اسکی گواہی بھی قابل قبول نہیں ہے۔

اس آیت کا شان نزول کچھ ایسے ہے کہ شام کے اہل کتاب کے دو بہت بڑے عالم مدینہ شریف آئے، وہاں پہنچ کر ایک نے کہا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی آخری الزماں کا شہر ہے۔ دوسرے نے بھی کہاں کہ ہاں نشانیاں تو ساری موجود ہیں جو ہماری کتاب میں ہیں۔ وہاں کچھ لوگوں سے انہوں نے پوچھا تو سرکار ﷺ اس وقت مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ یہ مدنی سورۃ ہے جسکی تلاوت کی ہے۔ انہوں نے سرکار ﷺ سے جا کر پہلا سوال یہ کیا: کیا آپ محمد ہیں؟ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔ پھر چونکہ انکی کتاب میں احمد سے تعارف تھا آپ کا تو دوسرے نے پوچھا کہ کیا آپ احمد ہیں؟ تو سرکار ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں ہی احمد ہوں۔ پھر انہوں نے ایک بڑا عجیب سوال کر دیا، کہنے لگے کہ ہم آپ پر ایمان لائیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ہمیں ایک سوال کا جواب دیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ پوچھو کیا پوچھنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کائنات کی سب سے بڑی گواہی کون سی ہے۔ پھر پاک پیغمبر ﷺ نے اس آیۃ مبارکہ کی تلاوت فرمائی۔ اس کائنات کی سب سے بڑی گواہی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الہ (معبود) نہیں۔ دونوں سجدے میں گر پڑے اور ایمان لے آئے۔

---

[1] سورۃ فاطر:10

اب جب اللہ مخاطب کرتا ہے ناں، اے ایمان والو! روزے رکھو، ایمان والو! نماز پڑھو، ایمان والے ہو تو حیاء کرو، سچائی کے راستے پر چلو۔ کیوں اللہ فرماتا ہے بار بار ایمان والو؟ تمہیں پتہ ہی نہیں کہ تم نے اس کائنات کی سب سے بڑی گواہی دی ہے، لا الہ الا اللہ۔ ذرا پہچانو اپنے آپ کو۔ اس آیت میں اللہ ارشاد فرمارہا ہے کہ اللہ نے گواہی دی، اپنے ساتھ ملائکہ کا ذکر فرمایا، پھر وہ علم والے جو عدل پر قائم ہیں؛ یہاں نبی اور رسول نہیں کہا۔ یہاں دو باتیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ اللہ اور نبی کی گواہی ایک ہی ہوتی ہے؛ جو اللہ نے گواہی دی تو وہی گواہی نبی نے دینی ہے۔ سورۃ بقرۃ میں اللہ فرماتا ہے کہ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْۚ-ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [1] "بھلا تم کیوں کر خدا کے منکر ہو گے حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے"۔ یہاں پر دوبارہ مارنے کے بعد قبر میں رہینگے اور اس کے بعد جب زندگی ملے گی تو حشر کی طرف لوٹنا ہے۔ تو اللہ فرمارہا ہے کہ یہ یہودی کیسے خدا کا انکار کر سکتے ہیں، اب سوال یہاں پہ یہ ہے کہ یہ یہودی تو اللہ کا انکار ہی نہیں کرتے لیکن اللہ کیا کہہ رہا ہے، كيف تكفرون بالله۔ تو فرمایا کہ میرا تو نہیں انکار کرتے لیکن میرے محمد ﷺ کا تو کرتے ہیں ناں۔ تو جس نے میرے محمد ﷺ کا انکار کیا اس نے اصل میں میرا ہی انکار کیا۔ تو نبی کا انکار ہی اصل میں اللہ کا انکار ہے اور نبی کی شہادت اصل میں اللہ کی شہادت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِؕ میں بھی انبیاء شامل ہیں۔ وہی تو علم والے ہیں جو اصل میں عدل پر قائم ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپکو ایک منصب دیا، اللہ تعالیٰ نے پہلے وہ گواہی دی، انبیاء، ملائکہ اور اہل علم نے اس گواہی کو ہم تک پہنچایا۔ یہ ایک ترتیب ہے۔

توحید پر ایک دفعہ بحث ہو رہی تھی۔ جو توحید کے منکر تھے اور ایک سے زیادہ خداؤں کی دلیلیں دے رہے تھے تو اللہ کے ولی نے ان سے ایک بات پوچھی۔ کہنے لگے کہ آسمان، اللہ فرماتا ہے کہ میں نے بنائے، یہ زمین میں نے بنائی، چاند، سورج ستارے میں نے بنائے۔ اللہ کے علاوہ بھی کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے بنائے۔ فرعون

[1] سورۃ البقرۃ:28

نے رب ہونے کا دعویٰ تو کیا لیکن یہ نہیں کہا کہ یہ آسمان میں نے بنائے۔ تو جب اس کائنات کو بنانے کا دعویدار ہی ایک ہے۔ بھائی اور کسی کی جرات ہی نہیں کہ یہ دعویٰ کر سکے۔ تو اسلیے آپ اس گواہی پہ کھڑے ہیں۔ تو اگر انسان نے اخلاق رذیلہ پر زندگی گزارنی ہے، رزقِ حرام پر زندگی گزارنی ہے؛ کبھی شوق پیدا ہی نہیں ہوا کہ میں صراط مستقیم پر چلوں، مجھے تقویٰ حاصل ہو جائے، مجھے اللہ مل جائے، تو پھر اس کی نمازیں ضائع بھی چلی جائیں گی، اسکے روزے بھی رائیگاں ہو جائینگے۔

اب جب انسان اللہ کی گواہی دیتا ہے تو کیا اس کا مرتبہ ہوتا ہے، کیا اس کا مقام ہوتا ہے۔ اس گواہی پر جب انسان کھڑا ہو جاتا ہے کہ اللہ ہی معبود ہے، اسی کا حکم میرے جسم پر چلے گا، اسی کے حکم کے مطابق میری سوچ ہو گی، اسی کے حکم پر اچھے عمل کرونگا اور اسی کے حکم پر بُرے اعمال چھوڑ دونگا۔ یہ ہے شہادت اللہ کے الہ ہونے کی۔ پھر انسان کی پریشانیاں ختم ہو جاتی ہیں اگر انسان کی پریشانیاں ختم نہیں نہ ہو رہیں تو اسکا مطلب ہے کہ ابھی گواہی پوری نہیں ہو رہی۔ پریشانیاں اسلیے ہوتی ہیں کہ ابھی میری انا موجود ہے، ابھی تکبر ختم نہیں ہوا، ابھی کینہ، حسد، لالچ موجود ہے۔

جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نا کہ لم یلد ولم یولد، اسکا مطلب پتہ ہے کیا ہے؟ اسکا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں۔ اس کے ساتھ اگر کسی کا تعلق ہے تو وہ اس گواہی پر ہے اور اعمالِ صالح پر ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں رشتہ داری کی بناء پر اللہ کے قریب ہوں۔ میرے پاک پیغمبرؐ کا جو اصل اختلاف ہوا مشرکین مکہ کیساتھ ،اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ، اب کوئی نفس بلندی کیطرف جائیگا تو وہ کلمہ طیب کی بنیاد پر جائیگا اور اعمال صالح کی بناء پر جائیگا۔ سرکار ﷺ نے ایک عظیم جملہ ارشاد فرمایا کہ جب کسی کا عمل اسکو پیچھے کر دے تو اسکا نسب اسکو آگے نہیں کر سکتا[1]۔ اب یہ تھی وہ بات جو مکہ والوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ہم آل ابراہیم علیہ السلام ہیں، آل اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اب پیغمبر ﷺ فرمارہے ہیں کہ جب تمہارے اعمال تمہیں پیچھے کر رہے

[1] صحیح مسلم:6853

ہیں تو آگے بلال رہیگا، سرداران قریش نہیں رہینگے۔ اسکا عملی مظاہرہ جب ہوا ناں، کیا شان تھی اس دن، دس ہزار کا میرے پیغمبر ﷺ کا لشکر، ہمت نہیں کسی کی کہ میرے پیغمبر ﷺ کے سامنے آئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بلال کعبہ کی چھت پر چڑھ جا۔ اب یہ مکہ والے کہا کرتے تھے کہ ہم کعبہ کے متولی ہیں، یہ گھر ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے بنایا ہے، ہمارا نسب ان سے ملتا ہے۔ اس دور میں جب حج ہوتا تھا تو عام لوگ عرفات سے منیٰ کیطرف جاتے تھے تو یہ ادھر نہیں جاتے تھے، اپنے نسب پر فخر کرتے تھے؛ مکہ سے باہر لوگ اگر آتے حج کیلئے تو انکو کہتے کہ تمہارا لباس اس قابل نہیں ہے کہ تم طواف کر سکو، ہمارا لباس پہن کر کرو، پھر اسکے پیسے لیتے، کاروبار بنایا ہوا تھا؛ اگر کسی کے پاس پیسے نہ ہوتے تو اسے کہتے کہ ننگے ہو کر طواف کر، خانہ کعبہ کا طواف ننگے ہو کر بھی کیا جاتا تھا۔ یہ حالت تھی کہ وہ اپنے نسب پر اتنا فخر کرتے تھے۔

جب نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ بلال کعبہ کی چھت پہ کھڑے ہو کر اذان دو۔ اب کیا شان ہو گی کہ وہ کعبہ بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کے نیچے، کسی اور جگہ بھی کھڑا ہوا جا سکتا تھا، اسکا پھر ری ایکشن آیا۔ تین باتیں تفاسیر میں ملتی ہیں۔ ایک سردار نے کہا کہ کیا محمد ﷺ کے پاس اس کالے کوے کے سوا کوئی نہیں بچا تھا جو اذان کہتا (استغفر اللہ)۔ دوسرے نے کہا کہ شکر ہے میرا باپ یہ دن دیکھنے سے پہلے ہی مر گیا، ورنہ ایک غلام ہم سرداروں کے سامنے کعبہ کی چھت پہ چڑھ گیا۔ تیسرے سردار نے کہا (جس نے بعد میں کلمہ پڑھ لیا) کہ میں تو کوئی بات اسلیے نہیں کر رہا کہ میں تو دور کھڑے ہو کر بھی کوئی بات کرونگا تو محمد ﷺ کا خدا اُسکو بتا دیگا کہ یہ کیا باتیں کر رہا ہے۔ سورۃ الحجرات کی اس آیت کا یہ بھی سبب نزول بیان کیا گیا، يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ ،[1] "اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو"۔ کہہ دیتے ہو ناں کہ یہ موچی ہے، یہ ماچھی ہے، یہ جولاہا ہے۔ کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، کیوں؟ بھائی اللہ کی تو کسی سے رشتہ داری ہی نہیں۔ اگر موچی تقویٰ پہ چل پڑا ہے تو وہ سرداروں سے بہتر ہے۔ رہ گیا سرداران قریش وہیں پر اور

[1] سورۃ الحجرات:11

بلال رضی اللہ عنہ اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے۔ اللہ کی تو کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں۔ جو کوئی کلمہ کی گواہی دیگا اور پھر ضرورت محسوس کریگا کہ مجھے تقویٰ کی راہ پر چلنا چاہیے اور اپنے نفس کو پاکیزہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو پھر اس کیلئے اللہ راہیں کھول دیتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ وقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَاؕ۔[1] "بیشک جس نے نفس کو پاک کرلیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اور بیشک جس نے اپنے نفس کو گناہوں میں چھپا دیا وہ ناکام ہو گیا۔" عدل کا تقاضا تو یہی ہے کہ اللہ کی گواہی دے اور پھر تقویٰ کے راستے پر چلے۔ جس نے اپنے نفس کو چھوڑ دیا کہ جو مرضی جی چاہے کرتا پھرے تو وہ برباد ہو گیا۔ مت خیال کرے کہ وہ بچ گیا بلکہ وہ برباد ہو گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جس نے حسد، کینہ، بغض، ریاکاری، تکبر، یہ جتنے بھی اخلاقِ رزیلہ ہیں، انکو دور کرنے کی کوشش نہیں کی، کبھی ارادہ نہیں کیا، میرا اللہ فرماتا ہے کہ وہ برباد ہو گیا۔ تو پہلے اللہ کی گواہی دیں اور پھر اس ضرورت کو محسوس کریں کہ میں نے اللہ کو پانا ہے۔ مرنے کے بعد میں نے اپنے اللہ کے ہاں حاضر ہونا ہے۔ یہ جو یقین ہے یہ آپکی اس دنیا کو بھی بہتر کریگا اور آپکی اگلی دنیا کو بھی بہتر کریگا۔ لیکن اگر کسی بندے کو یہ شوق ہی نہیں پیدا ہوا کبھی کہ میں بھی تقویٰ کہ راستے پر چلوں تو اصل میں اس کو اس دین کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ بکواس کرتا ہے کہ میں کلمہ اونچی آواز میں پڑھ رہا ہوں۔ کلمہ کے بعد یہ ضروری ہے کہ اس میں شوق پیدا ہو کہ میں تقویٰ کے راستے پر چلوں۔ جب یہ شوق پیدا ہو گا کہ میں تقویٰ کے راستے پر چلوں تو پھر یہ شوق پیدا ہو گا کہ میں کسی رہبر اور رہنما کو تلاش کروں۔ جس کے زیر سایہ رہ کر پھر وہ اپنے اخلاقِ رزیلہ ختم کرے۔

اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب ایسی بھیجی ہی نہیں جس کے ساتھ رہنما نہ بھیجا ہو۔ صرف کتاب آپکی اصلاح نہیں کرسکتی۔ تورات بھیجی ہے تو ساتھ موسیٰ علیہ السلام رہنما کو بھی بھیجا ہے۔ زبور بھیجی ہے تو داوٗد علیہ السلام کو ساتھ بھیجا ہے، انجیل بھیجی ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کو ساتھ بھیجا ہے۔ ایک بڑی کمال کی بات جو کہ سیرت کی کتابوں میں لکھی ہے کہ اللہ

[1] سورۃ الشمس:10-9

تعالیٰ نے انسان کو بعد میں بھیجا پہلے رہنما بھیجا۔ پہلا انسان رہنما بنایا، نبی بنا کر آدمؑ کو بھیجا۔ غلاظت کو بعد میں بھیجا پہلے پانی پیدا فرمایا۔ اس ساری کائنات کو پیدا کرنے سے پہلے میرے اور تمہارے اور آقا محمد رسول اللہ ﷺ ، جو قرآن کہتا ہے کہ ویزکیکم کہ یہ رسول ﷺ تمہیں پاک کرتے ہیں، انکو سب سے پہلے پیدا کیا اور ہم گناہگاروں کو بعد میں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ کا تو نظام ہی بڑا کمال کا ہے۔ بس آپ نے اس رہنما کیطرف کوشش کرنی ہے۔ زندگی تو سارے گزار رہیں، ارادہ کریں اور کوشش کریں کہ میں نے اللہ کی راہ میں تقویٰ اختیار کرنا ہے، یہ میری ضرورت ہے۔ پھر جو نفس کی پاکیزگی ہے اسکے بعد انسان کو کامیابی مل جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار اللہ کی تمام آیات کا انکار ہے (حصہ اول)

قرآن: اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَالنَّبِیّٖن بِغَیْرِحَقٍّ-وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ-فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ(سورۃ آل عمران: 21)

ترجمہ: وہ جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے اور انصاف کا حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں انہیں خوشخبری دو دردناک عذاب کی۔

خاکہ:

1) ضد اور ہٹ دھرمی کفر کا مزاج ہے۔

2) کسی چیز کا وجود شر نہیں ہوتا۔

3) جانوروں پر نماز کیوں فرض نہیں؟

4) بیعت سے خودسری ختم ہو جاتی ہے۔

5) اللہ خوشخبری دے رہا ہے دردناک عذاب کی

6) محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار تمام آیات کا انکار ہے

7) قیامت والے دن سب سے سخت عذاب کسے ہو گا؟

8) جو کسی ظالم کے عمل کو صحیح سمجھتا ہے وہ بھی اسکے ساتھ ہے

9) دردناک عذاب کی خوشخبری

10) اس آیت کے تین سبق

11) جب تک مسلمان متحد نہیں ہوتے، یہ کافر نبی کی گستاخی کرتے رہینگے

12) کون ہے جو اس لیے کسی سے محبت کرتا ہے کہ یہ میرے نبی کا کلمہ پڑھنے والا ہے؟

13) قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اتحاد کا سبق

14) اتحاد مسلم امہ کا علاج ہے۔

15) نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا بہت ضروری ہے۔

اللہ رب العزت کی حمد وثناء اور پاک پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ہدیہ درود وسلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

یہ ان آیات میں بنی اسرائیل کا ذکر چل رہا تھا۔ یہ بڑے ضدی، ہٹ دھرم اور خود سر ہیں۔ یہ نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ جو بندہ انصاف پسند ہوتا ہے وہ جب حق دیکھ لیتا ہے تو تسلیم کر لیتا ہے۔ اور جو حق کو دیکھ کر نہیں مانتا اسکی سزا پھر بڑی سخت ہے۔ تو یار سول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آپکا بھی واسطہ ان ضدی لوگوں کیساتھ پڑ گیا ہے۔ اتنا بڑا حق دیکھ کر بھی یہ ماننے کیلئے تیار نہیں۔ یہ جو ضد ہے نا جس کا قرآن ذکر کر رہا ہے، وَ مَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ[1] "اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی انہوں نے ہی اپنے باہمی بغض وحسد کی وجہ سے کتاب میں اختلاف کیا (یہ اختلاف) اس کے بعد (کیا) کہ ان کے پاس روشن احکام آچکے تھے"۔ تو یہ جو خود سری اور ضد ہے جو آپکو حق سے دور رکھتی ہے اور حق کو تسلیم نہیں کرنے دیتی۔ یہ مزاج ایمان کا مزاج ہی نہیں ہے، یہ کفر کا مزاج ہے۔ ضد کا مزاج جو ہے یہ کفر کا مزاج ہے۔ ایمان کا مزاج قرآن نے لکھا ہے، سمعنا وا طعنا[2]، وہ سنتے ہیں اور سر جھکا لیتے ہیں۔ اس لیے پچھلی آیت میں فرمایا تھا فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ-وَ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّیّٖنَ ءَ اَسْلَمْتُمْ-[3] "پھر اے حبیب! اگر وہ تم سے جھگڑا کریں تو تم فرمادو میں تو اپنا منہ اللہ کی بار گاہ میں جھکائے ہوں اور میری پیروی کرنے والے بھی"۔ اللہ فرما رہا ہے کہ اے حبیب، اب بھی اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑتے ہیں تو آپ فرما دینا کہ میں نے اور میرے غلاموں نے بھی سر اللہ کی بار گاہ میں جھکا دیا۔ تو جہاں

---

[1] سورۃ البقرۃ:213

[2] سورۃ البقرۃ:285

[3] سورۃ آل عمران:20

کہیں بھی آپکو ضد اور ہٹ دھرمی نظر آئے تو قرآن کریم نے یہ بات بیان کر دی ہے کہ یہ مزاج ایمان کا مزاج ہی نہیں۔ ضد کا مزاج ابلیس کا مزاج ہے۔

کسی بھی چیز کا وجود شر نہیں ہوتا۔ یہ عقیدہ کی بات ہے۔ شیطان کا بھی وجود شر نہیں ہے، کیوں؟ اسلیے کہ یہ جتنے بھی وجود بنائے ہیں جس خالق نے بنائیں ہیں اسکے پاس خیر کے سوا کچھ نہیں۔ بھائی شیطان کا بھی وجود تو اللہ نے ہی بنایا ہے ناں۔ تو وجود کسی چیز کا شر نہیں ہوتا، اس وجود کا جو عمل ہوتا ہے وہ شر ہوتا ہے۔ اسلیے ہمیں تعلیم کیا دی گئی کہ بھوکا جو ہے وہ بھوکا ہوتا ہے وہ جو کوئی بھی ہو۔ پیاسا، پیاسا ہوتا ہے اسکو پانی پلا دو۔ مظلوم کا ساتھ دینا۔ تو وجود کسی چیز کا شر نہیں ہوتا، ابلیس کا بھی وجود شر نہیں تھا لیکن اللہ نے اسکو جو ارادہ دیا، اس ارادہ کی جو ضد تھی اس نے شر پیدا کیا۔ مثال کے طور پر چھری جو ہے اسکا وجود شر نہیں ہے۔ چھری سے آپ سبزی کاٹتے ہیں، اس سے آپ بڑے مثبت کام کرتے ہیں۔ لیکن اگر آپ اسی چھری سے کسی کو زخمی کر دیں تو وجود شر نہیں ہے، اختیار اور ارادہ سے جو عمل سرزد ہوتا ہے وہ خیر اور شر پیدا کرتا ہے۔ تو اس کائنات کا خالق حقیقی جو ہے اس نے کسی چیز کی تخلیق شر پہ پیدا نہیں کی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جانوروں پہ نماز کیوں فرض نہیں؟ حالانکہ اللہ فرما رہا ہے کہ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ[1] "جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں"۔ پھر ایک اور جگہ فرمایا کہ وَ لِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا[2] "اور جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خوشی سے ، خواہ مجبور ہو کر اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں"۔ یعنی کوئی چاہے نا چاہے اسکو اللہ ہی کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ جانوروں اور پرندوں پر نماز کیوں نہیں فرض؟ بھائی اسلیے کہ جانوروں کو اللہ نے ارادہ کی طاقت دی ہی نہیں۔ ارادہ ہمیں دیا، اب ہم اس کو خیر کیلئے استعمال کرتے ہیں یا شر کیلئے۔ تو وجود تو خیر ہی

[1] سورۃ الجمعہ: 1

[2] سورۃ الرعد: 15

ہوتا ہے لیکن وہ جو اختیار اور ارادہ اللہ نے دیا ہے اس سے پھر خیر اور شر کا ظہور ہوتا ہے۔ اختیار ہمیں کتنا دیا اس پہ پہلے بیان اُمور تشریعی والا گزر چکا ہے۔

کسی نے مجھ سے پوچھا تھا کہ یہ بیعت ہونا کیوں ضروری ہوتا ہے؟ میں نے کہا اسلیے کہ انسان جب بیعت ہوتا ہے تو اسکی خود سری ختم ہو جاتی ہے، اسکی ضد ختم ہو جاتی ہے۔ بیعت تو ظاہر ہے کہ ہم نے اللہ کے سامنے ہی فروخت ہونا ہے۔ تو جب انسان اللہ کے سامنے فروخت ہو جاتا ہے تو پھر اسکی ضد اور ہٹ دھرمی ختم ہو جاتی ہے۔ اسکا ارادہ مثبت ہو جاتا ہے۔

اپنی آیت پر آتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں، نہیں مانتے۔ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِحَقٍّ اور نبیوں کو بھی بغیر وجہ کے قتل کر دیتے ہیں۔ یہ اس ہٹ دھرمی کا نتیجہ بیان ہو رہا۔ یہ دیکھئے کہ ضد اور ہٹ دھرمی کہ نبیوں کو قتل کرنا وہ بھی بغیر وجہ کے۔ بھائی نبیوں کو تو جس نے بھی قتل کرنا بغیر وجہ کے ہی کرنا ہے ناں کیونکہ نبی نے تو نہ اللہ کی نافرمانی کرنی ہے اور نہ مخلوق کو نقصان پہنچانا ہے۔ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ اور نبیوں کے بعد انسانوں میں سے جو عدل کی بات کرتے ہیں انکو بھی قتل کر دیتے ہیں۔ جو حکم دیتے ہیں عدل کا، ضد سے روکتے ہیں یہ انکو بھی قتل کر دیتے ہیں۔ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ عجیب بات ہے کہ بات ہو رہی ہے دردناک عذاب کی اور اللہ فرما رہا ہے کہ انکو خوشخبری دو۔ بھائی دردناک عذاب تو بُری خبر ہے، خوشخبری تو نہیں ہوتی، لیکن اللہ فرما رہا ہے کہ ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا، نبیوں کو ناحق قتل کر دیا، عدل کی بات کرنیوالے انسانوں کو بھی قتل کر دیا تو خوشخبری دو اُنکو دردناک عذاب کی۔

آیات کی جھٹلانے پر سوال اُٹھا، جب قرآن نازل ہو رہا تھا، اس دور میں بھی یہ سوال آیا کہ یہود (یہ آیات یہود کے بارے میں ہیں) تو اللہ کو مانتے ہیں، سابقہ انبیاء کو بھی مانتے ہیں، فرشتوں کو بھی مانتے ہیں، قیامت کے دن پہ بھی یقین رکھتے ہیں، ثواب اور عذاب کو بھی مانتے ہیں، یہی بنیادی عقائد ہیں ناں، تو جب یہ سارے عقائد کو مانتے ہیں انکار تو بس محمد رسول اللہ ﷺ کا کرتے ہیں تو پھر کیوں یہ کہا گیا کہ وہ اللہ کی ساری آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ آیات

جمع کا صیغہ ہے ناں، اللہ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ وہ بس ایک میرے نبی کی ذات کا انکار کرتے ہیں، اللہ نے تو فرمایا کہ وہ میری ساری آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ جو تورات میں ہیں انکا بھی انکار کرتے ہیں، جو قرآن میں ہیں انکا بھی انکار کرتے ہیں۔ تو انہوں نے یہ سوال اُٹھادیا کہ ہم تو صرف ایک بات کا انکار کر رہے ہیں باقی تو سارے عقائد مانتے ہیں۔ تو اللہ نے انکے سوال کا جواب دیا کہ جنہوں نے ایک محمدؐ کو نہ مانا انہوں نے سب کا ہی انکار کر دیا۔ انکا توحید کو ماننا قبول ہی نہیں کیا جائیگا۔ سابقہ انبیاء کا ماننا انکا قبول ہی نہیں کیا جائے گا۔ جنہوں نے ایک محمد ﷺ کا انکار کیا انہوں نے اللہ کی کسی آیت کو نہیں مانا۔ یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔

حضرت ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ، یہ اس امت کی ایک unique ہستی ہے۔ جنہوں نے غزوہ بدر میں اپنے باپ کو قتل کیا۔ سورۃ مجادلہ کی آخری آیات انکے حق میں نازل ہوئیں۔ باپ بار بار سامنے آجاتا تھا، ابو جہل کی طرف سے لڑنے آیا تھا اور یہ نبی پاک ﷺ کے لشکر میں تھے۔ اور یہ اعزاز اور کسی صحابی کو حاصل نہیں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے۔ امانت دار ہوتا ہے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا امین ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ وہ ہستی ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ حیات ہوتے تو میں اپنے بعد انکو خلیفہ بنادیتا۔ انہوں نے ایک دن سوال کیا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ، قیامت والے دن سب سے سخت عذاب کن لوگوں کو ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابو عبیدہ، قیامت والے دن سب سے زیادہ پکڑ میں جو آئینگے وہ لوگ جنہوں نے نبیوں کو ناحق قتل کیا اور پھر ان لوگوں کو قتل کیا جو نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے، نبی پاک ﷺ نے پھر اس آیت (جو موضوع گفتگو ہے) کی تلاوت فرمائی۔ پھر نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں صبح کے وقت 43 انبیاء کرام کو شہید کیا۔ نبی جو ہیں وہ ایک وقت میں ہزاروں کی تعداد میں بھی آجاتے تھے، کوئی ایک شہر کیلئے، کسی بستی کیلئے۔ تو ایک وقت میں انہوں نے 43 انبیاء کو شہید کر دیا۔ پھر جب انہوں نے اتنے انبیاء کرام کو شہید کر دیا تو انکی جگہ 112 علماء حق آکر کھڑے ہوگئے۔ انبیاء کی امت کے علماء حق باری باری کھڑے ہوئے اور انکو کہتے کہ نبی حق پر تھے اور تم جھوٹے ہو۔ اور وہ انکو امر بالمعروف بھی کرتے اور نہی عن المنکر

بھی، یعنی نیکی کا حکم بھی دیتے اور برائی سے روکتے بھی اور اپنے نبی کی صداقت کا اعلان کرتے۔ تو اس دن کے پچھلے پہر تک انہوں نے ان علماء کرام کو بھی شہید کر دیا گیا۔

دیکھئے اس آیت میں کہ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کا ساتھ دینے والوں کا ذکر ان انبیاء کیساتھ ہی رکھا ہے۔ اسی آیت میں ہی فرمادیا کہ انہوں نے انبیاء کو قتل کیا اور جو نیکی کا حکم دیتے تھے انکو بھی قتل کیا۔ جو نبیوں کے مشن کیساتھ کھڑے ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ انکو نبیوں کیساتھ ہی رکھتا ہے۔ دوسری بات اس آیت کے حوالے سے کہ یہ قرآن تو ظاہر ہے کہ نبی پاکؐ پر نازل ہو رہا تھا تو اس دور کے جو یہودی تھے انہوں نے تو کسی نبی کو نہیں قتل کیا۔ بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور محمد ﷺ کا 500 سال کا فرق ہے، اس دوران تو کوئی نبی آیا ہی نہیں، اور یہ جو واقعات ہوئے یہ تو کوئی 3000 سال پہلے ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرما رہا ہے کہ یہ جو نبی پاک کے دور کے یہودی ہیں انہوں نے نبیوں کو قتل کیا۔ حالانکہ اس دور کے یہودیوں نے تو کوئی نبی قتل نہیں کیا تھا۔ تو پھر اللہ ان سے کیوں فرما رہا ہے؟ تو جب یہ سوال اٹھا کہ ہم نے تو کوئی نبی نہیں قتل کیا، وہ تو ہمارے آباؤ اجداد تھے جنہوں نے یہ حرکت کی۔ یہ اصول زندگی کا ہمیشہ ذہن میں رکھنا۔ ہم بھی تو کئی دفعہ کہتے ہیں نا کہ قصور تو میرے ماں باپ کا ہے یا میرے بھائیوں کا ہے میرا تو نہیں ناں۔ یہاں اللہ تعالیٰ یہ بات بیان فرما رہا ہے کہ تم نے قتل تو نہیں کیا لیکن تم اپنے بڑوں کی اس حرکت کو بُرا بھی تو نہیں سمجھتے ناں۔ اگر تم اپنے آباؤ اجداد کے اس عمل کو صحیح سمجھتے ہو تو تم نے بھی نبیوں کو قتل کیا ہے۔ یہ اتنا بڑا جرم ہے۔ آج کے دور میں اگر کوئی کہتا ہے کہ فرعون نے جو 4000 سال پہلے بچوں کو جو قتل کیا تھا وہ صحیح کیا تھا تو وہ بھی فرعونوں میں شامل ہو جائیگا۔ تو جس بُرے بندے کی بُرائی کو آپ حق سمجھتے ہیں تو قرآن کہتا ہے کہ تم انہی کیساتھ کھڑے ہو۔ تم نے اپنے ان آباؤ اجداد کو بُرا کیوں نہیں کہا۔ یہ انکو جواب دیا گیا کہ تم چونکہ اپنے بڑوں کے اس جرم کو صحیح سمجھتے تھے اس لیے تو تم نے میرے محمد کریم ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ قتل نہ کر سکے وہ تو علیحدہ بات ہے۔ تم نے کتنی کوششیں کی میرے محبوب کو قتل کرنے کی۔ پھر وہ جو بخاری شریف کی روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے جب آخری وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ خیبر میں جو یہودن عورت نے مجھے زہر دیا تھا وہ مجھے تکلیف دے رہا ہے اور میری شریانیں کٹ رہی ہیں۔ نبی پاک ﷺ بھی شہید ہوئے

ہیں[1]۔ اسلیے اللہ نے ان یہودیوں کو فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ تم نے نبیوں کو قتل نہیں کیا، کیونکہ تم انکو صحیح سمجھتے ہو، انکو صحیح سمجھتے ہو تو میرے محبوب کی بھی مخالفت کرتے ہو۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ فبشرھم کیوں استعمال کیا؟ حالانکہ بات ہو رہی ہے دردناک عذاب کی۔ فرمایا کہ یہ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، صدقہ خیرات کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قیامت والے دن انکو خوشخبری ملے گی، انکو اسکا اجر ملیگا، سمجھتے ہیں کہ کامیابی ملے گی، جنت میں جائینگے۔ یہ دنیا میں سمجھتے ہیں کہ کوئی بات نہیں اگر ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں مانا لیکن ہم باقی تو نیک عمل کرتے ہیں ناں۔ قیامت والے دن جب انکے یہ نیک عمل دردناک عذاب میں تبدیل ہو جائینگے تو کہیں گے کہ مالک ہم تو نیک عمل کرتے رہے تھے تو اللہ فرمائے گا کہ نیک کام میرے محبوب کی مخالفت کر کے کرتے رہے۔ تو یہ جس چیز کو خوشخبری سمجھ رہے ہیں، انکو بتادو کہ میرے نبی کی مخالفت میں یہ خوشخبری نہیں بلکہ دردناک عذاب ہے۔

تین باتیں ہم نے یہاں سے سیکھیں کہ جتنے مرضی نیک کام کر لو لیکن اگر آپ نے ایک اللہ کے محبوب کا انکار کیا تو میرا اللہ فرماتا ہے کہ اس نے سارے قرآن کا انکار کیا۔ اور پھر جو نبیوں کے ساتھ عدل والے لوگ ہیں، اگر انکی بھی مخالفت کی تو سمجھنا کہ ہم نے نبی ہی کی مخالفت کی۔ اور پھر اسکے بعد تم نیک عمل کرو گے بھی تو وہ قیامت والے دن قبول نہیں کیے جائیں گے۔

---

1 ابو سلمہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور صدقہ نہیں کھاتے تھے، آپ کو خیبر کی ایک یہودی عورت نے ایک بھنی ہوئی بکری تحفہ میں بھیجی جس میں اس نے زہر ملار کھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے کھایا اور لوگوں نے بھی کھایا، پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا: "اپنے ہاتھ روک لو، اس (گوشت) نے مجھے بتایا ہے کہ وہ زہر آلود ہے" چنانچہ بشر بن براء بن معرور انصاری مر گئے، تو آپ نے اس یہودی عورت کو بلا کر فرمایا: "ایسا کرنے پر تجھے کس چیز نے آمادہ کیا؟" وہ بولی: اگر آپ نبی ہیں تو جو میں نے کیا ہے وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور اگر آپ بادشاہ ہیں تو میں نے لوگوں کو آپ سے نجات دلا دی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تو وہ قتل کر دی گئی، پھر آپ نے اپنی اس تکلیف کے بارے میں فرمایا: جس میں آپ نے وفات پائی کہ میں برابر خیبر کے اس کھانے کے اثر کو محسوس کرتا رہا یہاں تک کہ اب وہ وقت آ گیا کہ اس نے میری شہ رگ کاٹ دی۔ سنن أبو داؤد: 4512

قرآن کریم سے یہ باتیں میں آپکے سامنے اس لیے رکھتا ہوں کہ آج کے دور میں بھی یہ معاملات ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کہیں گے کہ اس دور میں تو نبی ہے ہی نہیں۔ تو بات وہی اصول کی ہے کہ نبی کے مشن کی مخالفت کرنے والا اصل میں نبی کا ہی مخالف ہوتا ہے۔ انڈیا میں جو گستاخی کی گئی، پتہ ہے آپ کو، مختلف رائے ہیں لوگوں کی، لیکن میرا اپنا نقطہ نظر ہے۔ دیکھئے یہ اللہ کا گھر ہے، ہم سب اسکے محافظ ہیں؛ اگر ہم ہی آپس میں لڑتے رہیں گے تو باہر سے تو کوئی بھی حملہ کرے گا تو ہم پھر اسکا دفاع نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر ہم متحد ہونگے تو پھر ہم اللہ کے گھر کی حفاظت کر سکیں گے۔ کیا یہ دین اس لیے آیا تھا کہ کلمہ پڑھ کر کلمہ پڑھنے والوں کی مخالفت کریں؟ یہ دین ہم کس کے خلاف استعمال کر رہے ہیں، شیعہ، اہل حدیث، بریلوی کے خلاف؟ یہ دین اس لیے آیا تھا کہ جو دین میں داخل ہو ہم اسکی مخالفت کریں؟ کبھی آپ نے سوچا ہے کہ ہم سارا دن کس کو بُرا بھلا کہتے ہیں، کلمہ پڑھنے والوں کو؟ تو جب ہماری یہ حالت ہو گی تو ہم عالم کفر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تو جب تک یہ کلمہ پڑھنے والے متحد نہیں ہونگے یہ عالم کفر آپ کے نبیؐ کی بھی گستاخی کرے گا، اللہ کی بھی گستاخی کرے گا اور آپکو بھی مار دیگا۔

2016 میں جب میں حج کے لیے گیا تھا تو سعودیہ میں جو ایک جوس کی بوتل تک بھی انڈیا کی تھی۔ میں نے ایک سرکاری بندے سے پوچھا تو اس نے کہا کہ ہماری انڈیا سے تجارت 45 ارب ڈالر کی ہے۔ اب تو ظاہر ہے وہ تجارت اور بڑھ گئی ہونی ہے۔ ہمارے لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو جی ہمارے حکمران بزدل ہیں وہ بات نہیں کرتے۔ یورپ میں یورپی یونین بنی ہے، آپ یورپ کے ایک سفیر کو نکالیں تو وہ پچیس ممالک کہیں گے کہ ہم بھی نکال دیتے ہیں انکے سفیر۔ بائیکاٹ کر دینگے۔ حکمرانوں کو چھوڑیں، کس کس ملک کی عوام نے انڈیا سے بائیکاٹ کیا ہے؟ یہاں بیٹھ کے ہم یہ تو کہیں گے کہ شیعہ کیساتھ بیٹھ کے روٹی نہیں کھانی، اہل حدیث کیساتھ نہیں تعلق رکھنا، یہ بریلوی شرک کرتے ہیں انکے ساتھ نہیں بیٹھنا لیکن انڈیا کیساتھ ہمارے مسلمانوں نے کتنے تعلق توڑے ہیں؟ کتنے لوگ ہیں؟ یہ میں مولویوں سے کہتا ہوں کہ قیامت والے دن اگر نبی پاک ﷺ نے یہ سوال پوچھ لیا تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا۔ کوئی میری تنظیم کا بندہ آجائے تو میں بڑے فخر سے ملتا ہوں کہ یہ جی میرا تبلیغی جماعت کا بھائی ہے، یہ میرا دعوت اسلامی کا بھائی ہے، یہ وہابی ہے، یہ سنی ہے، یہ شیعہ ہے، یہ میرے مسلک کا ہے۔ اگر نبی پاک ﷺ

نے پوچھ لیا کہ تو مسلک، جماعت اور پیر کیوجہ سے محبت کرتا تھا لیکن کبھی اس وجہ سے بھی محبت کی تھی کہ یہ میرے نبیؐ کا امتی ہے، میرے نبیؐ کا کلمہ پڑھنے والا مسلمان بھائی ہے؟ ہم میں سے کتنے لوگ بچیں گے؟ کتنے لوگ ہیں جو کسی سے اس لیے محبت کرتے ہیں کہ یہ میرے نبی کا امتی ہے؟

مجھے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کا وہ جملہ یاد آگیا کہ جب ابوالکلام آزاد جو کہ کانگرس کا صدر تھا، بہت بڑا مولوی، اس نے قائد سے سوال کر دیا کہ محمد علی یہ کروڑوں لوگ مسلمان، اگر علیحدہ وطن بنتا ہے تو ظاہر ہے کچھ لوگ ہجرت کر جائیں گے اور کچھ ہندوستان میں ہی رہ جائیں گے تو طاقت جو ہے نا وہ کمزور ہو جائیگی، تو یہ جو ہندوستان میں مسلمان رہ جائینگے، انکی جان، مال اور عزت کا تحفظ کون کریگا؟ تو بہتر ہے کہ تو پاکستان کی بات نہ کر، یہ اکٹھے رہیں اور انکی ایک طاقت رہے۔ یہ شملہ میں مذاکرات ہوئے تھے۔ قائداعظمؒ کی آپ تین باتیں پڑھتے ہیں نا ایمان، اتحاد اور تنظیم۔ تو قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت فرمایا تھا کہ جب پاکستان میں رہنے والے مسلمان متحد ہونگے تو وہی ہندوستان کے مسلمانوں کا تحفظ کرینگے۔ ایک مظبوط پاکستان کے مسلمان جب اکٹھے ہونگے تو ہندوستان کے ہندوؤں کی جرات نہیں ہو گی کہ وہ وہاں مسلمانوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں۔

علاج، یہ ریلیاں یہ جلسے اور تقریریں نہیں ہیں۔ علاج یہی ہے کہ میں کسی بندے سے محبت سے ملوں تو اسلیے ملوں کہ یہ میرے نبی کا امتی ہے۔ اسکے علاوہ چارہ نہیں ہے۔ ورنہ پھر یہ کبھی ہالینڈ میں معاملہ ہو گا، کبھی ناروے میں ہو گا اور ہم اپنی تجارتیں دیکھتے رہیں گے۔ حکمرانوں کو چھوڑیں، عوام نے کتنا بائیکاٹ کیا ہے انڈیا کا؟ آج مسلم امہ ہندوستان کا بائیکاٹ کر دے، یقین جانیے ایک دن میں انکو پتہ چل جائے۔ لیکن ہمارے لیے نبی پاکؐ کی ذات اہم نہیں ہے، ہم جھوٹ بولتے ہیں، ہمارے لیے ہمارا مولوی، ہمارا پیر، ہماری جماعت اہم ہے۔ کوئی بھی کسی سے اس لیے محبت سے نہیں ملتا کہ یہ میرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتا ہے۔ اگر ہم متحد ہو جائیں تو کافروں کی یہ جرات نہیں کہ وہ ہمارے نبی کی گستاخی کریں۔

اب جو بندہ اس کے باوجود بھی انڈیا کی چیزوں سے محبت کرتا ہے، بات تو پھر وہی آگئی جو قرآن کریم نے بیان کی کہ تم نے تو نبیوں کو قتل نہیں کیا لیکن جنھوں نے قتل کیا انکو اچھا تو سمجھتے ہو نا۔ آخری بات، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے اس بات کا حکم دیا، فرمایا ابوہریرہ ضرور نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکا کرو۔ اگر اس امت نے یہ کام چھوڑ دیا، برے کو برا کہنا چھوڑ دیا تو پھر برے تم پر مسلط کر دیے جائینگے اور تمہارے نیک دعائیں کرینگے لیکن دعائیں قبول نہیں ہونگی[1]۔ اس حدیث کی یہ دو چیزیں بڑی اہم ہیں، کاہے کی نیکی اگر تم حق کیساتھ کھڑے نہیں۔ یہ نبیوں کیساتھ 112 بندے کھڑے ہوئے ناں تو ایک ہی دن میں قتل کر دیے گئے لیکن آج ساڑھے تین ہزار سال بعد بھی ان 112 کا ہی ذکر ہو رہا ہے ناں جو حق کیلئے کھڑے ہوئے تھے۔ قرآن میں اس آیت کی جب تک تلاوت ہوتی رہے گی ان 112 کا ذکر ہوتا رہیگا۔ چلے گئے، ایک دن میں ہی چلے گئے لیکن اپنا کام کر گئے۔ اگر تم اپنے گھر میں بھی یہ کام نہیں کرتے، نیکی کا حکم نہیں دیتے اور برائی سے نہیں روکتے تو آپ کے گھر کے اوپر بھی ایک بندہ ایسا مسلط کر دیا جائیگا اور وہاں کے نیکوں کی دعائیں قبول نہیں ہونگی۔ اللہ اس نیکی کو نیکی نہیں کہتا جہاں برائی اور ظلم کے خلاف بات نہ ہو۔

اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

[1] الطبراني في المعجم الأوسط، 2/99، الرقم/1379

ہدایت کیلئے دل اور دماغ کا ایک لائن میں ہونا ضروری ہے (حصہ دوم)

قرآن: اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ٘-وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۔ (سورة آل عمران :22)

ترجمہ: یہ ہیں وہ جن کے عمل اکارت گئے دنیا و آخرت میں اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔

خاکہ: 1)بنی اسرائیل پر تین عذاب

2)قیامت والے دن شفاعت کرنیوالے

3)جس نے اللہ کی ایک آیت کا انکار کیا اس نے ساری آیات کا انکار کیا

4)مرشد کی بارگاہ کا ادب

5)نبی پاک ﷺ ملت ابراہیمی کے پیروکار

6)ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی

7)ہمارے فرقے میں آجاؤ تمہیں دوزخ کچھ نہیں کہے گی

8)ہدایت کیلئے دل و دماغ کا ایک لائن میں ہونا ضروری ہے

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

پہلے ہم نے اہل کتاب کی اس ہٹ دھرمی پہ بات کی تھی کہ جنکے پاس علم آ گیا تھا لیکن اسکے باوجود انہوں نے انبیاء سے جھگڑا ہی نہیں کیا بلکہ ان کو ناحق قتل بھی کیا، اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور صالحین جو کہ انکو نیکی کیطرف بلاتے تھے انکو بھی قتل کیا۔ ان تین کاموں کا قرآن کریم میں خصوصی ذکر کیا۔ ان لوگوں کیلئے اللہ نے جو تین عذاب مسلط فرمائے وہ یہ ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انکے ان اعمال کے بعد جنکا پہلے ذکر ہوا، اسکے بعد انہوں نے جو نیک اعمال کیے انکو اللہ نے دنیا میں بھی برباد کر دیا اور آخرت میں بھی۔ تیسری جو سزا انکو دی وہ یہ تھی کہ انکا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔ یعنی دنیا میں جو نیک کام کرینگے انکی تحسین نہیں ہو گی، میدان جنگ میں آئینگے تو مارے جائے گے، ذلیل ورسوا ہونگے اور انکے مال مالِ غنیمت کے طور پر لے لیے جائیں گے۔ اب انہوں نے اگر یہ سوچا تھا کہ یہ نیکی کے کام آخرت میں کوئی فائدہ دینگے تو اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ نہیں قیامت والے دن بھی کوئی اجر نہیں ہو گا۔

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ، ناصرین جو ہے یہ ناصر کی جمع ہے۔ ناصر ہوتا ہے مدد کرنیوالا اور ناصرین بہت سے مدد کرنیوالے۔ تو ان میں سے کوئی بھی انکی مدد کرنیوالا نہیں ہو گا۔ حالانکہ ہم پڑھتے ہیں ایاک نعبد و ایاک نستعین، (اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ انکی مدد نہیں کریگا بلکہ یہ فرمایا کہ قیامت والے دن کوئی بھی انکی مدد نہیں کریگا۔ یہاں مفسرین کرام نے اسکی شرح میں یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی یہ جملہ آیا ہے کہ کوئی بھی انکا مددگار نہیں ہو گا تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قیامت والے دن انکی کوئی بھی سفارش کرنیوالا نہیں ہو گا، انکی شفاعت کرنیوالا کوئی نہیں ہو گا۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَه اِلَّا بِاِذْنِہٖ، کون ہے جو اللہ کے سامنے کسی کی سفارش کرے، سوائے اسکو جسکو اللہ نے اجازت دی ہے۔ اسکا مطلب ہے کہ سفارش کرنیوالے بہت سے ہیں جنکو اجازت ہے تب ناصرین ہوا ناں۔ تو سب سے پہلے جو شفیع ہیں وہ میرے اور تمہارے آقا

و مولا محمد ﷺ ہیں، آپ ﷺ کی شفاعت کبریٰ کے بعد انبیاء کرام بھی حضورؐ کی اجازت سے سفارش کرینگے، آپ نے سنا کہ رمضان المبارک بھی سفارش کریگا، یہ قرآن بھی سفارش کریگا، علماء اور صالحین بھی سفارش کرینگے، تو سفارش کرنیوالے بہت سے ہونگے قیامت والے دن۔ نبی ﷺ نے دو ان لوگوں کا بھی ذکر کیا کہ جب جہنمیوں اور جنتیوں کی لائنیں لگی ہونگی تو ایک جہنمی آئیگا ایک جنتی کے پاس اور آکر کہے گا کہ کیا تم مجھے پہچانتے نہیں۔ تو جنتی کہے گا کہ نہیں میں تو نہیں پہچانتا۔ وہ کہے گا کہ ایک دفعہ میں نے تجھے اللہ کا بندہ سمجھ کے پانی پلایا تھا۔ تو آج یار میری سفارش ہی کر دو۔ ایک جہنمی اٹھے گا اور ایک جنتی کو کہے گا کہ میں نے تجھے ایک دن اللہ کا بندہ سمجھ کر وضو کروایا تھا میری سفارش کر دو۔ تو قرآن میں جہاں بھی یہ جملہ آئے کہ کوئی انکی مدد کرنیوالا نہیں ہوگا تو اسکا مطلب ہے کہ انکی سفارش کرنیوالا کوئی نہیں ہوگا۔ اور یہ سب سے بڑی بدبختی ہوگی ان کیلئے۔

اب یہودی تو صرف نبی پاک ﷺ کا انکار کرتے تھے باقی تو وہ قیامت کو بھی مانتے تھے، اللہ کو بھی مانتے تھے، جزا اور سزا کو بھی مانتے تھے۔ تو صرف ایک آیت کے انکار پر اللہ نے فرمایا کہ، وہ اللہ کی تمام آیات کا انکار کرتے ہیں۔ تو یہ سوال اس دور میں بھی اٹھا تھا کہ وہ تو صرف ایک آیت کا انکار کرتے ہیں لیکن اللہ نے فرمایا کہ جس نے میرے نبی کی اکیلی ذات کا انکار کیا اس نے میری تمام آیات کا انکار کیا۔ یہ عقیدہ کا مسئلہ ذہن میں رکھیں، اصل میں ایمان ہم سمجھ کہ نہیں حاصل کرتے۔ اٰمَنْتُ بِااللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ اِقْرَارٌ م بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ م بِالْقَلْبِ۔ "میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے اسماء اور اپنی صفات کے ساتھ ہے اور میں نے اس کے تمام احکام قبول کیے، زبان سے اقرار کرتے ہوئے اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے۔" بِاَسْمَآئِہٖ عقیدہ یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو تمام ناموں کیساتھ مانتا ہوں۔ اب دعا جو نبی پاک ﷺ نے سکھائی کہ یا اللہ تجھے ان ناموں کا واسطہ جو تو نے قرآن میں لکھے، تجھے ان اسماء کا واسطہ جو تو نے اپنے نبی کو سکھائے اور تجھے ان ناموں کا بھی واسطہ جو تو نے کسی کو بھی نہیں بتائے[1]۔ تو میں نے اگر اللہ کو ماننا ہے تو اسکے تمام ناموں کیساتھ ماننا ہے۔ اگر میں اسکے کسی ایک نام کا بھی انکار

[1] مکمل حوالہ: صفحہ 137

کرونگا تو عقیدہ توحید خراب ہو جائیگا۔ وَصِفَاتِهٖ میں اسکی تمام صفات کیساتھ ایمان لاتا ہوں۔ جن صفات کا مجھے علم ہے اور جن صفات کا مجھے نہیں علم۔ جنکا علم نہیں اگر علم آجائیگا تو میں ضد نہیں کرونگا بلکہ تسلیم کرلونگا۔ پچھلی آیات کیا کہہ رہی ہیں کہ علم آنے کے بعد بھی انہوں نے ضد کی۔ تو جب ایمان کے ابتدا میں ہی یہ کہوں گا وَصِفَاتِهٖ تو جس صفت کا مجھے نہیں پتہ تو اگر میرے علم میں آئیگی تو میں مان لونگا۔ اگلا جملہ آپ پڑھتے تو ہیں لیکن کبھی اس پر غور نہیں کیا وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ میں نے قبول کر لیے اسکے سارے حکم۔ اب یہاں پر جب آپ یہ کہتے ہیں ناں کہ ہم نے دنیا بھی رکھنی ہے تو اسکا مطلب ہے کہ میں نے ابتدا میں ہی ایمان حاصل نہیں کیا۔ اور پھر آخر میں ہے کہ اِقْرَارٌ م بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ م بِالْقَلْبِ ان ساری چیزوں کا میں زبان سے اقرار کر رہا ہوں اور دل سے تصدیق بھی کر رہا ہوں۔ یہ نہیں اب ہو گا کہ میرے سامنے کوئی اللہ کا حکم آئے تو میں کہوں کہ دنیا بھی رکھنی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کسی کام میں اللہ راضی ہو اور آپکے ماں باپ ناراض ہوں، ہو سکتا ہے کہ کسی کام میں اللہ کی رضا ہو لیکن آپکے بیوی بچے ناراض ہوں۔ زندگی میں ایسا تو ہو گا کہ اللہ کی رضا تو ہو لیکن آپکے دوست ناراض ہوں۔ تو اگر آپ نے سمجھ کر ایمان حاصل کیا ہو گا کہ قَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ میں نے تو پہلے دن سے ہی اسکے سارے حکموں کو مان لیا ہے، اب مجھے کسی اور کی رضا کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ عقیدہ کی تفصیل اس لیے عرض کی ہے کہ جب کبھی واجب فرض احکام کا معاملہ آجائے تو دل میں تنگی نہ ہو۔ میں نے زبان سے اسکا اقرار کر لیا ہے اور دل سے تصدیق بھی کر دی ہے، اب دل میں تنگی نہیں ہونی چاہیے کہ میں جھوٹ بولوں گا تو مجھے فائدہ ہو گا، میں بد دیانتی کرونگا تو مجھے فائدہ ہو گا۔ یہ توحید کی بات تھی۔ رسالت بھی بالکل اسی طرح ہے۔ نبی پاک ﷺ کی ذات کیساتھ آپکی تمام صفات پر ایمان لانا ہے۔ یہ آیات اللہ کی بات کر رہا ہوں۔ اگر تم نے نبی کی دس ہزار صفات کو مان لیا لیکن کسی ایک صفت کو نہیں مانا تو اللہ کہتا ہے کہ تم نے پچھلی صفات کو بھی نہیں مانا۔ ایک بندہ کہتا ہے کہ میں نبی کی تمام صفات کو مانتا ہوں لیکن صرف ایک صفت کا انکار کرتا ہوں، میں انکی ختم نبوت کو نہیں مانتا۔ باقی ساری صفات کو مانا لیکن صرف ختم نبوت کو نہ ماننے پر آپ اسے کافر کہتے ہیں ناں؟ اگر ماننا ہے تو نبی کی تمام صفات کو ماننا پڑیگا۔ باقی ساری صفات کو مان لیا لیکن اگر پیغمبر ﷺ کی شفاعت کو نہیں مانا تو قرآن کہتا ہے کہ تم نے کسی بھی صفت کو نہیں مانا۔ اسلیے توحید اور رسالت کا معاملہ کوئی معمولی نہیں ہے۔

انکی ذات کو بھی ماننا، اسماء کو بھی ماننا، صفات کو بھی ماننا اور انکے احکامات کو بھی ماننا۔ اسکو معمولی نہ سمجھا کریں کہ دیکھو جی میں نے اتنی نیکیاں بھی تو کی ہیں۔ یہ بڑا نازک معاملہ ہے۔ تو یہی یہودی کہتے تھے ناں کہ ہم تو صرف اللہ کی ایک آیت کا انکار کر رہے ہیں تو اللہ فرماتا ہے کہ جس نے میری ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس نے میری تمام آیات کا نکار کیا۔ اسلیے اگر ماننا ہے تو سارے کا سارا ماننا ہے، مکمل ماننا ہے۔

مفتی شفیع صاحب جو دیوبند مکتبہ فکر کے ہیں انہوں نے بڑی کمال کی بات لکھی اس آیت (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ[1]) کی تفسیر میں کہ جس طرح نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں آواز بلند نہیں کرنی اسی طرح مرشد کی بارگاہ میں بھی نہیں کرنی، جیسے نبی پاکؐ کی بارگاہ میں ان سے آگے نہیں بڑھنا ویسے مرشد کی بارگاہ میں بھی آگے نہیں بڑھنا۔ جیسے نبی کو اسکی تمام صفات کیساتھ ماننا ہے ویسے علی کو بھی اسکی تمام صفات کیساتھ ماننا ہے۔ اسلیے کہ میرے پیغمبر ﷺ نے آگے جو ولایت کا سلسلہ ہے وہ مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم کو عطا کیا ہے۔ تو ویسے ہی وہ سلسلہ آپکے مرشد تک آئیگا تو مرشد کی بھی ساری صفات کو ماننا ہے، یہ نہیں ہے کہ کچھ باتیں مرشد کی مان لیں اور کچھ باتیں نہیں۔ یہ مفسرین کرام نے سورۃ حجرات کی اس آیت کی شرح میں لکھا ہے۔ تو مفسرین کرام نے کہا ہے کہ وہ بدبخت آدمی ہے جسکو قیامت والے دن کوئی شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ اللہ کی بارگاہ میں جسکی کوئی بات کرنیوالا نہ ہو، وہ بڑا ہی بدبخت انسان ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰى فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ[2] "کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا کتابُ اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ وہ ان کا فیصلہ کرے پھر ان میں ایک گروہ اس سے رُو گرداں ہو کر پھر جاتا ہے"۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے سبب نزول میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہودیوں کا بہت بڑا مدرسہ تھا جہاں وہ تعلیم دیتے تھے، ایک دن پاک پیغمبر ﷺ وہاں

[1] سورۃ الحجرات: 2

[2] سورۃ آل عمران: 23

تشریف لے گئے۔ وہاں یہودیوں کے دو بڑے عالم حارث بن زید اور نعمان نے نبی پاک ﷺ سے گفتگو شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے ان کو اللہ کی دعوت انکے سامنے پیش کی، تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں مختصر یہ بتائیں کہ آپ ہمیں کس دین کی دعوت دے رہے ہیں۔ پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ میں تو ابراہیم علیہ السلام کے دین کی دعوت دے رہا ہوں اور ملت ابراہیم کی اتباع کرتا ہوں۔ (فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا) اللہ نے نبی پاک ﷺ کو یہ حکم دیا تھا کہ ملت ابراہیمی کی اتباع کرو۔ کیسا میرا بندہ تھا، حنیف، یکسوع، جو میرے علاوہ کسی طرف دیکھتا ہی نہیں تھا۔ یعنی کیا شان ہے کہ اپنے محبوب کو حکم دیا کہ ملت ابراہیمی کی اتباع کرو۔ تو جب پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ میں تو ملت ابراہیمی کی اتباع کرتا ہوں تو وہ دونوں یہودی کہنے لگے کہ ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے۔ اب میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی کتاب تورات لے آؤ۔ یدعون الی کتاب اللہ۔ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر نبی پاک ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ انکو دعوت دی کہ تم یہی کتاب لے آؤ جو پڑھا رہے ہو۔ دکھاؤ تورات میں کہاں لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ یہ جو بدبخت آج بھی کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ ان پڑھ تھے (نعوذ باللہ)۔ تو وہ مدینے کے یہودی کتاب لے آتے، انکو تو پتہ ہو گا کہ نبی پاک ﷺ کو تو پڑھنا نہیں آتا۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ جب نبی پاک ﷺ نے انکو دعوت دی کہ قرآن لے آؤ، ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ۔ تو وہ کتاب لانے سے بھاگ گئے۔ انہوں نے جرات نہیں کی میرے نبی کے سامنے تورات لانے کی۔ اسلیے میں کہتا ہوں کہ یہ عقائد قرآن سے سیکھا کریں۔ جو میرے پیغمبر ﷺ کو ان پڑھ کہتا ہے اس سے بڑا ان پڑھ اور جاہل کون ہو سکتا ہے۔ تو اس موقع پر نبی پاک ﷺ نے یہ آیت کی تلاوت فرمائی۔

اسی پارے میں آگے جا کر یہ آیت نازل ہوئی، مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا[1]۔ میرے اللہ نے فرمایا کہ۔ تم کہتے ہو کہ ہم آل ابراہیم ہیں، میرے پیغمبر ﷺ نے کیا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ میرا دین تو ملت ابراہیمی ہے۔ تم کہتے ہو کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے تو تورات لے آؤ، بھاگ گئے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ

[1] سورۃ آل عمران:67

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ وہ تو یکسوع تھے اور مسلم تھے، صرف اللہ کے سامنے جھکنے والے تھے۔ حالانکہ مسلم میں بھی وہی بات ہے لیکن لفظ حنیف نے اسے یکسوع کر دیا۔ کیا مسلمان جسکی نگاہ کبھی کسی اور طرف اٹھی نہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ[1] ہمیں تو آگ مس ہی نہیں کریگی، ہمیں دوزخ کچھ نہیں کہے گی مگر چند دن، اگر عذاب ہوا بھی تو چند دن۔ تو نبی پاک ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جتنے کرتوت بنی اسرائیل والے کرتے تھے ناں تم بھی آہستہ آہستہ انہی کرتوتوں میں چلے جاؤ گے۔ ہمارے ہاں بھی یہ فرقہ واریت کیوں پھیلی، اسلیے کہ تم اس فرقے میں آجاؤ تمہیں عذاب نہیں ہو گا۔ اس فرقے میں آجاؤ بچ جاؤ گے۔ آخرت کا عقیدہ برباد ہو گیا۔ اس ضد اور ہٹ دھرمی میں انہوں نے کیا کہا، نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ[2] ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اللہ ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہمیں اللہ نے عذاب نہیں دینا۔ آپ بھی نعت خوانوں سے یہی سنتے ہیں ناں کہ پرواہ ہی کوئی نہیں ہمیں عذاب کی۔ تو یہ جملے ان کے قرآن کریم نے لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پھر اسی آیت میں فرمایا، وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ-قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ" اور یہودی اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تم فرمادو پھر تمہیں کیوں تمہارے گناہوں پر عذاب دیتا ہے" پھر پتہ سورۃ جمعہ میں کیا فرمایا، قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ[3] " تم فرماؤ، اے یہودیو اگر تمہیں یہ گمان ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو اور لوگ نہیں تو مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو"۔ بھائی ہر کوئی اپنے محبوب سے ملنا چاہتا ہے تو تم اگر دعویٰ کرتے ہو اللہ سے محبت کا تو پھر موت کی تمنا کرو۔ پھر آگے اللہ نے فرمایا کہ یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کرینگے، کیونکہ انکو پتہ ہے اپنی کرتوتوں کا۔ وَ لَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْؕ-وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ[4] "اور یہ

---

[1] سورۃ آل عمران:24

[2] سورۃ مائدہ:18

[3] سورۃ جمعہ:6

[4] سورۃ جمعہ:7

ان (اعمال) کے سبب جو کر چکے ہیں ہر گز اس کی آرزو نہیں کریں گے۔ اور خدا ظالموں سے خوب واقف ہے "۔ انہوں نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ ہمیں عذاب جو ہو گا وہ چالیس دن کا ہو گا۔ اور اسکی دلیل وہ یہ دیتے تھے کہ جب موسیٰؑ کوہ طور پر گئے تو تھے تو پیچھے سامری نے بچھڑا اپنا لیا تھا تو وہ چالیس دن ہم نے اللہ کے علاوہ بچھڑے کو سجدہ کیا تھا تو وہ چالیس دن ہمیں عذاب ہو گا ویسے تو ہم اللہ کے محبوب ہیں۔

اِقْرَارٌ م بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ م بِالْقَلْبِ جب آپ پڑھتے ہیں ناں اهدناالصراط المستقيم تو ہدایت کیلئے دو چیزیں ہیں۔ ایک ہے آپکے ذہن کا مطمئن ہونا اور ایک ہے آپکے دل کا مطمئن ہونا۔ کبھی کسی چیز پہ ذہن مطمئن ہوتا ہے لیکن دل مطمئن نہیں ہوتا۔ اور کبھی دل مطمئن ہوتا ہے اور ذہن مطمئن نہیں ہوتا۔ تو جبتک ان دونوں میں اختلاف رہے، ذہن میں اور دل میں، کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں نا ایک جسم ہے اور ایک روح ہے، تو جبتک ان دونوں میں اختلاف رہے آپ ہدایت پر نہیں ہیں۔ ہدایت کیلئے ضروری ہے اِقْرَارٌ م بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ م بِالْقَلْبِ میرا ذہن بھی مطمئن ہو، میرا دل بھی مطمئن ہو۔ اور یہ دونوں چیزیں میرے نبیؐ کے در کے سوا اور کہیں مطمئن ہوتی ہی نہیں۔ فلسفہ والا تمہارا ذہن مطمئن کر سکتا ہے لیکن دل مطمئن نہیں کر سکتا۔ سائنس بھی تمہارے ذہن کو مطمئن کر سکتی ہے لیکن تمہارے قلب کو نہیں۔ یہ بس بارگاہِ رسالت ہے جہاں پر ذہن کو بھی اطمینان ملتا ہے اور قلب کو بھی۔ ہدایت آپکے پاس ہے ہی نہیں جبتک یہ دونوں چیزیں ایک لائن میں نہیں کھڑیں۔ جب یہ دونوں چیزیں ایک لائن میں کھڑی ہو جاتی ہیں تو آپ ہدایت پہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اسکی تشریح کیا فرمائی، صراط الذين انعمت عليهم ہدایت پہ کھڑے ہی یہی تھے جن پہ انعام ہوا تھا، جنکے دل بھی مطمئن تھے اور جنکا قلب بھی مطمئن تھا۔ جہاں شک ہوتا ہے وہاں یقین ہوتا ہی نہیں۔ آج بھی اقوام متحدہ کی رپورٹ آتی ہے تو سب سے زیادہ خودکُشیاں یورپ اور جاپان میں ہوتی ہیں۔ وہاں لوگوں کے پاس پیسہ ہے، زندگی کی تمام آسائشیں بھی ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ اگر کسی کو زندگی کی تمام آسائشیں دے دی جائیں، یعنی وہ بیمار ہے تو علاج کا انتظام کیا جائے، بے روزگار ہے تو حکومت پیسے دے تو پھر وہ کیوں خودکشی کرتا ہے؟ تو اس رپورٹ میں بھی انہوں نے یہی لکھا کہ انکے ذہن تو مطمئن تھے لیکن دل مطمئن نہیں تھے۔ اور یہ کیسی بارگاہ ہے کہ جہاں صحابہ کرام کو پورا لباس اور مناسب کھانا تو میسر

نہیں ہے لیکن دل بھی مطمئن ہے اور ذہن بھی مطمئن۔ جہاں یہ دونوں چیزیں اطمینان پاتی ہیں وہاں سے ہدایت کا پہلا قدم اٹھتا ہے۔ لیکن اگر یہ دونوں مطمئن نہیں ہیں تو پھر آپ ابھی شک میں ہیں کہ جھوٹ بولنے سے فائدہ ہو گا، بد دیانتی کرنے سے نفع ہو گا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا،

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیابِ جستجو، عشق حضور اضطراب

عقیدہ آخرت کی تباہی دین و دنیا کی تباہی ہے (حصہ سوم)

قرآن: فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ-وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (سورة آل عمران: 25)

ترجمہ: تو کیسی ہو گی جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے اس دن کے لیے جس میں شک نہیں اور ہر جان کو اس کی کمائی پوری بھر دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

خاکہ:

1) بنی اسرائیل نے انبیاء کو کیوں قتل کیا؟

2) نبوت پہلے انبیاء پر کیوں ختم نہ ہوئی؟

3) جتنی تم میں اسطاعت ہے تقویٰ اختیار کرو

4) تفرقہ پھیلانا شرک سے بھی بڑا گناہ ہے

5) دین میں دھوکہ اور اللہ پہ جھوٹ باندھنا

6) اللہ سے کسی کی کوئی رشتہ داری نہیں

7) جسکی موت پر نظر ہے اسکو ہدایت کی ضرورت ہے

8) تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمران ہیں

9) مجھے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے

اللہ رب العزت کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام معزز سامعین بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

بنی اسرائیل والوں نے انبیاء کو قتل کیا اور پھر نیک لوگوں کو قتل کیا اور اللہ کی آیات کو جھٹلایا۔ یہ سارے کام انہوں نے اس لیے کیے کہ ان کے اندر ایک بے خوفی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ کوئی چھوٹی بات تھوڑی تھی کہ انبیاء کو قتل کر دینا اور انکی جگہ جو صالحین آئے انکو قتل کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بے خوفی اس وجہ سے تھی کہ انہوں نے کہاذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ[1]، "یہ جرأت انہیں اس لیے ہوئی کہ وہ کہتے ہیں ہرگز ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دن"۔ ہم جو جی چاہے کرلیں، ہمیں آگ نہیں چھوئے گی، اگر چھوئے گی بھی تو صرف چند دن۔ یہ بات انہوں نے اس لیے کی تھی کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو بعد میں سامری نے بچھڑا بنایا اور ان لوگوں نے اسکو سجدے شروع کر دیے۔ ہارون علیہ السلام موجود تھے وہاں اور لوگوں کو منع کرتے رہے کہ دیکھو تمہیں فرعون سے نجات دلوائی ہے، تمہارے لیے بادل سایہ کرتے ہیں، من و سلویٰ اترا، اللہ نے اتنی مہربانیاں کی ہیں اور تم اس اللہ کو چھوڑ کر اس سامری کے پیچھے لگ گئے ہو۔ کچھ لوگوں نے ہارون علیہ السلام کی بات مان لی اور بچھڑے کو سجدہ نہیں کیا، کچھ نے کہا کہ ہمارے لیے سب ایک جیسے ہیں جو بچھڑے کو سجدہ کرتے ہیں وہ بھی ٹھیک ہیں ہم کیوں بُرے بنیں کسی کو کہہ کہ اور کچھ لوگ ہارون علیہ السلام کیساتھ تھے اور دوسروں کو منع کرتے تھے۔ سولہویں پارے میں تفصیل موجود ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جب آئے اور دیکھا کہ قوم بچھڑے کو سجدہ کر رہی ہے۔

اگر آپکو یاد ہو، میں نے آپکو ختم نبوت کے موقع پر کہا تھا کہ جب سب انبیاء کا مقصد ایک تھا تو پہلے نبیوں پر نبوت ختم کیوں نہ ہوئی؟ بھائی دین تو سب کا ایک ہی تھا ناں۔ سب نے اللہ کی عبادت کی بات کی اور عدل کی بات کی۔ تو اس کی بنیادی وجہ بھی یہ تھی کہ پہلے نبی جو تھے وہ جب دنیا سے چلے جاتے تھے تو قوم پھر شرک میں مبتلا ہو جاتی

---

[1] سورة آل عمران:24

تھی۔ جب عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تھے تو کیا بتاتے رہے "قال انی عبداللہ" کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اور قوم نے ابن اللہ کہہ دیا کہ اللہ کا بیٹا ہے۔ جونہی کوئی نبی پردے سے اوجل ہوتے تو امت شرک میں مبتلا ہوجاتی۔ اور یہاں تو ہارون علیہ السلام کی موجودگی میں ہی بچھڑے کو سجدے شروع کردیے۔ اور میرے اور تمہارے آقا سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت اسلیے ختم ہوئی کہ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ مجھے اب اپنی امت سے شرک کا کوئی خوف نہیں۔ ختم نبوت کے لیے یہ بھی دلیل ہے بہت بڑی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھاڈر بس شرک اصغر کا ہے کہ یہ امت حب مال اور حب جاہ میں مبتلا ہوجائیگی، باقی یہ امت شرک میں نہیں جائیگی[1]۔ بلکہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی ہر سال یہ امت جلوس نکال کر اعلان کرتی ہے کہ اللہ خالق ہے اور ہمارا نبی مخلوق ہے اسلیے ہم اپنے نبی کا میلاد مناتے ہیں۔ میلاد شرک کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ وہ یہودی تھے تو جنہوں نے عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ دیا، عیسائی تھے جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ دیا؛ ہم مسلمان اپنے پیارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی مخلوق مانتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ قوم تو بچھڑے کو سجدہ کررہی ہے تو بڑے غصہ میں آگئے۔ یہ ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ اگر کسی کا بھائی شراب پیتا ہے تو وہ اسکو منع نہیں کرتا کہ وہ ناراض ہوجائیگا۔ اگر رشوت خور ہے کسی کا بھائی تو وہ اسلیے نہیں اسکو روکتا کہ میرا بھائی ناراض نہ ہوجائے۔ بیٹی یا بہن اگر حیاء کا لباس نہیں پہنتی تو اسکو اسلیے نہیں منع کرتے کہ ناراض ہوجائیگی۔ اب یہاں قرآن کریم نے جو بات بیان فرمائی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو ہارون علیہ السلام کیساتھ مل کر لوگوں کو منع کرتے رہے کہ بچھڑے کو سجدہ نہ کرو انکو تو اللہ نے بخش دیا۔ اب جو سجدہ کرتے تھے انکو اللہ نے کہا کہ قتل کردو اور انکو قتل کون کرے؟ انکو قتل انکے وہ رشتہ دار، بہن بھائی کریں جو یہ کہتے تھے کہ ہمارے

[1] عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر تشریف لائے اور احد کے شہیدوں پر اس طرح نماز پڑھی جیسے میت پر پڑھی جاتی ہے۔ پھر منبر پر تشریف لائے اور فرمایا۔ دیکھو میں تم سے پہلے جاکر تمہارے لیے میر ساماں بنوں گا اور میں تم پر گواہ رہوں گا۔ اور قسم اللہ کی میں اس وقت اپنے حوض (کوثر) کو دیکھ رہاہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں یا (یہ فرمایا کہ) مجھے زمین کی کنجیاں دی گئی ہیں اور قسم اللہ کی مجھے اس کا ڈر نہیں کہ میرے بعد تم شرک کروگے بلکہ اس کا ڈر ہے کہ تم لوگ دنیا حاصل کرنے میں رغبت کروگے (نتیجہ یہ کہ آخرت سے غافل ہوجاؤگے)۔ صحیح بخاری:1344

لیے تو سب ایک جیسے ہیں۔ اب انکو یہ سزا دی گئی جنہوں نے تب منع نہیں کیا، اب اگر کسی کا بیٹا سجدہ کرتا تھا بچھڑے کو تو باپ اسکو قتل کرے۔ جو جس کا قریبی ہے وہ اسکو قتل کرے۔ یعنی یہ حکم اتنا سخت ہے، اسلیے قرآن کریم میں فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ "تو اللہ سے ڈرو جہاں تک تم سے ہو سکے "اتنا تو تقویٰ اختیار کرو ناں جتنی تم میں استطاعت ہے۔ اتنی تو غیرت کھاؤ اللہ کے نام پر، یہ تو کوئی بات نہیں کہ تمہارے سامنے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی بے حرمتی ہوتی رہے اور تم کہو کہ لوگ نہ ناراض ہو جائیں۔ فطرت کا قانون میں نے آپکو کئی دفعہ بتایا ہے کہ اگر آپ کسی بندے کی خاطر اللہ کو ناراض کرینگے تو اس بندے کے ہاتھوں ذلیل ضرور ہونگے۔ یہ قانون قدرت ہے پھر آپ کہتے ہیں کہ دیکھو جی یہ بندے نے چوری کی، میں نے اسکو چھڑوایا اور آج یہی میرے خلاف ہو گیا۔ بھائی یہی قانون ہے قدرت کا کہ تم نے اللہ کے دشمنوں کی مدد کیوں کی۔ بھائی تم نے اللہ کیساتھ کھڑے ہونا تھا یا اللہ کے دشمن کیساتھ؟ ہمارا معاشرہ اسی کام میں پھنسا ہوا ہے کہ ہم لوگوں کی ناراضگی سے بچنے کیلیے اللہ کو ناراض کر رہے ہیں۔ اگر کسی بندے نے اپنی بیوی کے کہنے پر اپنی ماں کو گالیاں دیں تو وہ بندہ پھر اپنی بیوی کے ہاتھوں ذلیل ضرور ہو گا۔ کیونکہ ماں باپ کی فرمانبرداری کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ جو بندہ اللہ کے حکم کو فراموش کر کے صرف اسلیے کسی جھوٹے کا ساتھ دیتا ہے کہ یہ میرا برادری کا ہے، میرا دوست ہے، میرا بھائی ہے تو پھر اس جھوٹے کے ہاتھوں ذلیل ہوتا ہے۔ یہی میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ مظلوم کی بھی مدد کرو اور ظالم کی بھی۔ صحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ مظلوم کی تو مدد سمجھ آتی ہے لیکن یہ ظالم کی مدد کیا ہے۔ تو میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اسکو ظلم سے روک دو۔ یہ ظالم کی مدد ہے [1]۔ اگر تمہارا بھائی، دوست ظلم پر اتر آیا ہے تو جتنی تمہارے میں کاوش ہے اسکو ظلم سے روک لو۔ اور اگر تم اسکا ساتھ دو گے تو پھر اسکے ہاتھوں ذلیل ہونا تمہارا مقدر بن جائیگا۔ مت کہنا کہ

[1] انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم"، صحابہ نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے مظلوم ہونے کی صورت میں تو اس کی مدد کی لیکن ظالم ہونے کی صورت میں اس کی مدد کیسے کروں؟ آپ نے فرمایا: "اسے ظلم سے باز رکھو، اس کے لیے یہی تمہاری مدد ہے"۔ سنن ترمذی: 2255

میرا دوست بے وفا نکل آیا، میرے بیوی بچے بے وفا نکل آئے۔ نہیں، تو نے کلمہ پڑھ کے اللہ سے وفا نہیں کی، جب تو نے وفا نہیں کی تو پھر تیرے ساتھ بھی یہی معاملہ ہونا تھا۔

اب یہ نقشہ بڑا عجیب تھا؛ یہ سولہواں پارہ آپکو سنا رہا ہوں۔ آ کر جب دیکھا موسیٰ علیہ السلام نے کہ ہارون علیہ السلام تو اپنا کام کر رہے ہیں۔ ہاتھ میں وہ تختیاں جن پر تورات لکھی تھی وہ گر گئی اور ہارون علیہ السلام کو پکڑ کر مارنا شروع کر دیا۔ اب دیکھئے اللہ کے حکم کی نافرمانی دیکھ کہ بھائی کو مارنا شروع کر دیا اور بھائی بھی کوئی عام نہیں بلکہ وہ بھی نبی ہے۔ یہاں قرآن نے بڑے کمال کے جملے لکھے، قَالَ يَبْنَؤُمَّ اے میرے ماں جائے، جب موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو مارنا شروع کر دیا تو آپ نے کہا اے میرے ماں جائے۔ ماں جائے میں ویسے ہی ایک محبت کا عنصر ہے۔ ماں کا نام لیا کہ غصہ ٹھنڈا ہو جائے موسیٰ علیہ السلام کا۔ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَ لَا بِرَأْسِيْ "میری داڑھی اور میرے سر کے بال نہ پکڑو" موسیٰ علیہ السلام کے غصہ کا اندازہ کریں آپ۔ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ [1] "بیشک مجھے ڈر تھا کہ تم کہو گے کہ (اے ہارون!) تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور تم نے میری بات کا انتظار نہ کیا۔" ہارون علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میں بھی فتویٰ دے سکتا تھا کہ یہ کافر ہو گئے جنہوں نے سجدہ کیا بچھڑے کو اور انکو قتل کرنے کا حکم دے سکتا تھا، لیکن مجھے ڈر تھا کہ آپ آ کر کہیں گے کہ تو نے میری قوم میں تفرقہ ڈال دیا اور انکو تقسیم کر دیا اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔ یہاں مفسرین کہتے ہیں کہ رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اللہ کے نبیؑ نے بچھڑے کا سجدہ برداشت کر لیا لیکن تفرقہ برداشت نہیں کیا۔ اسلیے مفسرین کرام نے یہاں پہ لکھا ہے کہ جو شخص تفرقہ پھیلاتا ہے وہ شرک سے بڑا جرم کرتا ہے۔

تو یہ آیت کا حصہ رہ گیا تھا، بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمیں عذاب ملا بھی تو صرف چند دن، وہ بھی جتنے دن ہم نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ وہ چالیس دن بس ہمیں عذاب ہو گا اور اسکے علاوہ کچھ نہیں۔ اللہ انکی اس حرکت پہ کیا

---

[1] سورۃ طٰہٰ:94

فرمارہاہے، وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ[1] " اور ان کے دین میں انہیں فریب دیا اس جھوٹ نے جو باندھتے تھے" ۔انکے دین نے انکو دھوکے میں ڈال دیا، یہ جو انہوں نے اللہ پہ افترا باندھی کہ ہمیں اللہ عذاب نہیں دیگا، اگر دیگا بھی توچند دن۔ قرآن ہمیں اس منزل پہ لیکر آرہاہے کہ اگر کسی قوم سے آخرت کا تصور ختم ہو جائے، انہوں نے انبیاء کو قتل کیا، صالحین کو قتل کیا، اللہ کی آیات کو جھٹلایا، اتنے بڑے بڑے جرم کیوں کیے؟ اسلیے کہ انکے ذہن سے آخرت کا تصور ختم ہو گیا تھا کہ ہمیں کونسا عذاب ہوناہے۔ ہمیں کونسا کسی نے پوچھناہے، ہم تو بخشے ہوئے ہیں۔ اور اللہ کیا فرما رہاہے کہ یہ انہوں نے اللہ پر تہمت لگائی (مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ) یعنی دین میں بھی انہوں نے دھوکہ کھایا (وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ) کہ اللہ پر انہوں نے افترا باندھ دی۔ اسکی دو وجوہات بیان ہوئیں ہیں، ایک تو وہ کہتے تھے، نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ[2] "ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں" اسلیے ہم چوریاں کریں، ڈکیتیاں کریں ہمیں تو اللہ نے نہیں پوچھنا۔ ہم جو چاہے فساد برپا کریں، ہمیں کون پوچھنے والا۔ دوسری بات وہ کہتے تھے کہ اللہ نے بنی اسرائیل سے شادی کی ہے، یہ جو تہمت ہے اللہ پہ اس میں ایک تہمت یہ بھی شامل ہے۔ یہود کہتے تھے کہ نعوذ باللہ بنی اسرائیل اللہ کی بیوی ہے۔ اور یہ مثال دیتے تھے کہ بندہ سب کچھ برداشت کرلیتا لیکن اپنی بیوی کی عزت پہ حرف نہیں آنے دیتا، اسلیے ہمیں اللہ نے عذاب نہیں دینا۔

اب جب ہارون علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ اے میرے ماں جائے، میری داڑھی اور سر کے بال نہ کھینچ، میں تو اس بات سے ڈر گیا تھا کہ کہیں موسیٰ علیہ السلام یہ نہ کہیں کہ تو نے میری قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور میرے حکم کا انتظار نہیں کیا۔ اب تفرقہ ڈالنا دیکھو کتنا بڑا جرم ہے۔ اسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب تمہارے اندر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ میں تو فلاں فرقے سے ہوں، میں بخشیا بخشایہ ہوں۔ میں سُنی ہوں مجھے کیا کسی نے پوچھنا، میں شیعہ ہوں مجھے کوئی نہیں پوچھنے والا، میں اہل حدیث ہوں میں بخشیا ہوں۔ میں فلاں پیر کا مرید ہوں، مجھے کیا کسی نے پوچھنا۔ یہ سارے احساسات پیدا ہی تب ہوئے جب عقیدہ آخرت برباد ہو گیا۔ خدا کے سامنے جو جواب دہی کا تصور تھا وہ ختم

[1] سورۃ آل عمران:24

[2] سورۃ مائدہ:18

ہو گیا۔ اور اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے انبیاء کو ناحق قتل کر دیا، انکے جو جانشین تھے انکو قتل کر دیا اور اللہ کی آیات کو جھٹلایا۔ یہ ہم نے 1994 میں اس تحریک کا آغاز بھی اسی لیے کیا تھا کہ جب کچھ فرقے کے لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ دوسرے فرقے کا مال ہمارے لیے حلال ہے، انکی عزتیں حلال ہیں؛ میں نے اس وقت بھی یہ کہا تھا کہ کسی فرقے میں جانے سے تم نہیں بخشے جاؤ گے۔ یہ مت خیال کرنا۔ جب اللہ فرماتا ہے نا، لم یلد ولم یولد۔ اللہ کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں۔

میری زندگی کا جو سفر ہے، اسکی آخری منزل کا نام موت ہے۔ اور جس بندے کی نگاہ اس پردے کے پیچھے موت پہ چلی جاتی ہے اسکو نبی کی بھی ضرورت ہے، اسکو قرآن کی بھی ضرورت ہے، اسکو مرشد کی بھی ضرورت ہے۔ اس راستے میں جتنی رکاوٹیں ہیں: شیطان بیٹھا ہوا ہے، شر نفس بیٹھا ہوا ہے۔۔ مثلاً انسان کو کیوں ضرورت ہے قرآن کی ؟، توحید کی ضرورت کیوں ہے ؟، رسالت کی ضرورت کیوں ہے ؟ اسلیے کہ میری جبلت میں بے حیائی بھی ہے اور حیاء بھی ہے۔ بھائی روزے کس لیے رکھے تھے ؟ اسلیے کہ بے حیائی والی بھوک پہ کنٹرول آجائے اور بندہ حیاء والا بن جائے۔ negative forces جو ہیں وہ مغلوب آجائیں اور positive forces جو ہیں وہ غالب آجائیں۔ قوت شہوانیہ تو انسان کے اندر ہے لیکن وہ بے حیائی والی بھوک پہ کنٹرول کریگا تو حیاء والا بن جائیگا۔ اگر قوت غضبیہ پہ کنٹرول کریگا تو بہادر ہو گا ورنہ بدکردار ہو گا۔ اگر عقل کی مکاری پہ قابو پالیگا تو حکمت والا دانا ہو گا۔

مجھے ڈر لگتا ہے جب میں یہ روایت پڑھتا ہوں کہ جب پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دیا تو بدکردار حکمران تمہارے اوپر مسلط کر دیے جائینگے۔ اس سے اگلا جملہ اس سے بھی خطرناک ہے کہ بدکردار تمہارے اوپر مسلط کر دیے جائینگے اور تمہارے نیکوں کی دعائیں قبول نہیں ہونگی۔ اس میں ہم سب نے حصہ ڈالا ہے۔ اور یہ میرے پیغمبر ﷺ کا عظیم جملہ کہ اعمالکم و عمالکم، لوگوں تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمران ہیں۔ اپنے اعمال پہ غور کرو کہ میں اپنے ہمسایہ کا کتنا خیال رکھتا ہوں، میں اپنے بھائی کا کتنا خیال

رکھتاہوں، میں ملاوٹ تو نہیں کرتا، میں جھوٹ تو نہیں بولتا، میں کسی کا حق تو نہیں مارتا، اس قوم کو اجتماعی توبہ کی ضرورت ہے۔

یہ آیت ہمیں کیا سبق دے رہی ہے کہ اس بندے کو دین میں بھی دھوکا ہوگا جس کا آخرت پر یقین نہیں ہے۔ تم نام لیتے رہوگے کہ ہم دین پہ عمل کررہے ہیں لیکن وہ بندہ دھوکہ میں ہے (وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ)۔ تو اس دھوکے میں کبھی نہیں پڑنا، میں نے جو اعمال کیے ہیں میں نے اسکا حساب دیناہے۔ ایک اللہ تعالیٰ نے خاص مہربانی اس امت پہ کی ہے، مثلاً میں نے نماز پڑھنی ہے، میں نیت کرتاہوں کہ میں محکم اور کامل نماز پڑھونگا۔ کوئی وسوسہ نہیں آنے دونگا، خیال اِدھر اُدھر نہیں جانے دونگا۔ میں صرف اپنے اللہ سے گفتگو کرونگا۔ اب میں نے یہ پکا ارادہ کرلیا کہ میں نماز پڑھونگا تو کامل نماز پڑھونگا۔ لیکن جونہی نماز شروع کی تو بچے کی رونے کی آواز آنے لگ گئی دھیان ادھر ادھر ہوگیا۔ اب مہربانی دیکھئے اللہ کی، اللہ فرماتا ہے کہ یہ جو عمل تجھ سے سہی نہیں ناہوا، توجہ ادھر ادھر ہوگئی، کامل نماز نہیں پڑھی گئی، اب ہم اس کمی بیشی والی نماز کو دیکھ کے ثواب نہیں دینگے بلکہ تیری نیت کو دیکھ کے ثواب دینگے۔ انما الاعمال بالنیات۔ بھائی نیت تو ہم ٹھیک کرسکتے ہیں ناکہ ہم کسی کو دکھ نہیں دینگے۔ یہ کمال مہربانی ہے اللہ کی کہ اگر میرے سے روزہ ٹھیک نہیں رکھا گیا، ماں باپ کی خدمت میں صحیح نہیں کرسکا لیکن میری نیت ٹھیک تھی تو اللہ فرماتاہے کہ میں اب ثواب عملوں کو دیکھ کر نہیں دونگا بلکہ نیتوں کو دیکھ کر دونگا۔ نیت کیاہے کہ میں جو کام کرونگا وہ اپنے اللہ کی رضا کیلئے کرونگا۔

اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

معبود اگر محبوب نہ ہو تو عبادت باطل ہے

قرآن: فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا(النساء:65)

ترجمہ: " پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرمادیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔"

خاکہ:-

1) تعارف
2) واصف علی واصف صاحب کا جملہ
3) اشفاق صاحب کا واقعہ
4) ابلیس کیوں مردود ہوا؟
5) نبی کے فیصلہ کے خلاف دل میں بھی گھٹن نہیں رکھنی
6) اباجی کی خدمت کرنا
7) سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا واقعہ
8) غصہ نہیں آنا چاہیے
9) خلیفہ کا اعلان
10) حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ
11) پسر ور مکان بنانے کا واقعہ
12) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کیوں محبوب ہوگئے؟

اللہ کی حمد و ثناء اور پاک پیغمبر ﷺ پر ہدیہ درود و سلام پیش کرنے کے بعد نہایت ہی واجب الاحترام سامعین، بزرگو، دوستو اور عزیز بھائیو!

السلام علیکم!

آج یہ جو پانچویں پارے سے آیہ مبارکہ تلاوت کی ہے وہ خاص مقصد کیلئے ہے۔ وہ مقصد یہ تھا کہ عبادت تو ابلیس نے بھی کی اور فرشتوں نے بھی کی لیکن ابلیس کی عبادت قبول نہیں ہوئی۔ رد کر دیا گیا، نہ کوئی سجدہ کام آیا، نہ کوئی تسبیح و تحلیل کام آئی۔ یہ ایک نازک مرحلہ ہوتا ہے، جسکی ہر انسان کو سمجھ ہونی چاہیے۔ ایک بندہ ساری زندگی اپنے باپ کی خدمت کرے اور آخر میں رد کر دیا جائے۔ ساری زندگی مرشد کی خدمت کرے، کھانے پکائے، سفر کرے اور آخر میں مردود ہو جائے۔ پاک پیغمبر ﷺ کے پیچھے نمازیں پڑھے، صدقہ و خیرات کرے، جہاد میں حصہ لے اور اللہ دُدکار دے۔ کتنا نازک مرحلہ ہے۔

واصف علی واصف صاحب نے ایک جملہ کہا تھا کہ ابلیس کا معبود تو تھا لیکن محبوب نہیں تھا۔ تو جسکا محبوب نہ ہو اسکی ساری عبادتیں رد کر دی جاتی ہیں۔ باپ کو باپ نہیں بنانا بلکہ محبوب بنانا ہے۔ مرشد کو مرشد نہیں بنانا بلکہ محبوب دیکھنا ہے۔ اچھا یہ محبوب کون ہوتا ہے؟ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ابلیس اتنی عبادت کرتا تھا کہ فرشتے اس سے دعا کروایا کرتے تھے۔ انکو منبر پہ بیٹھ کے درس دیا کرتا تھا۔

اسکا حل اشفاق صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرا نواسا چھوٹا سا تھا تو پوچھتا ہے کہ نانا جی محبوب کون ہوتا ہے؟ کہنے لگے کہ بچہ تھا چھوٹا تو میں اسکو کیا جواب دیتا۔ کیا سمجھاتا کہ محبت کے اتنے درجے ہیں اور عشق کی اتنی منزلیں ہیں۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں اسکو کیا جواب دوں۔ میں نے اپنی بیوی بانو قدسیہ سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ اس کا جواب تو میرے پاس بھی نہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ چلا کہ کہیں ایک کٹیا میں فقیر رہتا ہے، وہ اس بات کا جواب دیگا۔ کہنے لگے کہ ہم دونوں میاں بیوی وہاں چلے گئے۔ ایک درویش کٹیا میں بیٹھا ہوا تھا، پاس کوئی دو چار بندے۔ کہنے لگے کہ میں تو ابھی جوتے کہ تسمے ہی کھول رہا تھا کہ بانو جو ہے وہ واپس بھی پلٹ آئی، کٹیا سے ہو کر۔ میں

نے کہا کہ سوال کا جواب؟ اس نے کہا کہ ہاں مل گیا، آؤ چلیں۔ میں نے کہا کہ اتنی جلدی، بانو نے کہا کہ ہاں درویش نے کہا ہے کہ محبوب وہ ہوتا ہے جس کی بات کا غصہ نہ آئے۔ اوہ بھائی، جسکا غصہ آئے وہ محبوب نہیں ہوتا۔ اب یہ بات چاہے کسی بچے کو سمجھالو، چاہے کسی فلاسفر کو سمجھالو۔ اس میں کتابیں لکھ لو یا ایک جملے سے گزارا کر لو۔

ابلیس کیوں مردود ہوا؟ اس نے محبوب کی بات کا غصہ کیا۔ جب مالک نے کہا نا کہ سجدہ کر، تو اس نے اس بات پہ غصہ کیا۔ تو جو غصہ کرے اسکی عبادتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ وہ مردود ہو جاتا ہے۔ اس کے پلّے کچھ نہیں بچتا۔ ویسے بڑی عجیب بحث ہے، مفسرین نے لکھی ہے کہ گھٹ تے فرشتیاں وی نئیں سی کیتی۔ بڑے سخت جملے کہے تھے۔ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ[1]، تیری تسبیح کیلئے، تیری حمد کیلئے ہم کافی ہیں۔مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ[1]، یہ زمین پہ فساد کریگا اور خون بہائے گا۔ بھائی بہت برا بھلا کہا تھا انسان کو، فرشتوں نے۔ لیکن پھر وہ محبوب کیسے ہو گئے۔ یہ بحث بھی بڑی عجیب ہے۔ بھائی باتیں تو بڑی کیں تھی۔ لیکن جب حکم آگیا، اللہ نے انکے سوالات کے کوئی تفصیلی جواب نہیں دیے۔ بس ایک جملہ کہا کہ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ[1]، جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ جو مالک نے فیصلہ کیا ہے نا اسکو تم نہیں جانتے۔ اب آگے سے انہوں نے غصہ نہیں کیا۔قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ[2]، یا اللہ تو پاک ہے، واقعی ہمیں علم نہیں ہے۔ تو جو مالک کے سامنے اس سٹیج پہ آجائے کہ مالک بہتر جانتا ہے اور میں نہیں جانتا، تو وہی اَصل میں مالک کو محبوب بھی سمجھتا ہے۔ ویسے یہ بات ہے بھی بڑی مشکل، کہ پہلے برا بھلا کہا ہو اور پھر سجدہ کرنا پڑ جائے۔ یہ کوئی آسان نہیں تھا کہ جسکو پہلے فسادی کہا تھا، خون بہانے والا کہا تھا اور پتہ نہیں کیا کیا کہا تھا، لیکن پھر سجدہ کیوں کیا؟ کیوں کہ انکا معبود، محبوب بھی تھا۔ بھائی انسان فساد کرتا ہے نا، خون بہاتا ہے نا، لیکن محبوب ہے نا مالک، مالک کہتا ہے تو ٹھیک ہے۔

یہ آیت بھی میں نے اسی لیے پڑھی ہے کہ جن لوگوں نے صرف نبی سمجھا، وہ کسی منزل پہ نہیں پہنچے، جب تک رسول کو محبوب نہیں بنایا۔فَلَا وَ رَبِّكَ تیرے رب کی قسم لَا يُؤْمِنُوْنَ یہ ایمان والے نہیں ہو سکتے۔حَتّٰى

---

[1] سورۃ البقرۃ:30

[2] سورۃ البقرۃ:32

يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ جب تک یہ اپنے جھگڑوں کے فیصلے آپ سے نہیں کرواتے۔ فیصلہ کروا کے بھی مومن نہیں ہے۔ میرا محبوب فیصلہ کر دے ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ اور اگر کوئی فیصلے کے خلاف دل میں گھٹن محسوس کرے۔ ہاں یہ قرآن ہے، انکار صرف زبان سے ہی نہیں، ابلیس نے تو زبان سے ہی کر دیا نا۔ قرآن نے کہا کہ اگر میرے نبی کے حکم پہ دل میں بھی گھٹن محسوس کرے، تو اس نے نبی کو محبوب بنایا ہی نہیں۔ تو وہ ایمان والا ہی نہیں۔ اس لیے ہمارے مفسرین کرام نے یہ لکھا ہے کہ منافق ہوتا ہی وہ ہے جو زبان سے تو کہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور دل سے فیصلوں کے خلاف نفرت کرے۔ دل میں گھٹن محسوس کرے۔ فیصلے پہ غصہ آیا تھا نا، نبی مانتا تھا، رسول مانتا تھا، نمازیں بھی پڑھتا تھا۔ بس بات اتنی سی ہوئی کہ اللہ کے رسول نے فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا، تو کہنے لگا کہ ہم فیصلہ عمر سے کروائیں گے۔ حضرت عمر نے اسکا سر قلم کر دیا۔ قبیلے والے آگئے کہ عمر نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا ہے، ہمیں قصاص چاہیے۔ ہم عمر کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا نہیں، یہ جھوٹ بولتے ہیں، جو نبی کے فیصلے پہ غصہ کرے، وہ مومن ہوتا ہی نہیں۔ غلط کہتے ہیں کہ عمر نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے۔

ایک دن ایک بچہ میرے پاس آگیا اور کہنے لگا کہ میں جی ابا جی کی بڑی خدمت کرتا ہوں، فروٹ بھی لاتا ہوں، گوشت بھی لاتا ہوں لیکن ابا جی کوئی میرے سے خوش نہیں۔ میں نے اس سے یہ بات کہی کہ باپ تو سارے بنا لیتے ہیں، کبھی محبوب بنا کہ بھی دیکھو۔ جے ابا پُچھے کہ کتھے چلاں ویں تے تُو اگوں غصہ کریں تے تُو ابا تے بنایا اے پر محبوب نئیں بنایا۔ تینوں فیض کتھوں ملے۔ یہ خدمت تو ابلیس نے بھی کی تھی۔ اوہ یہ خدمت تو منافقین بھی کرتے تھے۔ یہ اس راستے کی اہم بات تھی جو میں نے آپ تک آج عرض کرنی تھی۔ توحید کا تعلق بھی جب تک محبوب کا نہ ہو، آپکو عبادتیں فائدہ نہیں دیتی۔ رسالت کا تعلق بھی اگر محبوب والا نہیں تو کوئی فائدہ نہیں۔ استاذ کے ساتھ آپ کا تعلق محبوب والا نہیں تو آپکو استاذ بھی فیض نہیں دے سکتا۔ باپ کے ساتھ تعلق محبوب والا نہیں۔۔ اب ہم اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں، کتنے لوگ ہیں جنکا باپ انکا محبوب ہے۔ کتنے لوگ ہیں، جنکو غصہ آتا ہے اور کتنوں کو نہیں آتا؟ اگر باپ کی بات پہ غصہ آئے تو پھر باپ تو ہے لیکن محبوب نہیں۔ اور اگر بیوی اپنے خاوند کو محبوب نہ بنائے تو اس گھر سے فساد ختم نہیں ہو سکتا۔ کیا فرمایا تھا پاک پیغمبر ﷺ نے کہ اگر اللہ کے علاوہ سجدے کی اجازت

ہوتی تو بیوی اپنے خاوند کو سجدہ کرتی[1]۔ کیا محبوب بنانے کیلئے یہ جملہ کافی نہیں تھا؟ کیوں ہمارے گھروں سے فساد ختم نہیں ہوتا؟ یہ جملہ کس نے فرمایا تھا؟ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا تھا۔ اگر ہم نے بھی یہ جملہ سمجھا ہوتا میری ماؤں، بہنوں، بیٹیوں نے، تو کیا فساد کرتیں؟ کبھی نہ کرتیں۔ انہوں نے خاوند تو بنا لیے لیکن محبوب نہ بنائے۔

یہ آجکل ایامِ فاطمیہ بھی ہیں، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت کے دن ہیں۔ پاک پیغمبر ﷺ حضرت فاطمہ کو لینے کے لیے گئے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ سیدہ فاطمہ نے پوچھا کہ یہ نبی کا حکم ہے یا باپ کا حکم ہے؟ ویسے یہ معاملہ بڑا مشکل ہوتا ہے۔ میرے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوتا تھا کہ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ باپ بھی تھے اور مرشد بھی۔ باپ کے درجے میں کیا کچھ کرنا ہے اور مرشد کے درجے میں کیا کچھ کرنا ہے، یہ بڑے مشکل فیصلے ہوتے ہیں۔ تو سیدہ پاک نے بھی پوچھا کہ آپ بحیثیتِ نبی حکم دے رہے ہیں یا بحیثیتِ باپ؟ تو سرکار ﷺ نے فرمایا کہ بحیثیتِ باپ تجھے لینے آیا ہوں۔ تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر بحیثیتِ باپ حکم ہے تو میرا خاوند علی گھر پہ نہیں ہے۔ تو بھائی یہ جو سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس جنت کی سرداری ہے، یہ اسلیے ہے کہ آپ نے اپنے خاوند کو اپنا محبوب بنایا ہے۔ اگر باپ کا حکم ہے تو میں اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے باپ کیساتھ نہیں جاسکتی۔ کتنی میری ماؤں، بہنوں بیٹیوں نے اس سے سبق سیکھا ہے۔ تو کیسے ہمارے گھروں میں امن و سکون آئے۔ تو میرے سرکار ﷺ آلتی پالتی مار کے ادھر فرش پہ بیٹھ گئے۔ اتنے میں سرکار مولا علی آگئے، پوچھا سرکار آپ نیچے بیٹھے ہیں۔ فرمایا کہ میں فاطمہ کو لینے آیا تھا۔ یا رسول اللہ ﷺ لے جائیں۔ فرمایا یہ نہیں مانتی، کہتی ہے کہ میں نے علی کی اجازت کے بغیر نہیں جانا۔ کتنے لوگوں نے اپنی بچیوں کی یہ تربیت کر کے انکو رخصت کیا ہے۔ یہ بتا کہ بھیجا ہے کہ جنت کی سرداری سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے پاس ہے اور انکا پروٹوکول کتنے لوگوں

[1] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے“ سنن ترمذی:1159

نے بتایا ہے کہ تمام اہلِ محشر گردن نیچی کرلیں کہ فاطمہ الزہرا گزرنے لگی ہیں[1]۔ انکے لیے احکام بھی اور تھے، سورۃ نور کی آخری آیات ہیں لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا[2]۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو ناویسے اللہ کے رسول ﷺ کو نہ پکارا کرو بلکہ یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ ایسے پکارا کرو۔ اسی لیے آپ جتنی بھی احادیث پڑھیں گے تو صحابہ کرام یا رسول اللہ اور یا حبیب اللہ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ آیت چونکہ نازل ہوگئی تو سرکار جب گھر تشریف لے گئے تو سیدہ پاک نے بھی یا رسول اللہ کہہ کر مخاطب کیا۔ تو میرے پاک پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ! یہ آیت تیرے لیے تو نہیں اتری۔ تو جب مجھے ابی کہہ کر پکارتی ہے تو تجھے پتہ ہے کہ تیرا خدا کتنا خوش ہوتا ہے اور تیرا رسول کتنا خوش ہوتا ہے! یہ وہ ہستی ہیں کہ ساری کائنات کے لیے آیت کا مفہوم اور ہے اور فاطمہ کیلئے اور ہے۔ تجھے اجازت ہے تو مجھے باپ کہہ کر پکارا کر، یہ آیت تیرے لیے نہیں اتری۔ لیکن چونکہ حکم تھا کہ مرد کیلئے سب سے زیادہ حق اسکے ماں باپ کا ہے اور عورت کیلئے سب سے بڑا حق اسکے خاوند کا ہے۔ وہ خاوند کی اجازت کے بغیر ماں باپ کے ساتھ بھی نہیں جاسکتی۔ تو عمل کرکے دکھایا۔ یہ میں بتارہا ہوں کہ اگر ایک عورت اپنے خاوند کو محبوب بنالے گی تو محبوب تو ہوتا ہی وہ ہے جسکی بات کا غصہ نہ لگے۔ اگر غصہ لگے تو پھر محبوب نہیں ہوتا۔

اُستاذ کے ساتھ بھی یہی تعلق رکھیں۔ بات سمجھ میں نہ آئے تو فرشتوں کیطرح کہہ دیں کہ ہمیں علم نہیں۔ بھائی فرشتے بُرا بھلا کہہ کر بھی مقرب ہوگئے کیونکہ انہوں نے کہا کہ مالک صحیح کہتا ہے، ہمارے پاس علم نہیں۔ تو اگر یہ کہیں کہ باپ کو کیا پتہ ہے۔ باپ یہ پوچھ لے کہ اتنی رات کو کہاں سے آیا ہے اور اس بات کا غصہ لگے تو اس نے کیا فیض لینا۔ غصہ نہیں آنا چاہیے، نہ اللہ کیساتھ، نہ پاک پیغمبر ﷺ کیساتھ، یہ جتنے بھی رشتے ہیں، اگر میں ان رشتوں کو فرداً فرداً بیان کرونگا تو ظاہر ہے کہ بہت لمبا وقت چاہیے۔

---

[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن ایک نداء دینے والا پردے کے پیچھے سے آواز دے گا: اے اھلِ محشر! اپنی نگاہیں جھکالو تاکہ فاطمہ بنت محمد ﷺ گزر جائیں۔" الحاکم في المستدرک، 3/ 166، الرقم: 4728

[2] سورۃ النور: 63

اچھا یہ بات بھی آپکو بتادوں کہ پوری تاریخِ قرآن میں، یہ بڑی عجیب بات ہے، حالانکہ اللہ کو پہلے ہی پتہ تھا کہ ابلیس نے سجدہ نہیں کرنا، اللہ علیم ہے، اللہ کو پتہ تھا کہ یہ مجھے کیا سمجھتا ہے، لیکن ظاہر کیا خلیفے کا اعلان کر کے، اس سے پہلے ظاہر نہیں کیا۔ یہ مجھے معبود سمجھتا ہے یا محبوب سمجھتا ہے؟ اعلان خلیفے کا کیا تو پتہ چل گیا کہ کون معبود سمجھتا ہے اور کون محبوب سمجھتا ہے۔ سرکار عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ جو بڑا درجہ لکھا جاتا ہے نا، صحابہ میں ایک ممتاز مقام ہے، اسکی بھی وجہ پتہ کیا لکھی گئی ہے؟ اسکی ایک وجہ یہ بھی لکھی گئی ہے، مسند امام احمد میں، جب پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مولا علی کا ہاتھ بلند کیا اور فرمایا اللہ مولائی، اللہ میرا مولا ہے و انا مولکم اور میں تمہارا مولا ہوں من کنت مولا فھذا علی مولا جس کا میں مولا، اسکا علی مولا۔ تو جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کیا تو جس نے سب سے پہلے محبوب کی بات کی تصدیق کی وہ عمرِ فاروق تھا۔ سب سے پہلے اٹھ کے کہا کہ علی آج کے بعد تو میرا بھی مولا ہے۔ خارجیوں نے کہا ان الحکم الا للہ، حکم تو بس اللہ کا ہے۔ خارجی مولا علی کے خلاف ہو گئے، نہروان میں جنگ کی۔ مولا علی نے فرمایا کہ آیت تو صحیح پڑھتے ہو لیکن معنیٰ غلط لیتے ہو، حکم تو اللہ کا ہی چلتا ہے لیکن اللہ کوئی آسمانوں سے خود آ کر حکم تو نہیں نہ دیتا، وہ حکم جب بھی دیتا ہے تو اپنے خلیفے کے ذریعے سے ہی دیتا۔ اوہ بھائی حکم تو اللہ کا ہی چلتا ہے لیکن اسکا حکم دیگا کون؟ جو بات میں نے ابتدا میں کی، مرشد کون ہے؟ جو اللہ کا حکم دے تمہیں اور ہمارے سلسلے میں تو یہ ہے بھی بڑی سختی۔ حضرت صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ہم اپنی طرف سے خلیفہ کا اعلان نہیں کر سکتے، جب تک ہمیں اوپر سے حکم نہ آئے۔ تو مرشد کو محبوب کون سمجھتا ہے؟

بھائی صوفی اقبال صاحب، حضرت صاحب نے خلافت سے نوازا تو سرکار اس دن بھی دیکھ رہے تھے کہ کون مجھے محبوب سمجھتا ہے؟ کس کو میرا یہ فیصلہ منظور ہے اور کس کو میرے فیصلے پہ غصہ آ رہا ہے۔ حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اعظم مجھے اسلیے اچھا لگتا کہ جب میں نے اعلان کیا تھا تو سب سے پہلے اعظم صاحب نے اٹھ کے مبارک بعد دی تھی۔ یہ بات اس لیے کر رہا ہوں کہ اگر آپ نے استاذ سے، باپ سے، مرشد سے فیض لینا ہے تو جب تک انکے فیصلوں کے خلاف آپکے دل میں گھٹن ہے، تب تک آپکو فیض نہیں مل سکتا۔ محبوب ماننا پڑیگا۔ مجھے بھی آزمایا گیا۔ ایک حضرت صاحب کے رازدار نے آ کر مجھ سے کہا کہ دیکھئے کہ یہ کیا کر دیا حضرت صاحب نے۔ دیکھئے

قرآن کریم میں حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر جو ہے وہ بیان فرمایا ہے۔ بس زندگی میں یہ بات ضرور یاد رکھنا۔ مفسرین نے دو روایات لکھی ہیں اس بارے میں۔ ایک تو یہ کہ ابلیس نے ایک آکر کہا تھا کہ مولا اتنی بیویاں ہیں، نوکر چاکر ہیں، مال مویشی ہیں تو تیرا شکر نہ کرے تو اور کیا کرے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ میں سب کچھ چھین بھی لوں تو پھر بھی میرا شکر گزار بندہ ہے۔ تو ابلیس نے کہا کہ کچھ دن کیلئے مجھے طاقت دے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کی آل اولاد ایک چھت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھی تو چھت گری اور سارے بچے مارے گئے۔ ابھی اس چھت کے نیچے سے بچوں کے لاشیں نکال ہی رہے تھے تو مویشی چرانے والے آئے اور کہنے لگے کہ دریا سارے مویشی بہا کے لے گیا۔ ابھی اس صدمے سے نہیں نکلے تھے کہ کھیتیوں سے ملازم آگئے اور کہنے لگے کہ آگ لگی اور ساری کھیتیاں جل گئیں۔ اور اللہ کا نبی بڑے اطمینان سے بیٹھا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[1] چہرے پہ اطمینان ہے، وہ جو قریبی تھا نا، رازدار تھا، اس نے کہا کہ مولا کچھ بھی نہیں بچا، یہ اطمینان؟ کمال کا جملہ، ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جو کچھ گیا ہے یہ میرا تھا ہی نہیں۔ اس نے کہا پھر بھی انسان ہے، اطمینان کیسا؟ فرمایا جو لے گیا ہے وہ پھر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن ایک دن کہہ دیا مولا کہ میں نے ہر بات پہ صبر کیا تھا لیکن اب لوگ مجھے جھٹلاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ اگر اللہ کا نبی ہوتا تو اس کے ساتھ یہ کچھ ہوتا۔ یہ جو تیری دی ہوئی نبوت کو جھٹلاتے ہیں، اس پہ صبر نہیں ہوتا۔ تو جبریل امین علیہ السلام نے آکر ایک جملہ کہا کہ اللہ پوچھ رہا ہے کہ پہلے جو تُو نے صبر کیا ہے، خود کیا ہے؟ کہا مولا معاف کر دے، تیری توفیق کیساتھ۔ مت کہنا کہ میں نے صبر کیا، میں توفیق نہ دیتا تو کیا کر لیتا۔ ہم بھی اگر امتحانوں میں سے گزرے تو اللہ کی توفیق سے، ورنہ ابلیس کے وسوسے بڑے سخت ہوتے ہیں، بڑے بڑے لوگ پھنس جاتے ہیں۔ رازدار کہنے لگا دیکھو جی حضرت صاحب نے کیا فیصلہ کر دیا اور صوفی اقبال صاحب کو خلافت دے دی، اب یہ آستانہ سمبڑیال چلا جائے گا۔ بڑے بڑے لوگوں نے اعتراض کیا۔ ہم نے کہا کہ آپ نے کہہ دیا جو کہنا تھا، مرشد کہیں گے کہ سمبڑیال جانا ہے تو ساری زندگی سمبڑیال جائیں گے۔ ہم اپنے مرشد کے فیصلے کو غلط نہیں کہتے۔ جو فیصلہ پہ غصہ کھائے نہ، اسکو نہیں پتہ کہ محبوب کیا ہوتا ہے۔

---

[1] سورۃ الرعد:28

میں نے جب پسرور مکان بنایا 2004 میں تو حضرت صاحب نے 5 اینٹیں خود رکھیں، مستری بڑا حیران ہوا۔ مٹھائی خود تقسیم کی۔ میں خود حیران تھا کہ سارے بھائی ننکل شریف اور میں پسرور۔ پھر ہر مہینے چھٹی شریف کا عرس اور محفلِ سماع کروانا۔ 11 ربیع الأول شریف کو ادھر محفل ہونی تھی لیکن 8 ربیع الأول شریف کو پسرور محفل کروانا اور ساتھ فرمانا کہ میں پیسے لیکر آیا ہوں۔ اس وقت بھی کچھ لوگوں نے مجھے کہا کہ دیکھئے کہ یہ حضرت صاحب نے کیا کِیا ہے۔ وہ دن میں نے بڑے مشکل گزارے 2010 تک، لیکن یہ مشکل اس لیے کٹ گئی کہ محبوب نے جو فیصلہ کیا ہے وہ درست کیا ہے۔ اگر انکی مرضی ہے کہ میں اُدھر رہوں تو میں کون ہوتا ہوں کہنے والا کہ میں نے اِدھر ہی رہنا ہے۔ وہ راندہ درگاہ ہو جاتا ہے، چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ہو، رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ ہو، استاذِ محترم کی بارگاہ ہو، مرشد کی بارگاہ ہو اور چاہے وہ والدین کی بارگاہ ہو، اگر آپکا تعلق محبوب والا نہیں ہے تو آپ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اور محبوب کی یہ بات یاد رکھنا کہ جس کی بات پہ غصہ نہ آئے، جسکے فیصلے پہ غصہ نہ آئے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کیوں محبوب ہوگئے؟ وہ جب ابو جہل نے جاکر کہا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، پھر ساتوں آسمان اور پھر عرش کی سیر کرکے تھوڑے سے وقت میں واپس بھی آگیا ہے، تو کیا مان لوگے؟ کہنے لگے کہ نہیں، عقل تو نہیں مانتی۔ ابو جہل بہت خوش ہوا کہ ہرپاسے ایہ ای کھلو جاندا سی نال، اج پھس گیا اے۔ فیر کہن لگا کہ اوہ جہیڑا تیرا نبی وے نا اوہنے اے گل آکھی اے۔ فرمایا جے محبوب نے آکھی اے تے ٹھیک آکھی اے۔

یہ زندگی بڑی تھوڑی ہے، حضرت صاحب کو رخصت ہوئے تین سال ہوگئے ہیں، ہمارا بھی پتہ نہیں کب وقت آجائے۔ کہیں اس عمرِ عزیز کو تباہ نہ کرلینا۔ ہمیشہ اپنے علم کو ناقص سمجھنا۔ امتحان میں اپنا ایک اور بتاؤں تمہیں۔ میں نے لاہور سے دو نعت خوانوں کو دعوت دے دی۔ جیسے یہ سعید بلالے کسی نعت خواں کو گھر اور اقبال صاحب کہیں کہ میں نے اس سے نعت نہیں پڑھوانی اور سعید کو چڑھ جائے غصہ تو اسکا مطلب ہے کہ اس نے باپ کو محبوب نہیں سمجھا۔ وہ جب آگئے دونوں نعت خواں تو حضرت صاحب کہنے لگے کہ بیٹا ٹائم کافی ہوگیا، قاری یوسف صاحب کی تقریر شروع کرواؤ۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے حضرت۔ اب سرکار دیکھ رہے ہیں کہ کہیں یہ غصہ تو نہیں

کرتا کہ میرے مہمان آئے ہیں اور اباجی نے کیا کہہ دیا۔ ہم نے دل سے قبول کیا کہ ٹھیک ہے جو حضرت صاحب نے کہا ہے ٹھیک کہا ہے، میں انکو بعد میں راضی کرلونگا۔ جب تقریر ختم ہوئی تو پھر مجھے بلایا کہ بیٹا پڑھوالو نعت ان سے۔ اس لیے امتحانوں سے گزرنا پڑتا۔

ایک اور بات حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا جن سے ہم محبت کرتے ہیں انکو ہم حکم نہیں کرتے بلکہ اشارہ کرتے ہیں۔ پسرور میں بھی جب میرے پاس پہلی دفعہ گئے تو فرمایا بیٹا تیرے دادا مرشد چھٹی شریف کا ختم دلاتے تھے۔ مجھے نہیں کہا، بس اتنا کہا کہ تیرے دادا مرشد چھٹی شریف کا ختم دلاتے تھے۔ میں نے کہا حضور ہر ماہ ہوا کریگا۔ یہ بات میں نے پہلے بھی آپ سے عرض کی تھی کہ جو حکم مانے وہ بھی فرمانبردار نہیں ہوتا۔ آج کل اولاد کو یہی پریشانی ہے نا کہ ہم حکم مانتے ہیں۔ جو حکم مانے وہ بھی فرمانبردار نہیں ہوتے بلکہ جو خواہش کو حکم سمجھے وہ فرمانبردار ہوتے ہیں۔ اگر میرا مرشد کہے کہ صوفی اقبال میرا نمائندہ ہے، فضل کریم میرا نمائندہ ہے اور نبی احمد میرا نمائندہ ہے، تو وہ کیسا مرید ہے جسکو پیشوا کی خواہش کا ہی احترام نہیں۔ تو پھر ابلیس کی طرح جتنی جی چاہے خدمت کرتا رہے، اُسے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس لیے میں نے آج یہ آیت تلاوت کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے زبان سے بڑھ کے بات کردی کہ دل میں بھی گھٹن محسوس نہیں کرنی۔ اور یہ مفتی شفیع صاحب، جنکے بیٹے ہیں مفتی تقی عثمانی اور رفیع عثمانی، معارف القرآن تفسیر ہے انکی۔ سورۃ الحجرات کی پہلی آیات (اے ایمان والو، تمہاری آوازیں میرے نبی کی آواز سے بلند نہ ہوں، تمہارے قدم میرے نبی کے قدموں سے آگے نہ بڑھیں، تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہیں ہوگی) کی تفسیر میں انہوں نے یہ بات لکھی ہے۔ مفتی شفیع دیوبندی اس آیت کی تشریح میں یہ لکھتے ہیں کہ میں نے پرانی کافی تفسیریں دیکھ کہ یہ بات لکھی ہے کہ یہ جتنے حکم صحابہ کو نبی پاک ﷺ کیلئے دیے گئے تھے، آج بھی مرید صادق کیلئے اپنے شیخ کیلئے یہی حکم ہیں۔ اسلیے کہ اس کے شیخ نے اسکو اللہ کا حکم دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔